

تفسیر فضل القرآن

سورۃ النساء

الجزء (۳)

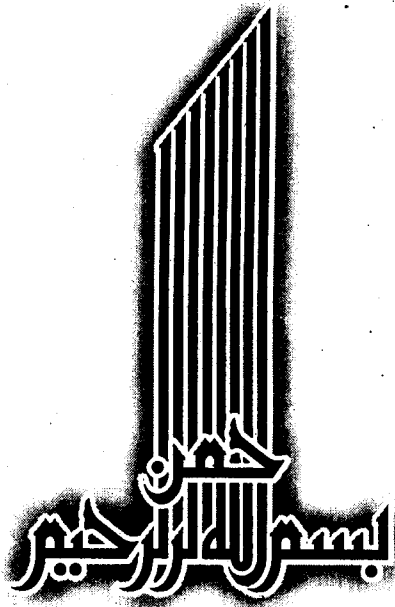
ترجمہ و تفسیر مع احکامات

فضل الرحمن بن محمد الازہری

ایک اعلیٰ عربی کلامی ادارت، انکشاف و ترقی کے لیے، صدر دارالعلوم دہلی اسلامیہ کی تحفہ
شرعیہ کی ایک اعلیٰ ادارت، خطیب مسجد مبارک اسلام آباد کی تحفہ، دارالعلوم

ناشر

ریپر مشیننگری سنٹر، 53 نشر روزانہ اور۔ فون: 59-7641358



فرمانِ باری تعالیٰ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ
إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ
أَنْتَ الْوَهَّابُ

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت سے نوازنے کے بعد ہمارے
دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دینا اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا کر دے۔
بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے۔

تفسیر فضل القرآن

www.KitaboSunnat.com

سورة النساء

الجزء (۳)

ترجمہ، تشریح و حل لغات

فضل الرحمن بن محمد الازہری

ایم اے عربی کولڈ میڈلٹ ایم اے اسلامیات - صدر دار الدعوة السلفية لاہور
شریعہ کورس الازہر القاہرہ - خطیب مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

ناشر

ریز مشینری سٹور، 53 نشتر روڈ لاہور۔ فون: 59-7641358

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب:

تفسیر فضل القرآن

سورۃ النساء

زمرہ تفسیر و احکامات

فضل الرحمن بن محمد لا زہری

ایم اے عربی کونولجی، ایم اے اسلامیات - صدر دارالعلوم السلفیہ لاہور
شریک کورس الاذہر القاہرۃ - خطیب مسجد مبارک اسلام آباد کالج ریلوے روڈ لاہور
www.KitaboSunnat.com

کپوزنگ	عبدالقدوس
تعداد:	1100
ناشر:	ریز مشینری سٹور
قیمت:	۲۵۰ روپے
طابع:	حطیم پرنٹرز

المکتبۃ الاسلامیہ

13975

فہرست تفسیری مضامین

۱۷	شکر الہی	❁
۱۹	پیش لفظ	❁
۲۴	حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کی تخلیق۔ پھر نسل انسانی کا دنیا میں پھیلنا	❁
۲۵	صلح رحمی کی جزا اور قطع رحمی کی سزا	❁
۲۵	یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم	❁
۲۶	بیویوں کی تعداد کے بارے میں حکم	❁
۲۶	مہر کی فرضیت اور اس کی حقیقت	❁
۲۷	www.KitaboSunnat.com	❁
۲۷	حل اللغة	❁
۲۹	یتامی کے مال اور ذاتی مال کے بارے میں ہدایت	❁
۳۱	بالغ ہونے کی عمر	❁
۳۱	یتیموں کے مال کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی احتیاط	❁
۳۳	حل اللغة	❁
۳۵	میراث میں سے عورتوں اور چھوٹی اولاد کو حصہ ملنا	❁
۳۶	نظر کا لگنا اور اس کا حق ہونا اور اس کا علاج	❁
۳۷	یتامی کا مال کھانے کا انجام	❁
۳۸	ورثاء کو نادار و فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ان کو غنی چھوڑا جائے	❁
۳۸	حل اللغة	❁
۴۱	میراث میں مردوں اور عورتوں کے حصے	❁
۴۲	عورتوں کا حصہ مقرر ہونا	❁

- ۴۲ میراث کی تقسیم سے پہلے میت پر اگر قرض ہو تو پہلے وہ ادا کیا جائے گا
- ۴۳ مقروض مومن کی روح معطل رہتی ہے
- ۴۴ حل اللغة
- ۴۶ اصحاب الفروض اور عصبوں کا بیان
- ۴۷ میت کی وصیت پر عمل کرنے سے پہلے اس کا قرض اتارا جائے گا
- ۴۸ اخپانی بہن بھائی والی کلام میت کا ذکر
- ۴۸ میت کی زندگی میں فوت ہونے والوں کی اولاد کا بیان
- ۴۹ حل اللغة
- ۵۱ علم الفرائض کو حدود اللہ سے تعبیر کرنے کی حکمت
- ۵۱ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں مثالیں
- ۵۳ احادیث میں علم الفرائض
- ۵۴ علم الفرائض کی اہمیت
- ۵۵ حل اللغة
- ۵۷ اہل عرب کے زمانہ جاہلیت کی برائیوں کا ذکر
- ۵۷ اسلام کے ابتدائی دور میں زنا اور لواطت کی سزا
- ۵۷ ایک عورت کی گواہی کا مقبول ہونا
- ۵۸ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے
- ۵۸ توبہ کی شرائط
- ۵۹ زانی زانیہ کی حتمی سزا
- ۶۱ حل اللغة
- ۶۳ زمانہ جاہلیت میں باپ کے فوت ہونے پر سوتیلی ماں سے نکاح کا جائز ہونا
- ۶۵ بیویوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم
- ۶۷ طلاق دیتے ہوئے ادا کردہ مہر سے کچھ نہ لینے کا حکم
- ۶۷ زیادہ مہر ادا کرنے پر کوئی پابندی نہیں

۶۸	حل اللغة	۱
۷۰	سوتیلی ماں سے نکاح کی ممانعت	۱
۷۲	قرآنی حکم کی خلاف ورزی کرنے کی سزا	۱
۷۲	ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح نہیں ہو سکتا	۱
۷۳	حل اللغة	۱
۷۷	لوٹڈیوں کے بارے میں وضاحت	۱۵
۷۸	متعہ کے بارے میں وضاحت	۱
۸۰	بدکارہ لوٹڈی کی سزا	۱
۸۰	لوٹڈی سے شادی کی قباحت	۱
۸۰	حل اللغة	۱
۸۳	حلال و حرام سے امت مسلمہ کو آگاہ کر دیا گیا	۱۱
۸۳	توبہ کی فضیلت	۱
۸۵	ٹیکسوں کے بارے میں اہم نکتہ	۱
۸۶	قول الزور کا معنی	۱
۸۷	www.KitaboSunnat.com	
۹۰	حل اللغة	۱
۹۰	ہر انسان اپنے اعمال کی جزایا سزا پائے گا	۱۲
۹۱	صرف اللہ سے مانگنے کا حکم	۱
۹۲	میراث کے حقدار حقیقی رشتہ دار ہیں	۱
۹۲	مرد عورتوں پر حاکم ہیں	۱
۹۳	نیک عورتوں کی صفات اور ان کی جزا	۱
۹۳	سرکشی کرنے والی عورتوں کی سزا	۱
۹۴	حل اللغة	۱
۹۶	میاں بیوی میں ناچاکی ہو جانے کی صورت میں صلح کا طریقہ	۱۳
۹۷	اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا حکم	۱

- ۹۷ ریاء بھی شرک کی صورت ہے
- والدین قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، نزدیکی اور دور کے ہمسایوں، زندگی اور سفر کے
- ۹۸ ساتھیوں، مسافروں، غلاموں اور لونڈیوں سے احسان کرنے کا حکم
- ۱۰۰ حل اللغة
- ۱۰۲ بخلی، ریاء، اسراف و تبذیر کی مذمت
- ۱۰۳ شیطان برا ساتھی ہے
- ۱۰۴ کافر کو نیکی کی جزا دنیا میں مل جاتی ہے
- ۱۰۵ رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت پر گواہ ہونا
- ۱۰۵ حل اللغة
- ۱۰۷ نماز کی اہمیت اور نشے میں پڑھنے کی ممانعت
- ۱۰۸ تدریجاً شراب کا حرام ہونا
- ۱۰۹ جو نشہ دے وہ حرام ہے
- ۱۰۹ غسل جنابت اور بیوٹی پارلر جانے والی دہن
- ۱۱۰ تیمم اور اس کا طریقہ
- ۱۱۱ حل اللغة
- ۱۱۳ اسلامی ریاست کے قائم ہونے پر یہود کا حشر
- ۱۱۴ یہود کی خباثت
- ۱۱۶ کعب احبار کا مسلمان ہونا
- ۱۱۶ حل اللغة
- ۱۱۹ مشرک اگر تائب نہ ہو تو جہنمی ہوگا
- ۱۲۰ محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء علیہم السلام کو شرک سے بچنے کی تلقین
- ۱۲۰ شرک سے بچنے والوں کو بشارت
- ۱۲۱ اپنی پاکیزگی کا چرچا کرنے کی ممانعت
- ۱۲۱ جبت و طاغوت کا معنی

۱۲۲	حل اللغة	۱۸
۱۲۵	حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے	
۱۲۶	اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں کا انجام	
۱۲۷	اطاعت گزار بندوں کو ملنے والی نعمتیں	
۱۲۸	حل اللغة	
۱۳۰	لفظ امانت کا معنی و مفہوم اور اس کی ادائیگی کا حکم	۱۹
۱۳۳	اولی الامر کی وضاحت	
۱۳۴	اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی	
۱۳۴	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس بارے میں راہنمائی	
۱۳۴	حل اللغة	
۱۳۷	مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے قائم ہوتے ہی اسلامی قانون نافذ ہو گیا	۲۰
۱۳۷	طاغوت سے فیصلہ کرانے کی ممانعت	
۱۳۸	ایک منافق کے بارے میں عمر فاروق کا فیصلہ	
۱۳۹	منافقوں کی بنیادی نشانیاں	
۱۳۹	مبلغین کے لیے راہنمائی	
۱۳۹	حل اللغة	
۱۴۲	رسول اللہ کو بھیجا اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے	۲۱
۱۴۳	اپنی جان پر ظلم ہونے کی صورت میں توبہ و استغفار کی تلقین	
۱۴۴	رسول اللہ ﷺ کو فیصل بنانا اور ان کے فیصلے کو تسلیم کرنا ہی ایمان کی شرط ہے	
۱۴۵	حل اللغة	
۱۴۷	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہونے والے چار قسم کے حضرات	۲۲
۱۴۸	سب سے زیادہ جن کی آزمائش ہوتی ہے	
۱۴۸	رسول اللہ ﷺ کو شفاعت کرنے کا شرف حاصل ہوگا	
۱۴۹	ابوبکر الصديق رحمہ اللہ کا شرف	

۱۵۰	شہداء کی وضاحت	۱۵۰
۱۵۰	رسول اللہ ﷺ کی آخری دعا	۱۵۰
۱۵۱	مجدوں سے درجے بلند ہوتے ہیں	۱۵۱
۱۵۲	حل اللغة	۱۵۲
۱۵۳	اہل اسلام کو اپنا دفاعی نظام مضبوط کرنے کا حکم	۱۵۳
۱۵۵	اجتماعی جہاد کا حکم	۱۵۵
۱۵۶	اسلامی ریاست کا امیر اہل اسلام کے لیے ڈھال ہوتا ہے۔	۱۵۶
۱۵۶	جہاد سے گریزاں ہونے والوں کی نشاندہی	۱۵۶
۱۵۷	حل اللغة	۱۵۷
۱۶۰	اسلامی جہاد کی حقیقت	۱۶۰
۱۶۲	فتح مکہ پر اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کا معاف کرنا	۱۶۲
۱۶۲	حل اللغة	۱۶۲
۱۶۶	ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے	۱۶۶
۱۶۷	مال اور اولاد فتنہ کا سبب ہے	۱۶۷
۱۶۸	جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ انسان کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے	۱۶۸
۱۶۸	جس نے مرنا نہیں اس پر توکل کرنے کا حکم	۱۶۸
۱۶۹	حل اللغة	۱۶۹
۱۷۲	قرآن حکیم میں غور و فکر کرنے کی دعوت	۱۷۲
۱۷۳	شیطان انسان کے برے اعمال مزین کرتا ہے	۱۷۳
۱۷۴	بلا سوچے سمجھے خبروں کی تشہیر کی ممانعت	۱۷۴
۱۷۵	قتال کا حکم	۱۷۵
۱۷۵	حل اللغة	۱۷۵
۱۷۸	شفاعت اچھی ہو یا بری۔ شفاعت کرنے والے کو بھی اس میں سے حصہ ملتا ہے	۱۷۸
۱۷۹	”السلام علیکم“ کی فضیلت و اہمیت	۱۷۹

جس کو اس کے برے اعمال کی بناء پر اللہ گمراہی میں غرق کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں

۱۸۱ ----- دے سکتا

۱۸۲ ----- حل اللغة

۱۸۵ ----- کفار و منافقوں کی کوشش ہوتی ہے اہل حق کو حق سے دور کر دیں

۱۸۶ ----- جنگ اُحد کے موقع پر یہود سے مدد لینے سے رسول اللہ ﷺ کا انکار

۱۸۷ ----- لڑائی نہ کرنے والوں سے لڑائی کی ممانعت

۱۸۷ ----- حل اللغة

۱۹۰ ----- مسلمان کے قتل کی قانوناً جائز تین صورتیں

۱۹۱ ----- ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا، اس کا مال اور اس کی عزت کا حرام ہونا

۱۹۱ ----- قتل خطا کی سزا۔ دیت و کفارہ

۱۹۲ ----- اللہ کے نزدیک مومن کی عزت و عظمت

۱۹۳ ----- قاتل و مقتول دونوں جہنم میں

۱۹۴ ----- حل اللغة

۱۹۷ ----- لا الہ الا اللہ کہنے والے کے قاتل کو قبر کا قبول نہ کرنا

۱۹۸ ----- لا اللہ الا اللہ کہنے والا کا قتل کفر ہے

۱۹۹ ----- عذر شرعی کی بناء پر جہاد کی نیت رکھنے والا مجاہدوں کے ساتھ ہوتا ہے

۱۹۹ ----- حل اللغة

۲۰۲ ----- مشرکوں میں ملا جلا رہنے والا ان جیسا ہو جاتا ہے

۲۰۳ ----- مجبوری کی حالت میں مشرکوں میں رہنے والوں کے لیے آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے

۲۰۳ ----- ہجرت کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے

۲۰۴ ----- ایک بیمار شخص کی ہجرت کا واقعہ

اس ملک میں رہائش پذیر ہونا جائز نہیں کہ جہاں سلف صالحین کو گالی دی جائے یا جہاں حرام

۲۰۴ ----- کا غلبہ ہو

۲۰۵ ----- حل اللغة

۲۰۸	قصر نماز کا بیان	۱۶
۲۰۹	سفر میں پوری نماز کا جواز	۱۷
۲۱۰	سفر کے دوران قصر کرنے کی مدت	۱۷
۲۱۰	سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا بیان	۱۷
۲۱۱	نماز خوف کا طریقہ	۱۷
۲۱۱	جنگ کی حالت میں قضا کا جواز	۱۷
۲۱۲	حل اللغة	۱۷
۲۱۳	ذکر الہی کا حکم اور اس کی فضیلت	۱۷
۲۱۶	ذکر الہی سے اعراض کرنے والوں کا انجام	۱۷
۲۱۶	دنیا میں دیا جانے والا مال آزمائش ہوتا ہے	۱۷
۲۱۷	قارون کا انجام	۱۷
۲۱۸	دشمن کا پیچھا کرنے اور نمازیں پڑھنے کا حکم	۱۷
۲۱۹	باجماعت نماز کا اجر	۱۷
۲۱۹	حل اللغة	۱۷
۲۲۱	کسی جھگڑے میں چرب زبانی سے ناحق حاصل ہونے والا مال جہنم کا ٹکڑا ہوتا ہے	۱۷
۲۲۲	دو انصاری بزرگوں کا معاملہ	۱۷
۲۲۲	قاضیوں کو ملنے والی گنجائش	۱۷
۲۲۳	فیصلہ کرنے میں نفسی خواہشات کی اتباع کرنے کی ممانعت	۱۷
۲۲۳	بنو اُیبرق کا واقعہ	۱۷
۲۲۵	حل اللغة	۱۷
۲۲۷	اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اس کے غضب پر غالب ہونا	۱۷
۲۲۸	اللہ تعالیٰ تاب ہونے والے کو معاف فرماتا ہے	۱۷
۲۲۹	استغفار کی فضیلت	۱۷
۲۳۰	کتاب و حکمت کی برکت	۱۷

۲۳۱	حل اللغة	۳۶
۲۳۳	بری سرگوشی کی ممانعت اور اچھی سرگوشی کا حکم	۳۷
۲۳۵	معاشرے کی بگاڑ کے تین اسباب	۳۸
۲۳۵	صدقہ - المعروف اور اصلاح سے ان کا سد باب	۳۹
۲۳۷	حل اللغة	۴۰
۲۳۹	فرشتوں کے بارے میں مشرکوں کا عقیدہ	۴۱
۲۴۰	اللہ کے علاوہ جس کو پکارا جائے گا وہ شرک ہوگا	۴۲
۲۴۱	قیامت کے روز ایک ہزار میں سے نو سو نواوے جہنمی ہوں گے	۴۳
۲۴۲	حل اللغة	۴۴
۲۴۵	یہود و نصاریٰ کا دعویٰ اور اس کا جواب	۴۵
۲۴۶	جزا و سزا کا دار و مدار انسان کے اعمال پر ہوگا	۴۶
۲۴۸	دنیا میں مومن کو پہنچنے والی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے	۴۷
۲۴۹	ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ ہونے کا شرف اور اس کی وجہ	۴۸
۲۵۱	حل اللغة	۴۹
۲۵۱	زمانہ جاہلیت میں چھوٹے لڑکے اور عورت کو وراثت میں سے کچھ نہ ملتا تھا	۵۰
۲۵۱	یتیمہ کے بارے میں غلط سوچ اور اس کی اصلاح	۵۱
۲۵۲	بیویوں کے بارے میں عدل و انصاف کا حکم	۵۲
۲۵۳	حل اللغة	۵۳
۲۵۶	کل کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے	۵۴
۲۵۷	شکر کا فائدہ انسان کو ہوتا ہے اور ناشکری کا وبال بھی اسی پر ہوتا ہے	۵۵
۲۵۸	محمد رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا	۵۶
۲۵۹	دنیا اور آخرت میں سے اللہ سے جو مانگا جائے وہ مل جاتا ہے	۵۷
۲۵۱	حل اللغة	۵۸
۲۶۳	اسلام میں عدل و انصاف سے انحراف کی اجازت نہیں	۵۹

۲۶۴	عبداللہ بن رواحہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا واقعہ	۳۲
۲۶۵	سیدھی صاف بات کرنے کا حکم	
۲۶۶	زمین میں سب سے قلیل شی عدل ہے	
۲۶۶	آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے کا حکم	
۲۶۷	حل اللغة	
۲۶۹	تذبذب کا شکار رہنے والوں کی بخشش نہیں ہوگی	
۲۶۹	جس مجلس میں قرآنی آیات کا مذاق اڑایا جائے اس میں بیٹھنے رہنے کی ممانعت	
۲۷۰	حقیقی عزت اللہ ہی کے لیے ہے	
۲۷۱	محمد رسول اللہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> نے مشرکوں سے مدد لینے سے اجتناب کیا	
۲۷۱	معصیت پر راضی ہونا معصیت ہی ہوتی ہے	
۲۷۲	حل اللغة	
۲۷۵	کافروں اور منافقوں کا مقصد ایک ہوتا ہے	۳۳
۲۷۵	بھلائی اور تکلیف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے	
۲۷۶	مدینہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست دس سال میں مستحکم ہوگئی	
۲۷۷	کفار کو دائمی فتح نصیب نہ ہوگی	
۲۷۷	کفر کی بیماری بڑھتی رہتی ہے	
۲۷۸	مومن اور منافق کی نماز میں فرق	
۲۷۸	مومن، کافر اور منافق کی مثال	
۲۷۹	حل اللغة	
۲۸۱	مومنوں کا دوست صرف اللہ ہے	۳۴
۲۸۲	کفار سے مومنوں کی دوستی ضرر رساں ہوتی ہے	
۲۸۳	سچا مسلم ہونے کی چار شرائط	
۲۸۳	انعام کی برکات اور اس کی وضاحت	
۲۸۶	حل اللغة	

- ۲۸۸ اسلام میں بدلہ لینے کا حق تو ہے لیکن درگزر کرنے کو اللہ پسند کرتا ہے (۲۵)
- ۲۸۹ برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تعلیم (۲۶)
- ۲۹۰ معاف کرنے کی تلقین (۲۷)
- ۲۹۱ اہل اسلام کا تمام رسولوں پر ایمان رکھنا (۲۸)
- ۲۹۱ حل اللغة (۲۹)
- ۲۹۴ یہود کی کج بجھی، سرکشی، نافرمانی اور ناجائز مطالبہ (۳۰)
- ۲۹۵ طور پہاڑ کا ان پر بلند کہا جانا (۳۱)
- ۲۹۶ ان کو ملنے والی سزا (۳۲)
- ۲۹۷ حل اللغة (۳۳)
- ۲۹۹ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رومی گورنر کا قول (۳۴)
- ۳۰۰ عیسیٰ علیہ السلام کے خون کی ذمہ داری یہود نے قبول کی (۳۵)
- ۳۰۰ شاہ فلسطین کا رومی اور عیسائی عقائد کو جمع کرنا (۳۶)
- ۳۰۱ ہرقل روم کے دربار میں ابوسفیان کا بیان (۳۷)
- ۳۰۲ ہرقل روم کا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے آگاہ ہونا (۳۸)
- ۳۰۳ ہرقل روم کی اپنے سرداروں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت (۳۹)
- ۳۰۴ عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر (۴۰)
- ۳۰۴ حل اللغة (۴۱)
- ۳۰۶ یہود کی تین برائیوں کا ذکر (۴۲)
- ۳۰۷ (۱) اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا (۴۳)
- ۳۰۹ (۲) سودی لین دین کرنا (۴۴)
- ۳۱۰ (۳) لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا (۴۵)
- ۳۱۱ حل اللغة (۴۶)
- ۳۱۴ شان نزول اور علوم القرآن پر بحث (۴۷)
- ۳۱۶ نبیوں ﷺ کی تعداد کا حقیقی علم اللہ کو ہے (۴۸)

۳۱۶	داؤد علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر	❁
۳۱۷	حل اللغة	❁
۳۲۰	حق کو جھٹلانے والے ظالم ہی اللہ کی بخشش سے محروم ہوں گے	❁
۳۲۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بندگی عبادت کا حکم دیا	❁
۳۲۲	”رُوحٌ مِنْهُ“ کی وضاحت	❁
۳۲۳	حل اللغة	❁
۳۲۶	عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار و انکار نہیں تھا	❁
۳۲۷	عیسائیوں نے یہود کی نقالی کی	❁
۳۲۷	عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی دلیل	❁
۳۲۸	امت محمدیہ کو غلو سے روکا گیا ہے	❁
۳۲۸	فرشتے عباد الرحمن ہیں	❁
۳۲۹	انسان نہ مختار کل ہے اور نہ ہی مجبور محض	❁
۳۳۰	حل اللغة	❁
۳۳۲	کلامہ کی وضاحت	❁
۳۳۳	کلامہ کی وراثت کی چار صورتیں	❁
۳۳۴	علم الفرائض کی اہمیت	❁
۳۳۴	صحابہ کا معمول	❁
۳۳۵	سورۃ النساء کے آغاز و اختتام میں عجیب نکتہ	❁
۳۳۵	حل اللغة	❁



شکر الہی

www.KitaboSunnat.com

اللہ رحیم و کریم کے فضل و کرم سے تفسیر فضل القرآن کی تیسری جلد جو سورۃ النساء کے ترجمہ و تشریح اور حل اللغۃ پر مشتمل ہے۔ مختلف رکاوٹوں سے گزرتی ہوئی منظر عام پر آ گئی ہے۔ دینی علمی کاموں کے کرنے والے اساتذہ و خطباء و مدرسین و معلمین اور دیگر سکارعموماً ایسے اداروں سے منسلک ہوتے ہیں کہ جو ان کو فکر معاش سے کسی حد تک بے نیاز کر دیتے ہیں اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص سارا دن تو رزق کے حصول اور اہل عیال کی ذمہ داری نبھانے میں مصروف رہے اور ساتھ ساتھ خطابت و تصنیف کا کام بھی کرتا رہے۔ الحمد للہ میں ان خوش نصیب انسانوں میں سے ایک ہوں کہ جس نے ساری دینی تعلیم کاروبار کرتے ہوئے حاصل کی اور کاروباری مصروفیت کے باوجود بتیس (۳۲) سال مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں لوجہ اللہ خطابت کا سلسلہ بھی بغیر کسی قحط سے جاری رکھا۔ چند کتابیں تحریر کرنے کا موقع بھی نکالا۔ ۱۷ سال ریڈیو پاکستان سے دینی علمی پروگراموں میں حصہ بھی لیا۔ دین کا مشکل ترین شعبہ قرآن حکیم کی تفسیر کا لکھنا ہے اور جب ساتھ حل اللغۃ (گرامر) بھی شامل ہو جائے تو مشکل میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ لیکن جب قرآن و سنت کو دیکھتا تو جواب بالکل واضح مل جاتا ہے:

﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

”یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فضل ہے جس کو چاہتا ہے وہ عطا کر دیتا ہے اور اللہ ہی عظیم فضل والا ہے۔“

لہذا میں رب العالمین کا شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی۔

یہ چند کلمات تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ مجھ جیسے کاروباری، دنیا دار انسان سے یہ کام لے سکتا ہے تو تمام مسلمان بھائی بہن جو مجھ سے بہتر ہیں اگر وہ بھی ذرا کوشش کریں تو اللہ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔ دعا ہے اللہ ہمیں دین کا علم حاصل کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔ اور ہماری کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے۔

فضل الرحمن بن محمد

فرمان باری تعالیٰ

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا
وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں
کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں
پرہیزگاروں کا امام بنا۔

پیش لفظ

مولانا فضل الرحمن کا شمار جماعت اہل حدیث کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے وہ ۱۱/ جون ۱۹۳۵ کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ میٹرک لاہور کے سنٹرل ماڈل ہائی سکول سے کیا۔ ایف۔ اے اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) لاہور سے اور بی اے پرائیویٹ طور پر کیا۔ ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کے امتحانات بھی پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر پاس کیے۔ ایم اے عربی میں یونیورسٹی میں اوّل آئے اور گولڈ میڈل اور سلور میڈل کے حق دار قرار پائے۔

طالب علمی کے زمانے میں کرکٹ کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ چنانچہ سکول، کالج، یونیورسٹی پنجاب اور پاکستان کی طرف سے کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا اور کھلاڑی کی حیثیت میں ہی انگلینڈ، ویسٹ انڈیز، سری لنکا، سنگاپور، ملیشیا میں کھیلنے کا موقع ملا۔ امرتسر کے کاروباری خاندان سے تعلق تھا۔ اب بھی برانڈر تھ روڈ لاہور میں کاروبار کرتے ہیں۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس تعلیم کا آغاز مسجد قدس چوک دال گراں سے کیا اور مولانا عبدالرشید کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ چار سال ان سے حصول علم کرتے رہے۔ پھر حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ (متوفی ۳/ اکتوبر ۱۹۸۷ء) کی شاگردی اختیار کی۔ ان سے آدھی صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا اور بعض دیگر کتابیں پڑھیں۔ کافی عرصہ ان سے مصروف استفادہ رہے۔

اس زمانے میں مسجد مبارک کی انتظامیہ کمیٹی کے سیکرٹری پروفیسر عبدالقیوم مرحوم (متوفی ۸/ ستمبر ۱۹۸۹ء) تھے اور مسجد کے منصب خطابت پر مولانا عطاء اللہ حنیف قارئ تھے۔ مولانا ممدوح اور پروفیسر صاحب نے باہم مشورہ کر کے ۱۹۷۳ء میں خطابت کی ذمہ داری مولانا فضل الرحمن کو سونپ دی۔ بیس (۳۲) سال سے وہ حسن و خوبی کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے دور خطابت میں مسجد کی جدید تعمیر ہوئی اور اسے وسیع کیا گیا۔ خطبہ جمعہ کے سامعین میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ مسجد کی رونق اللہ کے فضل سے بہت بڑھ گئی۔

عیدین کی نماز مولانا فضل الرحمن مسجد مبارک کے متصل اسلامیہ کالج (ریلوے کالج) کی گراؤنڈ میں پڑھاتے ہیں، جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ خطبہ جمعہ کا اور عیدین کی خطابت کا سلسلہ ماشاء اللہ کامیابی سے جاری ہے۔ ۱۹۸۶ء میں مولانا مصر گئے، وہاں جامعہ ازہر (قاہرہ) سے شریعہ کورس کی سند حاصل کی۔

اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود ملک اور بیرون ملک میں انھوں نے بہت سے تبلیغی دورے کیے۔ مختصر الفاظ میں ان کے بیرون ملک کے تبلیغی دوروں کا سلسلہ اس طرح ہے۔

① دو مرتبہ امریکہ گئے۔ ایک دورے میں وہاں کی مشہور ڈیوک یونیورسٹی میں چند لیکچر دیے اور اسلام کے مختلف موضوعات

پر پی، ایچ، ڈی کرنے والوں سے ان کے موضوعات سے متعلق طویل گفتگو میں اسلام کی حقانیت کو واضح کیا۔ وہاں کے اکناکس ڈیپارٹمنٹ میں اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں پائے جانے والے شکوک کو دور کیا اور سود سے پاک بنکاری کے بارے میں بھی سوالات کے تسلی بخش جواب دیے۔

نارتھ کیرولائٹ (امریکہ) کی ماڈل جیل میں مسلمان قیدیوں کے سامنے ایک گھنٹے کے خطاب میں ان کو اچھا مسلمان ثابت ہونے کی تلقین کی۔

۱۹۸۳ء میں امریکہ کے ایک پروجیکٹ میں شرکت کی اور یو این او میں خطبہ جمعہ بھی دیا۔ وہاں خطبہ جمعہ دینے والے شاید یہ پہلے پاکستانی تھے۔

② کینیڈا کا تبلیغی دورہ بھی دو مرتبہ کیا۔ ٹورنٹو اور ہملٹن مساجد میں جمعے کے خطبے ارشاد فرمائے۔ اور متعدد اسلامی موضوعات پر تقریریں کیں اور مسلم کمیونٹی کو متحد ہو کر اسلام کی سر بلندی کے لیے کام کرنے کی تلقین کی۔

③ دو مرتبہ ہی انگلستان کے تبلیغی دوروں پر جانے کے مواقع میسر آئے ۱۹۷۹ء میں انگلستان کی اہلحدیث کانفرنس میں شرکت کی اور ۱۹۸۳ء میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے اسلامی مراکز کے دورے کیے اور ان میں لیکچر دیے۔ اس طرح دونوں مرتبہ انھیں انگلستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اجتماعات میں خطاب کے مواقع حاصل ہوئے۔

④ عرب امارات کی جماعت اہل حدیث کی طرف سے دعوت آئی تو وہاں کا عزم کیا اور مختلف مقامات میں ۷ ادن تقریروں میں گزرے۔

⑤ تین مرتبہ ہندوستان تبلیغی دورے پر گئے۔ ایک مرتبہ ۱۹۸۷ء میں، پھر ۱۹۸۸ء میں اور پھر ۱۹۸۹ء میں متواتر تین سال بمبئی کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور وہاں کے متعدد اسلامی مراکز میں تقریریں کیں۔ اس کے بعد حکومت ہند نے اپنے ملک میں ان کے داخلے پر پابندی عائد کر دی تھی۔

ریڈیو پاکستان میں ان کی تقریروں کا سلسلہ ۷ سال جاری رہا۔ مختلف اسلامی موضوعات کے علاوہ انھوں نے نیشنل ہک اپ کے پروگرام ”قرآن حکیم اور ہماری زندگی“ میں قرآنی آیات کی تفسیر بیان کی۔

مسجد مبارک میں بھی تقریباً پچیس برس سے ہر رمضان المبارک میں نماز تراویح میں پڑھے گئے قرآن حکیم کی تفسیر کا خلاصہ مولانا فضل الرحمن اختصاراً اردو میں بیان کرتے ہیں۔

مولانا ماشاء اللہ بہت اچھے مقرر ہیں اور صفائی اور بلند آہنگی سے کتاب و سنت کی روشنی میں تقریر کرتے ہیں۔ لوگ قریب اور دور سے آ کر توجہ اور انہماک سے ان کی تقریر سنتے اور مستفید ہوتے ہیں اور کسی مصنف اور مقرر کا بہت بڑا کمال ہے کہ اس کی تقریر اور تحریر سے، ہر طبقے کے لوگ یکساں استفادہ کر سکیں۔

مولانا کی خطابتی اور تقریری مساعی کے بعد ان کی تصنیفی خدمات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں اور کتابچے تصنیف کیے۔

- ① اسلام میں عورت کی سربراہی: اس کتاب میں مولانا نے قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اسلام کی رو سے عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی اور انہوں نے اس سلسلہ میں ۱۱۴۲ اسلامی کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔
 - ② سوانح حیات مولانا ثناء اللہ امرتسری: یہ کتاب حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مغفور کے حالات زندگی پر اگرچہ مشتمل ہے لیکن اس میں انھوں نے بہت سی علمی معلومات کو جمع کیا ہے۔
 - ③ جنازے کے مسائل: اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ جنازے کے متعلق مسائل و احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔
 - ④ قادیانی اور لاہوری مرزائی دائرہ اسلام سے کیوں خارج ہیں؟: اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فاضل مصنف نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مرزائیوں کے دونوں گروپ لاہوری اور قادیانی خارج از اسلام ہیں۔
 - ⑤ رجم کے بارے میں شرعی عدالت کا غیر شرعی فیصلہ: شادی شدہ زانی کو رجم کی سزا دینے کے متعلق یہ نہایت اچھی کتاب ہے۔
 - ⑥ رجب کے کوئٹے: ایک حلقے میں ۲۲۔ رجب کو ”کوئٹوں“ کا جو رواج چلا آرہا ہے اس کے متعلق یہ رسالہ لائق مطالعہ ہے۔
 - ⑦ آخری چہار شنبہ: ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کے بارے میں میں ثابت کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔
 - ⑧ اکلم ٹیکس کی شرعی حیثیت: اس میں بتایا گیا ہے کہ حکومت لوگوں سے جو اکلم ٹیکس وصول کرتی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔
 - ⑨ پریس پر پابندی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:
 - ⑩ نگفن پر دعائیہ کلمات کی اصل:
- مولانا کو قرآن مجید سے خاص تعلق خاطر ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا اس صحیفہ نور کے بعض پہلوؤں پر انھوں نے ریڈیو میں تقریریں کیں، نماز تراویح میں تلاوت شدہ س پارے کے مضامین کی وضاحت کو اپنا معمول قرار دیا اور خطبات جمعہ میں اس کی مناسب الفاظ میں تفسیر کو اپنے آپ پر لازم ٹھہرایا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ ابتدا قرآن سے اس کی تفسیر کی طرف عنان توجہ مبذول کی۔ یہ ایک بابرکت سلسلہ ہے۔ بحمد اللہ سورۃ فاتحہ، سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء کا ترجمہ و تفسیر وحل اللغۃ وہ مکمل کر چکے ہیں اور اب وہ سورۃ المائدہ پر کام کر رہے ہیں۔
- مولانا کا طریق تحریر یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید کی آیت درج کرتے ہیں اس کے بعد اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ پھر تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ آخر میں حل لغات کا سلسلہ چلتا ہے جو علماء و طلباء اور عوام کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔
- تقریری طرح مولانا کی تحریری زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ ہر شخص آسانی سے ہر بات سمجھ لیتا ہے زیادہ تعلیم یافتہ بھی اور کم تعلیم یافتہ بھی برابر مستفید ہوتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل یہ ہے کہ ان کی تفسیر فضل القرآن کی پہلی اور دوسری جلد کے بعد اب تیسری جلد جو کہ سورۃ النساء پر مشتمل ہے، بھی کتابی صورت میں منظر عام پر آگئی ہے۔ اور یہ تفسیر بھی ”قرآن حکیم اور ہماری زندگی“ کے تحت قسطوں میں ہفت روزہ ”الاعتصام“ کی زینت بنتی رہی ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کا معاملہ بے حد اہمیت کا حامل اور نہایت احتیاط کا متقاضی ہے جس سے مولانا فضل الرحمن خوب آگاہ ہیں۔ ان کی تفسیر کی خصوصیات یہ ہیں:

- ✽ اسلاف امت کے نقطہ نظر کو پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔
- ✽ مختلف مقامات میں ایک آیت کی تفسیر کے لیے دیگر آیات سے استدلال کیا گیا ہے
- ✽ جگہ جگہ کتب حدیث کے حوالے دیے گئے ہیں اور ارشادات رسول (ﷺ) سے استشہاد کیا گیا ہے۔ جس سے تحقیق کرنے والوں کے لیے انھوں نے بڑی آسانی پیدا کر دی ہے۔
- ✽ قدیم کتب تفسیر سے مدد لی گئی ہے۔
- ✽ فرامین صحابہ کرام اور اقوال ائمہ عظام کو رہنما ٹھہرایا گیا ہے۔
- ✽ تاریخی واقعات کے لیے مستند اولین کتب تاریخ سے رجوع کیا گیا ہے
- ✽ موجودہ حالات کے تقاضے فاضل مفسر کے سامنے ہیں متعدد مقامات پر گزشتہ دور کے واقعات کی روشنی میں موجودہ دور کے واقعات کو ہدف بحث بنایا گیا ہے۔
- ✽ حلق لغات کے عنوان سے ہر آیت کے مشکل الفاظ کے اصل معنی کی تصریح کی گئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کے فضل و فضیلت میں اضافہ فرمائے اور بہ طریق احسن پایہ تکمیل کو پہنچے۔ آمین یا رب العالمین

بندۂ عاجز

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی - ریلوے لاہور
www.KitaboSunnat.com

۱۳ - مارچ ۲۰۰۳ء

۲۰ - محرم ۱۴۲۵ھ، بروز جمعۃ المبارک

تفسير فضل القرآن الجزء (3)

سورة النساء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

www.KitaboSunnat.com



اے لوگو! اپنے اس رب عزوجل سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا، پھر ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جاؤ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے بھی بچ جاؤ۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اور یتیموں کو ان کا مال دے دیا کرو، اور حلال (پاک) کو حرام (ناپاک) سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر عورتوں میں سے جو تم کو اچھی لگیں، ان میں سے دو دو، تین تین یا چار چار کے ساتھ نکاح کر لیا کرو۔ اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کیا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ

رَقِيبًا ﴿١﴾

وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْغَبِيَّ بِالطَّيِّبِ ۚ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴿٢﴾

وَأِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَّةَ وَرُبْعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعْوُوا ﴿٣﴾

کرو یا جس کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے (یعنی اپنی لونڈی ہی سے گزارا کیا کرو) یہ زیادہ قریب ہے کہ تم ایک طرف جھکنے سے بچ جاؤ۔

اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوش ہو کر دیا کرو، اگر وہ خود اپنی خوشی سے تمہیں مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں تو شوق سے کھایا پیا کرو

وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿٤﴾

تشریح:

قرآن حکیم میں متعدد سورتوں میں اگرچہ عورتوں کے مسائل کا ذکر ہوا ہے لیکن جس تفصیل کے ساتھ ان کے حقوق کو سورة النساء میں اجاگر کیا گیا ہے وہ کسی اور سورت میں نہیں ہوا اسی بنا پر اس سورة کو ان سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ ابن عباس، عبد اللہ بن زبیر، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے مطابق اس سورة کا نزول مدینہ میں ہوا۔ تفسیر القرطبی میں صحیح بخاری کے حوالے سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیوی کی حیثیت میں تھی کہ سورة النساء نازل ہوئی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ ممکن ہے کہ چند ایک ایسی آیات بھی ہوں جن کا نزول ہجرت کے بعد مکہ میں ہوا ہو۔ اگر کہا جائے کہ اس سورة کا آغاز ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ سے ہوتا ہے اور اس انداز کا خطاب مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں اپنایا گیا ہے تو اس کا جواب امام القرطبی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ سورة البقرہ کی آیت ۲۱ اور آیت ۱۶۸ میں بھی یہی انداز اپنایا گیا ہے جب کہ سورة البقرہ کو مدنیہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دینے سے پہلے واضح کر دیا کہ وہی ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے کی۔ پھر انہی میں سے ان کی بیوہ حواء کو پیدا فرمایا۔ اسی پہلے جوڑے سے نسل انسانی کو مردوں اور عورتوں کی صورت میں دنیا میں پھیلایا۔ لہذا اپنے جس خالق کے نام پر مانگتے ہو یعنی لیتے دیتے ہو، اسی کے خوف سے اپنے دلوں کو مزین رکھا کرو، کیونکہ ایک دن تم نے اسی کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنی جزایا سزا پانی ہے۔ چونکہ تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو اس لیے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے رہو اور قطع رحمی سے بچتے ہوئے ہمیشہ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے تمہارا کوئی بھی عمل اس سے پوشیدہ نہیں۔

صحیح بخاری (کتاب الأدب: باب من وصل وصلہ اللہ) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الرَّحِمُ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَقَالَ اللَّهُ: مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهُ»

(رحم)، (الرحمن) سے مشتق ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے تجھ کو ملایا، میں اس کو ملاؤں گا اور جس نے تجھے قطع کیا، میں اسے قطع کر دوں گا۔ یعنی جو صلہ رحمی نہیں کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔

یتیموں کے ساتھ عموماً زیادتی ہوتی ہے اور ان کے رشتہ داروں پر صلہ رحمی کے حوالے سے جو فرض عائد ہوتا ہے اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ اگر یتیموں کو وراثت میں مال یا جائیداد مل گئی ہو تو ان کے سرپرست مختلف حیلوں سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی یہی حال تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ یتیموں کے مال کو خرد برد کرنے کی بجائے ان کو دے دیا کرو اور ان کے مالوں میں کسی قسم کی خیانت نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا بھی نہ ہو کہ ان کی کسی اچھی چیز کو اپنے پاس رکھ کر اس کے بدلے میں ناقص دے دی جائے یا ان کے مالوں کو اپنے کسی کاروبار میں لگا کر گھانا دکھا دیا جائے یا اپنے کسی کاروباری نقصان کو ان کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ اس سلسلے میں جو بھی ہیر پھیر ہوگا یا یتیموں کا مال کھانے کی سوچ اور کوشش ہوگی تو وہ گناہ کبیرہ ہوگا۔

یتیم لڑکیوں کا معاملہ تو اس سے بھی خراب تھا۔ ان کا ولی یا سرپرست ان کا مال کھانے کے ساتھ ان کی زندگیوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا بھی مختار ہوتا تھا۔

صحیح بخاری: کتاب التفسیر میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا تو انہوں نے کہا: اے بیٹھے! یہ اس یتیمہ کے بارے میں ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہوتے ہوئے اس کے مال میں بھی شریک یعنی حصہ دار ہوتی، اس کے ولی کو اس کا حسن و جمال اور اس کا مال پسند آ جاتا تو وہ اس سے اس کے مہر میں انصاف کیے بغیر ہی نکاح کا ارادہ کر لیتا۔ جو دوسری بیویوں کو مہر ادا کرتا، اتنا اس یتیمہ کو نہ دیتا۔ تو اس آیت میں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ جب تک معروف طریقہ کے مطابق مہر ادا نہ کیا جائے تب تک نکاح نہ کریں۔ یتیمہ کے علاوہ جو عورتیں ان کو پسند ہوں۔ ان سے نکاح کرنے کا ان کو حکم دیا گیا، یعنی یتیمہ کے ساتھ ظلم و زیادتی سے ان کو روک دیا گیا۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی کی پرورش میں ایک یتیم تھی جس کا ایک باغ اور اس کا کچھ مال بھی تھا اس آدمی نے لالچ میں یتیم سے نکاح کر کے باغ اور مال پر قبضہ کر لیا۔ یتیم کو اس میں سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمادی۔

اسلام سے پہلے عرب میں بیویوں کی تعداد پر کوئی قید نہیں تھی۔ بلکہ جس کی زیادہ بیویاں ہوتیں اس کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ اسلام نے لاتعداد بیویوں کے رواج کو ختم کر کے ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی حد مقرر کر دی۔ چار کی اجازت دیتے ہوئے ان کے درمیان عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی پابندی بھی لگا دی۔ اگر خطرہ ہو کہ ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان انصاف نہیں ہو سکے گا تو پھر ایک ہی شادی پر اکتفا کرنے کا حکم دے دیا۔

أَسَدُ الْغَابَةِ (۳۴/۴) کی روایت میں ہے کہ غیلان بن سلمہ اشقی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں جو ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کو صرف چار رکھنے کی اجازت دی، انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔

سنن ابی داؤد (کتاب الطلاق، باب فی من اسلم و عنده نساء اکثر من اربع) میں وہب الاسدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے چار کو پسند کر لو۔

کتاب مختصر المزنی (ص ۱۷۱) میں اسی عنوان کے تحت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری پانچ بیویاں تھیں۔ ان میں سے سب سے پہلے جس سے شادی کی تھی اس کو چھوڑ کر باقی چار کو اپنی زوجیت میں رکھا۔ یعنی قرآنی تعلیم کے مطابق انہوں نے عمل کیا۔

اسلامی تعلیم سے ناواقف مغرب زدہ لوگ تعداد ازواج کے مسئلے کو بڑا اچھالتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں جاہلیت کے رسم و رواج کو ختم کر کے اہل ایمان کو اپنی بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کا پابند بنایا اور جو مرد اپنی ایک سے زیادہ بیویوں کو قرآنی تعلیم کے مطابق رکھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو ایک ہی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس وقت غلاموں اور لونڈیوں کی عام تجارت ہوتی تھی لہذا لونڈیاں رکھنے کی اجازت دیتے ہوئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کو آزاد کرنے کی ترغیب بھی دی۔

ہمارے ہاں مہر کے بارے میں بخیلی کا مظاہرہ کرنے کا عام رجحان ہے۔ شرعی مہر کے بارے میں تصور ہے کہ ۳۲ روپے دس آنے ادا کرنے یا ادا کرنے کے وعدہ پر فہر ادا ہو جاتا ہے۔ یہ تصور سراسر غلط ہے۔ کیونکہ مہر دولہا

کی حیثیت کے مطابق ادا ہونا چاہئے اور جو بھی مہر کی صورت میں دیا جائے گا وہی شرعی ہوگا۔
اسد الغابہ (۲۳۱/۷) کی روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(وہل عندك شىء تستحلها به؟)

تیرے پاس کوئی ایسی شے ہے جس سے تم اس کو اپنے لیے حلال کرو؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مرے پاس تو کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے جو زرہ تمہیں دی تھی اس کو تم نے کیا کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ تو میرے پاس ہے جو حطمیہ ہے اور اس کی قیمت چار سو درہم ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس زہر پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا۔

اسی لیے قرآن پاک میں حکم دیا گیا کہ مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ خود اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو شوق سے کھایا پیا کرو۔ مہر کی ادائیگی کی بہترین صورت یہ ہے کہ دلہن کو ڈالا گیا زیور مہر کے طور پر ادا کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ دولہا کی حیثیت کے مطابق ہی ہوتا ہے اور عند الطلب کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ قرآنی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

حل لغات:

○ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ میں يَا أَيُّهَا حرف ندا۔ النَّاسُ منادى۔ اتَّقُوا فعل امر حاضر۔ رَبَّكُم اس کا مفعول۔ الَّذِي اسم موصول خَلَقَكُمْ کی ضمیر کُم مخاطب کی اور خَلَقَ فعل ماضی۔ مِنْ حرف جر اور نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (مرکب توصیفی) مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔

○ ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ میں مِنْهَا زَوْجَهَا دونوں کی ہا ضمیریں نَفْسٍ وَاحِدَةٍ کی طرف راجع۔ زَوْجَهَا، خَلَقَ کا مفعول۔ بَثَّ فعل ماضی۔ رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً اس کے مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اس (نفس) میں سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا اور ان دونوں میں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔

○ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ میں تَسَاءَلُونَ (باب تفاعل) اصل میں تَسَاءَلُونَ (فعل مضارع جمع مذکر حاضر) ہے۔ اجتماع تاءین کی وجہ سے ایک تاء گری ہوئی ہے۔ الْآرْحَامَ، رَحِمَ کی جمع۔ محرم اور غیر محرم تمام اقارب کے لیے یہ اسم استعمال ہوتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اس اللہ تعالیٰ

کی نافرمانی سے بچ جاؤ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے بھی (بچ جاؤ) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بفعل - لفظ اللہ اس کا اسم - كَانَ سے آخر تک (جملہ) اس کی خبر - جس میں كَانَ فعل ناقص، ضمیر مستتر (پوشیدہ) اس کا اسم، اور رَقِيبًا اس کی خبر - جملہ کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

﴿وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ﴾ میں اتوا فعل امر - الْيَتَامَىٰ (یتیم کی جمع) اس کا مفعول - أَمْوَالَهُمْ مفعول ثانی - جملہ کا معنی ہے: اور یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو۔

﴿وَلَا تَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ میں لَا تَبَدَّلُوا اور لَا تَأْكُلُوا دونوں فعل نہی - الْخَبِيثُ مفعول - بِالطَّيِّبِ کی باء بدلے کی، أَمْوَالَهُمْ بھی مفعول - جملہ کا معنی ہے: اور پاک (عمدہ) کو ناپاک (بری) سے نہ بدلو اور نہ ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر کھایا کرو۔

﴿إِنَّهُ كَانَ خَوْنًا كَبِيرًا﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بفعل، ضمیر (منصوب متصل) اس کا اسم - كَانَ فعل ناقص - خَوْنًا كَبِيرًا مرکب توصیفی اس کی خبر - پھر یہ جملہ فعلیہ اِنْ کی خبر - جملہ کا معنی ہے: بے شک یہ کام بہت بڑا گناہ ہے۔

﴿وَأَنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَشْنَىٰ وَتِلْكَ وَرُبُعٌ﴾ میں اِنْ شرطیہ - خِفْتُمْ فعل ماضی (باب سَمِعَ) - أَلَّا اہل میں اَنْ لَا تھا، اَنْ ناصبہ اور لَا تانیہ - اسی کی وجہ سے تُقْسِطُونَ (فعل مضارع) کی نون گری ہوئی ہے - اَنْكِحُوا فعل امر حاضر - مَا موصول بمعنی مَنْ طَابَ فعل ماضی - مَشْنَىٰ وَتِلْكَ وَرُبُعٌ حال صفتیہ - جملہ کا معنی ہے: اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہیں کر سکو گے تو عورتوں میں سے تم کو جو اچھی لگیں، ان میں دو، تین یا چار سے نکاح کرلو۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ میں فَوَاحِدَةً کے منصوب ہونے کی وجہ اس سے پہلے فعل محذوف ہے اِی فَاَنْكِحُوا وَاحِدَةً - مَا مَلَكَتْ فعل ماضی اَیْمَانُكُمْ اس کا فاعل - جملہ کا معنی ہے: پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم ان کے درمیان انصاف نہیں کر پاؤ گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرلو یا جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے ہیں (ان ہی سے گزارا کرلو)

﴿ذَلِكَ أَذْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ میں ذَلِكَ اسم اشارہ - أَذْنَىٰ فعل تفضیل - تَعُولُوا فعل مضارع - جملہ کا معنی ہے: یہ زیادہ قریب ہے کہ ایک طرف جھک نہ جاؤ - یعنی بے انصافی سے بچ جاؤ۔

﴿وَاتُوا النِّسَاءَ صَدَقَتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ میں اتوا فعل امر حاضر۔ النِّسَاءُ اس کا مفعول۔ صَدَقَاتِ (صَدَقَةُ کی جمع) مفعول ثانی۔ هُنَّ ضمیر النِّسَاءِ کی طرف راجع نِحْلَةً حال سے مراد قنادہ رضی اللہ عنہا کے مطابق فریضہ واجبہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کیا کرو۔

﴿فَإِنْ طَبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا﴾ میں إِنْ شرطیہ۔ طَبْنَ فعل ماضی جمع مؤنث غائب۔ نَفْسًا بیانیہ۔ فَكُلُوهُ جواب شرط۔ هَنِيئًا مَرِيئًا حال۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر وہ خود ہی تمہارے لیے خوشی سے مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں، پھر شوق سے اسے کھایا پیا کرو۔



اور بے عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری معیشت کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے اور اس میں سے ان کو کھلاؤ اور لباس پہناؤ اور ان سے اچھی نرم بات کیا کرو۔

تیموں کو آزما تے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اگر تم ان میں (مالوں کو سنبھالنے کی) صلاحیت دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ اور ان کے بڑے ہونے کے ڈر سے ان کے مال ضرورت سے زیادہ جلدی جلدی نہ کھاؤ۔ جو غنی ہو اس کو چاہئے کہ ان کے مال کھانے سے بچے اور جو فقیر ہو تو اس کو چاہئے کہ معروف طریقہ پر کھائے۔ جب تم ان کے مال ان کو دینے لگو تو ان پر گواہی قائم کر لو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٥﴾

وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۖ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ كَانِ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں مال کے ضیاع سے روکا گیا ہے۔ وہ مال اگرچہ کسی مسلمان کا ذاتی ہو یا اس کی نگرانی

میں پروان چڑھنے والے یتیم کا ہو۔ کیونکہ ہر معاشرے کے افراد کی معیشت کا دارومدار مال ہی پر ہوتا ہے۔ جب مال بے وقوفوں کے ہاتھ آ جاتا ہے تو وہ اس کو جائز طریقے پر کاروبار میں لگا کر بڑھانے اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل میں لگا کر ضائع کر دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وہ مال کم عقلوں کے سپرد کرنے سے منع کر دیا ہے جس سے معیشت کی تباہی کا خطرہ ہو۔

یہاں خطاب ان مومنوں سے ہے جو اپنے گھریا خاندان کے سربراہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن مالوں کا تمہیں والی بنایا ہے ان کے امین ہونے کے ناطے تم نے دیکھنا ہے کہ تمہاری اولاد میں سے ان کے ہاتھ میں نہ چلا جائے جو ان کو سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لیکن اولاد ہونے کی بنا پر ان کا حق ہے کہ ان کے کھانے اور ان کے لباس کے بارے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے اور نہ ان کی کم عقلی کی وجہ سے ان کے ساتھ سختی برتی جائے۔ بلکہ پیار محبت کے ساتھ ان کی اصلاح کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ اس خطاب میں جس قول کا حکم دیا گیا ہے اس کی صفت معروف بیان ہوئی ہے اور امام راغب اصفہانی کے مطابق المعروف سے مراد وہ قول و فعل ہوتا ہے جس کی خوبی عقل و شریعت سے ثابت ہو اور منکر ہر اس بات اور کام کو کہا جاتا ہے جو عقل و شریعت کی رو سے بری ہو۔ سورۃ التوبہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی صفات میں سے اہم صفت اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے:

﴿يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (17)

وہ (ایک دوسرے کو) اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

لہذا والدین کا فرض ہے کہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت ایسی کریں جس سے ان کی دنیا اور آخرت سنور جائے، دنیوی معاملات کو دین کی روشنی میں طے کرنے کی ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔

تفسیر القرطبی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

« لَا تَدْفَعُ مَا لَكَ الَّذِي هُوَ سَبَبُ مَعِيشَتِكَ إِلَى امْرَأَتِكَ وَابْنِكَ وَتَبْقَى

فَقِيرًا تَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَإِلَى مَا فِي أَيْدِيهِمْ ، بَلْ كُنْ أَنْتَ الَّذِي تُنْفِقُ عَلَيْهِمْ »

جو مال تیری معیشت کا سبب ہو وہ اپنی بیوی اور بیٹے کے حوالے نہ کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ تو فقیر ہو کر ان کی طرف سے جو ان کے ہاتھوں میں ہو اس کو دیکھتا رہے۔ بلکہ خود اس مال کو اپنے پاس رکھ کر ان پر خرچ کرتا رہ۔

سورة التغابن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۖ ﴾ (15)

بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنے کا سبب ہیں۔ (یعنی ان کی وجہ سے انسان فتنوں کا شکار ہوتا ہے۔)

خیال رہے کہ قرآن پاک میں اپنا مال بیوقوفوں کے سپرد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر اولاد نیک صالح اور کاروباری معاملات طے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو تو اس کو مالی تنگی میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انجام کار ہر مسلمان مرد اور عورت کا مال اس کی اولاد کو ہی منتقل ہو جاتا ہے۔ لہذا پیار محبت سے جو بات طے ہو جائے وہی بہتر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو معیار ان بچوں کے لیے بنایا جن کے باپ حیات ہوتے ہیں، اسی کے تابع یتیموں کا معاملہ بھی کر دیا اور ان کی کفالت کے ذمہ داروں کو حکم دیا کہ ان کے مال ان کے سپرد اس وقت تک نہیں کرنے جب تک وہ نکاح کی عمر کو نہیں پہنچتے۔ یعنی سن بلوغت کو پہنچ کر اس قابل نہیں ہو جاتے کہ اپنے مالوں کی دیکھ بھال اچھی طرح کر سکیں۔ بلوغت کے بارے میں صحیح بخاری (ص ۳۶۶) صحیح مسلم (۱۳۱/۲) کے ابواب (بلوغ الصبيان و بیان سن بلوغ) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کو جنگ احد کے موقع پر لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت اس لیے نہ ملی کہ ان کی عمر اس وقت چودہ سال تھی۔ جب کہ عزہ خندق کے موقع پر ان کی عمر پندرہ سال ہونے کی وجہ سے ان کو اجازت مل گئی۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے کہا کہ بالغ اور نابالغ کے درمیان یہی حد ہے۔ جب کہ عطیہ القرظی سے سنن ابی داؤد (ص ۶۰۵) ابن ماجہ (ص ۱۸۲) اور ترمذی (۲۲۷/۱) میں منقول ہے کہ بنو قریظہ سے جنگ کے بعد جب ہم کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن کے زیر ناف بال آچکے ہوں ان کو قتل کر دیا جائے اور جن کے ابھی نہ آئے ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے چونکہ میرے ابھی نہیں آئے تھے اس لیے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ یعنی بلوغت کا جو جلی امر ہے، اس کو قبول کر لیا گیا۔

تفسیر القرطبی کی روایت ہے کہ جب رفاعۃ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے بیٹے ثابت کی عمر چھوٹی تھی اور ان کے بھائی اپنے بھتیجے کے کفیل بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے عرض کیا: میرا بھائی فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا میری کفالت میں آ گیا ہے۔ اس کے مال میں سے میرے لیے کیا حلال ہے اور کس عمر میں مجھے اس کا مال اس کو دے دینا چاہئے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَابْتَئُوا الْيَتَامَى ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

یعنی ان کی بلغت کے ساتھ ان کی معاملہ فہمی کا بھی جائزہ لیتے رہو اور جیسے ہی وہ اپنے مالوں کو سنبھالنے کے قابل ہو جائیں تو فوراً ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ نیز یتیموں کی کفالت کرنے والوں کے ذہنوں میں شیطان یہ بات نہ ڈال دے کہ یتیموں کے مال ان کے جوان ہونے سے پہلے ہی کھا کر ختم کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو فتنہ کہتے ہوئے مال کا ذکر پہلے فرمایا۔ کیونکہ یہ ایسا فتنہ ہے جو خونی رشتے بھی ختم کر دیتا ہے۔ ایک ہی مال کے بطن سے جنم لینے والے خود صاحب اولاد ہو کر مال اور جائیداد کی خاطر ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یتامی کے مال کے بارے میں بڑی خوبصورت ہدایت سے اہل ایمان کو نواز دیا کہ یتیم کی پرورش کرنے والا اگر خود محتاج ہے تو اپنی انتہائی ضرورت کے مطابق یتیم کے مال میں سے خرچ کر لے اور اگر خود مالدار ہے تو یتیم کے مال کو اس کی امانت سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کرے جیسے ہی یتیم سمجھدار ہو جائے تو گواہوں کے سامنے اس کا مال اس کے حوالے کر دے۔

مسند احمد (۲/۲۱۵) کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ تعالیٰ کے رسول! میری پرورش میں ایک یتیم ہے لیکن میرے پاس مال نہیں۔ کیا میں اس کے مال میں سے کھا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں تو اس کے مال کو اپنے کام میں لاسکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ ہو اور نہ ہی اس کو جمع کرنے یا بچا کر رکھنے یا چھپا کر الگ کرنے کا ہی ارادہ رکھتا ہو۔

یتیم کے مال کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ محتاج کی محتاجی دور ہونے کے بعد اس کو یتیم کا کھایا ہوا مال واپس کرنا ہوگا۔ جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔ تفسیر ابن کثیر کے مطابق انہوں نے فرمایا کہ میری حیثیت یتیم کے والی جیسی ہے۔ اگر مجھے ضرورت نہ ہوئی تو بیت المال سے کچھ نہیں لوں گا۔ تنگ دستی کی وجہ سے کچھ لیا تو وہ میرے اوپر قرض ہوگا، آسانی ہوتے ہی واپس کر دوں گا۔

عامر اشعسی کا کہنا ہے کہ یتیم کے والی پر یتیم کا مال اسی طرح جائز ہوگا کہ جس طرح مضطر پر مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن اضطراری حالت سے نکلنے ہی یتیم کا مال واپس کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یتیم کی پرورش کرنے والے فقیر کو اجازت دیتے ہوئے بالمعروف کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ ایسا لفظ ہے کہ اس سے دستور کے مطابق ہونے کے ساتھ خدا خونی کا تصور بھی اس سے ابھرتا ہے۔

سورة الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾ (152)

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔
یہاں بالمعروف کی بجائے أَحْسَن کا لفظ لایا گیا جس کا معنی انتہائی خوبصورت طریقہ یا انداز ہے۔ یعنی یتیم کے مال کے قریب جانے سے بچو اور اگر مجبوری ہو جائے تو انداز بہت ہی اچھا ہونا چاہئے۔
صحیح مسلم (۱۲/۲) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
اے ابوذر! میں تجھے ناتواں پاتا ہوں اور تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے چاہتا ہوں۔
خبردار! ہرگز دو شخصوں کا امیر و سردار نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے ولی بننے کی ذمہ داری قبول کرنا۔
آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو یتیم کا ولی بننے سے اس لیے روکا کہ یتیم کے مال کا حساب کتاب رکھنا آسان کام نہیں اور یہ معاملہ اور بھی سنگین ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ یہ اعلان کر دیتا ہے کہ وہی حساب لینے والا کافی ہے۔ یتیموں یا ان کے رشتہ داروں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے لیکن اس کو دھوکہ نہیں دے پاؤ گے جو نیتوں کا جاننے والا ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خیانت سے محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا﴾ میں لَا تُؤْتُوا فعل نہیں، صیغہ جمع مذکر حاضر۔ السُّفَهَاءُ (السَّفِيهِ کی جمع) مفعول۔ أَمْوَالَكُمُ مفعول ثانی۔ الَّتِي موصولہ جَعَلَ فعل ماضی۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا فاعل۔ قِيَمًا مصدر مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور تم اپنے مال بے عقلوں کو نہ دو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری معیشت کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے۔
- ﴿وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ میں ارْزُقُوا، اكْسُوا اور قُولُوا فعل امر حاضر، اور ان کی ضمیریں هُمْ، السُّفَهَاءُ کی طرف راجع۔ قَوْلًا مَعْرُوفًا مرکب توصیفی (مفعول)۔ جملے کا معنی ہے: اپنے مالوں میں سے ان کو کھلاؤ اور لباس پہناؤ اور ان سے اچھی نرم بات کرو۔
- ﴿وَابْتَلُوا الَّتِي حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ میں ابْتَلُوا باب افتعال سے فعل امر حاضر۔ الَّتِي مفعول۔ حَتَّىٰ حرف غایت۔ إِذَا ظرف بَلَغُوا فعل ماضی۔ النِّكَاحُ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور یتیموں (کی عقل) کو پرکھتے رہو یہاں تک وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔
- ﴿فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ میں إِنْ شرطیہ۔ أَنْتُمْ فعل ماضی، صیغہ جمع مذکر حاضر (باب مفاعلة)۔ مِنْهُمْ کی ضمیر هُمْ، السُّفَهَاءُ کی طرف راجع۔ رُشْدًا مفعول۔ فَادْفَعُوا کی فاء جواب شرط۔ اِدْفَعُوا فعل امر أَمْوَالَهُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر تم ان میں اپنے مالوں کو سنبھالنے کی

صلاحیت دیکھو تو پھر ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّيَدَارًا اَنْ يَّكْبُرُوْا﴾ میں لَا تَاْكُلُوْا فعل نہیں۔ اِسْرَافًا وَّيَدَارًا مفعول لہ۔ اَنْ مصدر یہ۔ يَّكْبُرُوْا فعل مضارع کی نون ان کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کے بڑے ہونے کے ڈر سے ان کے مال جلدی جلدی ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ۔

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ، وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ میں مَنْ كَانَ غَنِيًّا شرط اور فَلْيَسْتَعْفِفْ جواب شرط۔ اسی طرح مَنْ كَانَ فَقِيْرًا شرط اور فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ جواب شرط۔ لِيَسْتَعْفِفْ اور لِيَاْكُلْ فعل امر غائب کے صیغہ۔ جملے کا معنی ہے: اور جو غنی ہو اس کو چاہئے کہ یتیم کا مال کھانے سے بچے اور جو فقیر ہو تو اس کو چاہئے کہ معروف طریقے پر ضرورت کے مطابق کھائے۔

﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ﴾ میں اِذَا ظرف مبنی۔ دَفَعْتُمْ فعل ماضی معروف۔ اِذَا جب ماضی پر آتا ہے تو معنی مستقبل میں کر دیتا ہے۔ اَمْوَالَهُمْ مفعول۔ اَشْهَدُوْا فعل امر حاضر، جملے کا معنی ہے: پس جب تم ان کے مال ان کو دینے لگو تو ان پر گواہی قائم کر لو۔

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ میں كَفٰى فعل ماضی۔ لفظ اللہ کی باء زائدہ۔ جملے کا معنی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے۔

۳

مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو والدین اور قریبی چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو والدین اور قریبی چھوڑ جائیں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اس حال میں کہ حصہ فرض کر دیا گیا ہے۔

اور تقسیم کے وقت اگر قریبی، یتامی اور مساکین آجائیں تو تقسیم ہونے والے مال میں سے کچھ ان کو بھی دے دو اور ان سے اچھی بات کہو۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ ۚ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرُ ۚ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿٧﴾
وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُو الْقَرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ وَقُولُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٨﴾

اور ڈر جانا چاہئے ان کو (جو یتیموں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتے) کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جائیں اور ان کے ضائع ہونے کا ان کو خوف ہو، پس چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں اور مناسب صحیح بات کہیں۔

بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں یقیناً وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

تشریح:

تفسیر قرطبی کی روایت ہے کہ اس بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے اپنے پیچھے اپنی بیوہ ام بکتہ رضی اللہ عنہا اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔ میت کے چچا زاد سوید اور عرفجہ رضی اللہ عنہما دونوں نے میت کے سارے مال کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ بیوہ اور اس کی بیٹیوں کو کچھ نہ دیا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں یہی رواج تھا کہ عورتوں اور میت کی چھوٹی عمر والی اولاد کو کچھ نہ دیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ میراث کا مال اسی کو ملنا چاہئے جو گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن سے قتال کرے اور نیزہ بازی کرنے اور تلوار چلانے کی صلاحیت رکھتا ہو، مال غنیمت اکٹھا اور جمع کرنے والا ہو۔ ام بکتہ رضی اللہ عنہا نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بدسلوکی سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ رضی اللہ عنہما دونوں کو بلا لیا اور ان سے کہا کہ تم نے ام بکتہ اور اس کی بیٹیوں کے مال پر قبضہ کیوں کیا؟ تو انہوں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ کے رسول! ام بکتہ کی اولاد نہ گھوڑے پر سوار ہو کر قتال کر سکتی ہے، نہ کسی کا بوجھ اٹھا سکتی ہے اور نہ حملہ آور ہونے والے دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابھی تم جاؤ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کیا فرماتا ہے۔

چنانچہ ﴿الَّذِينَ جَاءُوا﴾ والی آیت نازل ہوئی۔ یوں زمانہ جاہلیت والے ظالمانہ اور غیر منصفانہ دستور کی نفی ہو گئی۔ حق تو یہ تھا کہ میت کی جو اولاد کمانے کے قابل نہیں ہوتی تھی میراث کا زیادہ حصہ ان کے لیے مختص کر دیا جاتا۔ لیکن رواج اس کے برعکس تھا۔ طاقت والے مال پر قبضہ کر کے کمزوروں کو ان کے حق سے محروم کر دیتے۔ لیکن اسلام کے آنے پر عورتوں اور بچوں کے حق کا تحفظ ہو گیا۔

میراث میں حصہ پانے والوں کا بیان اور ان کے حصول کی تفصیل کا ذکر آیت نمبر ۱۱، ۱۲ اور ۱۷ میں ان شاء اللہ آنے والا ہے۔ یہاں صرف یہ واضح کیا گیا ہے کہ میراث میں میت کے ورثاء چھوٹے بڑے، مرد ہوں یا عورتیں، ان کا حصہ فرض کر دیا گیا ہے اگرچہ میت کا چھوڑا ہوا مال کم ہو یا زیادہ اور جب وہ مال تقسیم ہونے لگے اور اس وقت قریبی رشتہ دار یتیم مسکین وہاں آجائیں تو میراث میں سے ان کو بھی کچھ دے دیا جائے تاکہ وہ بھی خوش ہو جائیں اور احساس محرومی کا شکار نہ ہوں۔ ویسے بھی انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ اپنے عزیزوں کو اپنے سے زیادہ خوش حال دیکھتا ہے تو اس میں عموماً حسد پیدا ہوتا ہے اور اس کی حسد بھری نظر جب محسوس پر پڑتی ہے تو اس کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتی ہے۔

صحیح مسلم (باب الطب ۲۲/۲) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْعَيْنُ حَقٌّ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدْرِ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ»

نظر کا لگنا حق ہے۔ اگر کوئی چیز قدر سے سبقت لے جاسکتی ہوتی تو وہ نظر کا لگنا ہے۔

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء ص ۷۷) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیا کرتے یعنی ان کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم دونوں کے باپ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔

امام بخاری نے دعا کے الفاظ بھی نقل کر دیئے۔

«أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ»

میں اللہ تعالیٰ کی پورے پورے کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور موزی جانور اور ہر لگنے والی نظر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اگر یہ دعا اپنے لیے مانگنا ہو تو اَعُوذُ کے ساتھ پڑھی جائے اور اگر کسی اور کو دم کرنا ہو تو پھر (مذکر کے لیے)

أَعِيْذُكَ اور (مؤنث کے لیے) أَعِيْذُكِ کے ساتھ دعا کا آغاز کیا جائے۔

سورة الفلق میں اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو رب الفلق کے ساتھ ہر حاسد کے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا کہ جب وہ حسد کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاسد کے حسد سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ میراث کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ بیان ہوا کہ اس کی تقسیم کے وقت حاضر ہونے والے قریبی عزیز واقارب یتیم و مسکین قسم کے لوگوں کو بھی کچھ دے دیا جائے اور ان سے گفتگو بھی ایسی کی جائے جس سے ان کی

دل شکنی نہ ہو۔

قریبی یتیموں مسکینوں سے حسن سلوک کرنے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی کہ کون پسند کرتا ہے کہ اس کی موت اس حال میں آئے کہ اس کی اولاد کمانے کے لائق نہ ہو اور نہ ان کے لیے اتنا مال چھوڑا گیا ہو جس سے دوسروں کی اعانت اور سہارے کی محتاج نہ ہو۔ لہذا تقسیم میراث کے موقع پر اگر یتیمی یا حاجت مند آ جاتے ہیں تو میراث میں سے حصہ پانے والوں کو فوراً تصور میں لانا چاہئے کہ اگر حاضر ہونے والے اس کی اپنی اولاد یا رشتہ دار ہوتے اور ان سے بدسلوکی ہوتی یا ان کی ضرورت و حاجت کو پورا نہ کیا جاتا تو وہ کیسا محسوس کرتے۔ اس لیے اللہ سے ڈرتے ہوئے محتاجوں کی دل جوئی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھنی چاہئے۔ مالی اعانت کے ساتھ ان سے بات بھی انتہائی مناسب کرنی چاہئے۔

ظاہر ہے کہ جو دین تہمتوں کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ کوئی شخص یتیموں کے مال کا والی بنے اور ان کو کھلانے اور ان کی پرورش پر خرچ کرنے کی بجائے خود ہی کھا جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے ظالم اور بے رحم شخص کو پہلے ہی آگاہ کر دیا کہ یتیموں کا مال حقیقت میں آگ ہے اور جہنم میں لے جانے کا سبب ہو گا تفسیر کبیر، ابن جریر، ابن کثیر اور القرطبی میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

میں نے لوگوں کی ایک ایسی جماعت دیکھی جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح لٹکے ہوئے تھے اور ان پر وہ فرشتے مقرر تھے جو ان کے منہ کھول کر ان میں جہنم کی آگ میں گرم کیے گئے پتھر ٹھونس رہے تھے اور وہ پتھر ان کے نیچے سے باہر آ رہے تھے، جس کی تکلیف سے وہ چیخ و چلا رہے تھے۔ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہو رہا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ یتیموں کا مال ظلماً کانے والے ہیں۔

یعنی ان کے ظلم کی سزا ان کو دی جا رہی ہے۔

ابن کثیر میں سدی سے مروی ہے کہ یتیم کا مال کھانے والا قیامت کے روز اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ، اس کے کانوں، اس کی ناک اور اس کی آنکھوں سے جہنم کی آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ جو بھی اسے دیکھے گا پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کا حوالہ دیا ہے۔

حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے الشیبانی سے نقل کیا ہے کہ قسطنطینیہ پر حملہ کرنے والے

مسلم بن عبد المالك کے لشکر میں ہم شریک تھے کہ ایک دن اہل علم کی مجلس میں آخری زمانے میں پیش آنے والے حالات کے بارے میں ذکر ہوا۔ اس مجلس میں ابن دلمی بھی تھے۔ اہل علم کی باتیں سن کر میں نے ابن دلمی سے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ میری اولاد ہی نہ ہو۔ انھوں نے کہا: اس میں تیرا کوئی اختیار نہیں اللہ تعالیٰ جس کو اولاد سے نوازنا چاہے نواز دیتا ہے۔ اگرچہ وہ پسند کرے یا نہ کرے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اپنی اولاد کے بارے میں امن میں ہو جائے ”فَاتَّقِ اللَّهَ فِي غَيْرِهِمْ“ تو دوسروں کی اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ۔

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا: کیا میں تجھے ایسا کام بتاؤں جس کے سبب اللہ تعالیٰ تجھے اس سے نجات دے کہ جس سے تو خوف زدہ ہے اور اگر تو اپنے پیچھے اپنی اولاد چھوڑے تو اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔ الشیبانی نے کہا۔ جی ہاں! بتائیں تو انہوں نے ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ﴾ والی آیت پڑھ دی۔ ان آیات میں یہ تلقین بھی کی گئی ہے کہ اولاد ہوتے ہوئے کوئی مالدار سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لگا دے اور اپنی اولاد کو نادار و فقیر نہ چھوڑ جائے۔ صحیحین کی کتاب الشرائع کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

﴿إِنَّكَ إِنْ تَذَرْتَنِي أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ﴾

بے شک تیرے لیے بہتر ہے کہ تو اپنے ورثاء کو اغنیاء کی صورت میں چھوڑے۔ ایسا نہ ہو کہ تو ان کو محتاجوں کی صورت میں چھوڑے پھر وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔

یعنی محتاجوں کی صورت میں چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ان کو اغنیاء کی صورت میں چھوڑا جائے۔

حل لغات:

○ ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ الرِّجَال: جمع اور اس پر لام حرف جر۔ تَرَكَ فعل ماضی الْوَالِدَانِ (الوالد کا تشنیع) معطوف علیہ۔ الْأَقْرَبُونَ (الْأَقْرَبُ کی جمع) معطوف۔ دونوں مل کر ترک کا فاعل جملے کا معنی ہے: والدین اور قریبی جو چھوڑ جائیں اس میں سے مردوں کیلئے حصہ ہے۔

○ ﴿وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ﴾ قَلَّ اور كَثُرَ دونوں فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی چھوڑ جائیں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ۔

○ ﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ (مربک توصیفی) حال۔ معنی یہ ہے: حصہ فرض کر دیا گیا ہے۔

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ میں اِذَا ظرف شرط۔ حَضَرَ فعل ماضی۔
 أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ اس کا فاعل اور الْقِسْمَةَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور تقسیم کے
 وقت جب قریبی اور یتامی اور مساکین آجائیں۔

﴿فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ فَارْزُقُوا اور قُولُوا دونوں فعل امر حاضر۔ فَارْزُقُوا کی فاء
 جواب شرط اور هُمْ ضمیریں تقسیم کے وقت حاضر ہونے والوں کی طرف راجع۔ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (مربک
 توصیفی) مفعول مطلق۔ جملے کا معنی ہے: پس ان کو تقسیم ہونے والے مال میں سے کچھ دے دو اور ان کے
 لیے اچھی بات کہو۔

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ﴾ میں لِيَخْشَ فعل امر غائب۔
 الَّذِينَ اسم موصول۔ لَوْ شرطیہ۔ تَرَكَوْا فعل ماضی۔ مَنْ حرف جر۔ خَلْفِهِمْ مجرور۔ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا (مربک
 توصیفی) مفعول۔ خَافُوا فعل ماضی جواب لَوْ عَلَيْهِمْ کی ضمیر هُمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا کی طرف راجع۔ جملے کا معنی
 ہے: اور ڈر جانا چاہئے ان لوگوں کو کہ اپنے پیچھے اگر وہ کمزور (یعنی چھوٹی عمر کی) اولاد چھوڑیں کہ جس کے
 ضائع ہونے کا ان کو خوف ہو۔

﴿فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ میں لِيَتَّقُوا اور لِيَقُولُوا دونوں فعل امر غائب اور لِيَتَّقُوا پر فائے
 ترتیب و ربط۔ قَوْلًا سَدِيدًا (مربک توصیفی) مفعول مطلق۔ جملے کا معنی ہے: پس ان کو چاہئے کہ اللہ سے
 ڈر جائیں اور مناسب صحیح بات کہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بفعل۔
 الَّذِينَ اسم موصول۔ يَأْكُلُونَ فعل مضارع۔ أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ (مربک اضافی) مفعول۔ ظُلْمًا حال۔ إِنَّمَا
 کلمہ خصر۔ فِي حرف جر۔ بُطُونِهِمْ مجرور۔ نَارًا مفعول۔ جملے کا معنی: بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے
 کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

﴿وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ میں وَادَّ عاطفہ۔ يَصْلُونَ فعل مضارع اور اس پر سین معنی کو مستقبل قریب میں
 کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ سَعِيرًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں داخل
 ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآنی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے (حصے کے) برابر حصہ ہو گا۔ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو میت نے جو چھوڑا ہو اس میں سے دو تہائی ان کا ہو گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو کل میراث کا آدھا حصہ اس کا ہو گا۔ اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے والدین ہوں تو اس کی ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا۔ اگر والدین کے ساتھ بھائی بھی ہوں تو میت نے جو وصیت کی ہے یا اس پر کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد ماں کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تمہارے زیادہ قریب کون ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَ وَّرِثَةُ أَبُوهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۖ فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۱﴾

تشریح:

اس آیت مبارکہ اور اس کے بعد والی اور سورۃ النساء کی آخری آیت کو علم الفرائض والی آیات کہا جاتا ہے اور یہ ایسا علم ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو بھی اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے، ایک نہ ایک دن وہ دنیا سے چلا جاتا ہے، چنانچہ دنیا کی زندگی میں اگر اس نے کوئی مال جمع کیا ہو یا کوئی جائیداد بنائی ہو تو اس کے فوت ہونے کے بعد اس کو اس کے ورثاء میں کس طریقے سے تقسیم کیا جائے۔ یہی علم اس سلسلے میں بہترین راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الفرائض، ص ۹۹۸ اور کتاب الوصایا ص ۳۸۳) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

«كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَلَدَيْنِ فَنَسَخَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ»
 انسان کے فوت ہو جانے کے بعد بیٹے کو میت کا مال مل جاتا تھا اور والدین کے لیے وصیت کی جاتی تھی، جس کو اللہ تعالیٰ نے آیات میراث کے ذریعے منسوخ کر دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ جب آپ آئے تو میں بے ہوش تھا۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر پھینکا۔ میں ہوش میں آ گیا اور میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! «كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ»

میں اپنے مال کے بارے میں کیا کروں؟ کس طرح اس کو تقسیم کروں؟ آپ ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میراث والی آیت نازل فرمادی۔
 امام ابو داؤد نے کتاب الفرائض میں مذکورہ روایت کو باب فی الکلالۃ کے تحت نقل کیا ہے اور اس میں یہ وضاحت بھی موجود ہے:

«كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي وَلِي أَخَوَاتٍ؟ قَالَ: فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ»
 میں اپنے مال کے بارے میں کیا کروں جب کہ میری صرف بہنیں ہیں؟ ان کا کہنا ہے کہ میراث والی آیت نازل ہوئی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کلالہ والی آیت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، بہنیں ہی ان کی وارث تھیں۔

سنن ابن ماجہ (ص ۱۹۶) میں باب الکلالۃ کے تحت مزید وضاحت یوں ہوئی ہے:
 «حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فِي آخِرِ النِّسَاءِ ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً﴾
 الاية و ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾»

یہاں تک کہ سورۃ النساء کی آخری آیت نازل ہوئی۔ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور یہ آیت کہ اگر کوئی آدمی جس کی میراث تقسیم ہونے والی ہو اور وہ کلالہ (یعنی بے اولاد ہو اور نہ ہی اس کا باپ ہو) جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔

جامع ترمذی (۲۸/۲) سنن ابی داؤد (ص ۴۰۰) سنن ابن ماجہ (ص ۱۹۵) اور سنن دارقطنی (۷۹/۴) کی کتاب الفرائض میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! سعد رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے (جنگ اُحد میں انہوں نے شہادت پائی تھی)۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں اور ایک بھائی چھوڑا ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جو مال چھوڑا ہے، وہ ان کے بھائی نے قبضہ میں لے لیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ عورتوں کے نکاح مال کی وجہ سے کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی کو بلا کر فرمایا:

دو تہائی لڑکیوں کے حوالے کر دو اور آٹھواں حصہ بیوہ کو دے دو، باقی جو بچے وہ تمہارا ہوگا۔

اسلام میں حقوق نسواں کا کتنا خیال رکھا گیا ہے، اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ تقسیم میراث کے قانون کی ابتدا عورتوں کو دیئے جانے والے حصے سے ہوتی ہے۔ جب کہ اسلام سے پہلے ایسا کوئی تصور نہ تھا۔ مردوں میں سے بھی میراث کے وہی حق دار بنتے تھے جو طاقت ور ہوتے تھے۔ چھوٹی عمر والی اولاد کا میراث میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ اسلام نے جاہلانہ تصورات اور معمولات کو ختم کر کے اہل ایمان کو اپنی اولادوں کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضے پورا کرنے کا حکم دیا۔ مردوں کی ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورتوں کے مقابلے میں ان کا حصہ دو گنا کر دیا۔ یعنی جب میت کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ہر لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر میراث میں سے حصہ دیا جائے گا اور اگر دو یا دو سے زیادہ صرف لڑکیاں ہوں تو میراث میں ان کے دو تہائی ملے گا اور باقی ایک تہائی ”عصبہ“ میں چلا جائے گا۔ ”عصبہ“ سے مراد میت کے قریبی رشتہ دار یعنی بھائی، بہن، اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر ان کی اولادیں ان کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

میت کی وارث اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کو میراث کا آدھا حصہ دے کر باقی ”عصبہ“ کو دے دیا جائے گا۔

میت کی اولاد کے ساتھ اگر اس کے ماں باپ بھی زندہ ہوں تو ان دونوں کو بھی چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہی ہوں تو پھر والدہ کو ایک تہائی دے کر باقی دو تہائی والد کو دیا جائے گا۔

میت کی ماں کے ساتھ اس کے بھائی بھی ہوں تو پھر ماں کو ایک تہائی کی بجائے صرف چھٹا حصہ ملے گا اور باقی بھائیوں میں چلا جائے گا۔ اگر ماں کے ساتھ باپ بھی ہو تو بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

مذکورہ حصوں کو فرض کرتے ہوئے یہ حکم بھی دیا کہ سب سے پہلے میت کا قرض اتارا جائے اگرچہ وصیت کو پورا

کرنے کا ذکر پہلے ہوا ہے لیکن قرض کے بوجھ سے میت کو ہلکا کرنا اس سے زیادہ ضروری ہے۔ مسند احمد (۲/۲۴۰) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ مَا كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ»

مومن کی روح اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اس پر قرض ہوتا ہے۔

سنن النسائی، کتاب الجنائز (۲۲۵/۱) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي عَلَى رَجُلٍ عَلَيْهِ دَيْنٌ، فَاتَى بِمَيْتٍ فَسَأَلَ أَعْلِيَهُ دَيْنٌ؟ قَالُوا: نَعَمْ! عَلَيْهِ دَيْنَانِ- قَالَ: صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبِكُمْ- قَالَ أَبُو قَتَادَةَ: هُمَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَصَلَّى عَلَيْهِ فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ قَالَ: أَنَا أَوَّلِي بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ مَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَى وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ»

جس آدمی پر قرض ہوتا، رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک میت لائی گئی، آپ ﷺ نے پوچھا کیا اس پر قرض ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جی ہاں! یہ دو دینار کا مقروض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! دو دینار قرض اتارنے کی میں ذمہ داری لیتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو فتوحات سے نوازا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہر مومن سے اس کے نفس سے زیادہ قریب ہوں۔ لہذا جو کوئی قرض چھوڑے گا وہ میں ادا کروں گا اور جو کوئی مال چھوڑے گا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہوگا۔

اولاد اور والدین کے بارے میں میراث کی تقسیم کی تفصیل بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپوں یا بیٹوں میں سے نفع پہنچانے کے سلسلہ میں تم سے زیادہ قریب کون ہے۔ اولاد اگر نیک ہوگی اور نیک کاموں میں لگی رہے گی تو میت کو بھی اس میں اجر کا حصہ ملتا رہے گا اور اگر باپ یا ماں کا مال ہاتھ میں آتے ہیں اولاد برائی میں غرق ہو جائے گی تو یہ سراسر نقصان والا معاملہ ہوگا۔ اسی طرح اگر باپ کی زندگی میں بیٹا فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاتا ہے تو دادا ان کی پرورش میں کوتاہی واقع نہیں ہونے دیتا۔ ان کو ان کے والدین کے لیے صدقہ جاریہ بنا دیتا ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت اس انداز میں کرتا ہے کہ وہ قوم و ملت کا سرمایہ بن جاتے ہیں۔ تو اس سے بڑھ کر اور کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور اگر دادا اپنے

فرض کا خیال نہیں کرتا بیٹے کی اولاد کی خیر خواہی کا حق ادا نہیں کرتا تو اس سے بڑھ کر نصیبی کیا ہو سکتی ہے۔
چونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی علیم و حکیم ہے، اس لیے اسی سے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اور اپنے والدین کے لیے دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لیے درد دل سے دعا کرنی چاہئے۔

حل لغات:

- ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ میں يُوصِي فعل مضارع۔ كُمْ ضمير مخاطب کی (مفعول)۔ لفظ اللَّهِ فاعل۔ فِي حرف جر۔ أَوْلَادِكُمْ مجرور۔ أَى أَوْلَادٍ مُّوْتَاكُمُ۔ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (مركب اضافی) مِثْلُ کا مضاف الیه۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہوگا۔
- ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ میں كَانَتْ فعل ماضی، واحد مؤنث غائب اور جملے کا معنی ہے: اور اگر وہ ایک ہی لڑکی ہو تو پھر اس کے لیے میراث کا آدھا حصہ ہوگا۔
- ﴿وَلَا يَوْنِيهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ﴾ میں أَبَوَى اپنے ماقبل لام کی وجہ سے حالت جر میں ہے اور اس کا نون بھی اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ اس سے مراد ماں باپ ہیں اور ہضمیر میت کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے جو میت نے چھوڑا ہوگا، اس میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہوگا۔
- ﴿إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ کے ساتھ اس کو مشروط کر دیا گیا۔ یعنی چھٹا چھٹا حصہ اس صورت میں ملے گا کہ میت کی کوئی اولاد بھی ہو۔
- ﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ میں لَمْ نفی جحد۔ يَكُنْ فعل مضارع۔ وَرِثَ فعل ماضی۔ ہضمیر میت کی طرف راجع (مفعول)۔ أَبَوَاهُ، وَرِثَ کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہی ہوں تو ماں کو میراث کا ایک تہائی ملے گا۔
- ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ میں إِخْوَةٌ أَخ کی جمع۔ يُوصِي فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر میت کے (والدین کے ساتھ) بھائی بھی ہوں تو اس نے جو وصیت کی ہوگی یا اس پر کوئی قرض ہوگا، تو اس کی ادائیگی کے بعد اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔

○ ﴿أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ آباء، آب کی اور أَبْنَاء، ابْن کی جمع۔ لَا

نافیہ۔ تَذَرُونَ فعل مضارع۔ اِيْهُمْ استفہامیہ۔ اَقْرَبُ فعل تفضیل۔ نَفْعًا تمیز۔ جملے کا کا معنی ہے: تم اپنے باپوں اور بیٹوں کے بارے میں نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تمہارے زیادہ قریب کون ہے۔

﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ میں فَرِيضَةً حال یا مصدریہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ كَانَ فعل ناقص۔ عَلِيمًا حَكِيمًا دونوں خبر ہیں۔ جملے کا معنی ہے: مذکورہ حصے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔



تمہاری بیویاں جو چھوڑ جائیں، اگر ان کی اولاد نہ ہو تو تمہارے لیے اس میں سے آدھا حصہ ہوگا۔ اگر ان کی اولاد ہو تو جو انہوں نے وصیت کی یا ان پر کوئی قرض تھا تو اس کی ادائیگی کے بعد، جو وہ چھوڑیں اس میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہوگا۔ اور تمہارے چھوڑے ہوئے مال میں سے ان کے لیے چوتھائی حصہ ہوگا اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ پس اگر تمہاری اولاد ہو تو جو تم نے وصیت کی یا تم پر اگر کوئی قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد ان کے لیے آٹھواں حصہ ہوگا۔ اور اگر کوئی مرد یا عورت اس حال میں میراث چھوڑے کہ وہ کلالہ ہو (یعنی نہ اس کی اولاد ہو اور نہ باپ) لیکن (ماں کی طرف سے) اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو کی گئی وصیت کو پورا کرنے اور اگر قرض ہو تو اس کو اتارنے کے بعد

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۖ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وََاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

مال میراث میں سے ایک تہائی میں سب شریک ہوں گے۔ جب کہ میراث کے بارے میں کسی کا نقصان نہ کیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت کی صورت میں یہ حکم ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا بردبار ہے۔

تشریح:

علم الفرائض کی رو سے میت کے جن ورثاء کے حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں، ان کو ”اصحاب الفروض“ کہا جاتا ہے اور اصحاب الفروض میں میراث تقسیم کرنے کے بعد اگر بچ جائے تو میت کے عصبے اس کے حق دار بن جاتے ہیں اور ”عصبہ“ سے مراد وہ ورثاء ہیں کہ جو اصحاب الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں میت کے واٹ ہوتے ہیں یا اصحاب الفروض میں تقسیم کے بعد باقی بچ جانے والا مال لیتے ہوں۔ اگر میت کے عصبے بھی نہ ہوں تو میت کی میراث اس کی بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھتیجیوں کی اولاد، اخیانی (ماں کی طرف سے) بہن بھائیوں، ماموں، خالہ اور میت کے چچوں کی اولاد میں تقسیم ہو جاتی ہے علم الفرائض میں ان کو ”ذوی الارحام“ کہا جاتا ہے یعنی میت کے وہ رشتہ دار کہ جن کے حصے مقرر نہیں کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ان ورثاء کا ذکر فرمایا ہے جن کا تعلق میت سے نسبی ہوتا ہے یعنی جس میں کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے ماں باپ اور ان کی اولاد۔ پھر میراث کے ان حق داروں کے حصوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جن کا آپس میں تعلق زوجیت سے بنتا ہے۔ جیسے خاوند کا بیوی کی میراث سے حصہ پانا اور بیوی کو خاوند کی میراث سے حصہ دیا جانا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر کتنا مہربان ہے کہ اس نے قانون بنا دیا کہ تم میں سے جو بھی فوت ہوگا، اس کی میراث اس کے ورثاء میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے تقسیم ہوگی۔ اس میں کسی وارث کو یا جس کے بارے میں شریعت کے مطابق وصیت کی گئی ہو، کسی بھی صورت میں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ حصوں کو بدلنے کا کسی کو کوئی حق نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے دو چھوٹے چھوٹے جملوں میں واضح کر دیا۔ ”فريضة من الله“ اور ”وصية من الله“ یعنی بیان ہونے والا قانون اللہ تعالیٰ نے خود نافذ کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت (حکم نامہ) ہے۔ امام راغب اصفہانی نے اپنی ”مفردات القرآن“ میں ”الوصية“ کا معنی ”واقعہ کے پیش آنے سے پہلے کسی کو ناصحانہ انداز میں ہدایت کرنے“ کیا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی اہل ایمان کو یہ ہدایت ہے کہ اس کے مطابق امانت و دیانت کے ساتھ عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آیات المیراث میں اپنی تین صفتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی وہ علیم و حکیم اور حلیم ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کل کائنات کا خالق و مالک ہے، اس سے بڑھ کر اپنی مخلوق کے بارے میں جاننے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور اس نے اپنی مخلوق کو جس قانون کا پابند کیا ہے، وہ سراسر حکمت سے مزین ہے۔ اس کے باوجود جب اس کی مخلوق اس کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتی ہے تو جزا و سزا والے دن تک مہلت دیتا ہے۔ فوراً ہی غضبناک ہو کر عذاب نازل نہیں فرماتا۔ بلکہ بھٹکنے والوں کو راہ راست پر آنے کا موقع دیتا ہے، اس کی حلیمی کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔

علم و حکیم نے میراث کے قانون میں میاں بیوی کا بھی حصہ مقرر کر دیا۔ کیونکہ ان دونوں سے خاندان کی ابتداء ہوتی ہے۔ اگر میاں کی زندگی میں بیوی فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اپنی اولاد نہ ہو تو اس کی میراث میں سے میاں کو آدھا حصہ دیا جائے گا، باقی اس کے عصموں میں چلا جائے گا۔ اگر میاں کے ساتھ اولاد بھی ہو تو پھر میاں کو چوتھائی حصہ ملے گا۔ لیکن میراث کی تقسیم سے پہلے اگر بیوی پر کوئی قرض ہو تو وہ اتارنا ہوگا۔

جامع الترمذی (۴۲۲ اور ابن ماجہ میں ۱۹۵) کے ابواب الوصایا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَىٰ بِالَّذِينَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَأَنْتُمْ تَقْرَأُونَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الذِّينِ »

بے شک نبی کریم ﷺ وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرض اتارا۔ حالانکہ تم وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ عام اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ وصیت کی بجائے قرض سے ابتداء کی جائے۔

قرض کی ادائیگی کے بعد میت نے اگر کوئی وصیت کی ہوگی تو اس کو پورا کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر بیوی کی زندگی میں اس کا میاں فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو بیوہ کو میراث میں سے چوتھائی حصہ ملے گا۔ لیکن قرض اور وصیت کا معاملہ پہلے حل کرنا ہوگا اور میاں کی اولاد بھی ہو تو پھر بیوہ آٹھویں حصے کی حق دار ہوگی۔ اگر میاں کی اولاد کے ساتھ ایک سے زائد بیویاں ہوں تو سب آٹھویں حصے میں ہی شریک ہوں گی۔

میراث کی تیسری قسم اس مرد یا عورت کی میت کی ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کا باپ زندہ ہو۔ اگر اس کے عصبہ ہوں تو اصحاب الفروض کی جگہ وہ میت کے وارث ہو جائیں گے۔ ایسی میت کو قرآن حکیم میں ”کلالہ“

کہا گیا ہے۔ کلالہ کا ذکر یہاں اور سورۃ کی آخری آیت میں ہوا ہے۔ دونوں جگہ وراثہ کی صورتیں مختلف ہیں۔ یہاں کلالہ کے عصموں کی بجائے اس کی ماں کی طرف سے بھائی بہن (یعنی اخیا فی بہن بھائی) کا ذکر ہوا ہے۔ اس لیے ایک بھائی یا ایک بہن کو وارث ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ دیا گیا ہے اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ان کو ایک تہائی ملے گا۔ اگر ماں باپ کی طرف سے بہن بھائی ہوں تو ان کو وراثت کے قانون کی پہلی قسم کی طرح حصہ دیا جائے گا۔ اس کا مزید بیان سورۃ کے آخر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

قانون میراث کی رو سے وارث وہی ہوتا ہے جو فوت ہونے والے (یعنی مورث) کی وفات کے موقع پر زندہ ہو اور جو مورث کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے تو وہ میت کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔ جب وہ خود میراث سے کچھ پانے کا حق دار نہ رہا تو اس کی اولاد بھی میراث سے کچھ پانے کی حق دار نہیں رہتی۔ یعنی باپ یا ماں کی زندگی میں اس کے بیٹوں میں سے کوئی بیٹا فوت ہو جائے جو صاحب اولاد تھا۔ تو شریعت کے مطابق ماں باپ کی میراث میں سے اس کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔ یعنی پوتا پوتی میراث سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اسلامی قانون وراثت سے ناواقف لوگ شریعت کے اس فیصلے کو پسند نہیں کرتے اور بڑی بے باکی سے اس پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ یہی قانون فطرت ہے۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ دادا دادی کو جتنا پیار اپنے پوتوں پوتیوں سے ہوتا ہے، اتنا اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے نہیں ہوتا۔ کیونکہ بیٹے بیٹیاں جب خود صاحب اولاد ہو جاتے ہیں تو والدین کی طرف عموماً ان کی توجہ کم ہو جاتی ہے اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بالکل ہی بھی ہوتے لا پروا ہو جاتے ہیں۔ لیکن چھوٹی عمر کے پوتے پوتیاں دادا دادی کے قریب رہتے ہیں اور ان کی محبت و پیار سے خوب فیض یاب ہوتے ہیں۔ ایسے میں یہ سوچنا کہ وہ ان کے باپ کے فوت ہونے پر ان سے لا تعلق ہو جائیں گے، بالکل غلط ہے بلکہ مشاہدہ یہی ہے کہ یتیم بچوں کے وہ زیادہ خیر خواہ بن جاتے ہیں۔ شریعت نے جہاں دادا دادی کو یہ اختیار دیا کہ اپنی زندگی میں کسی کو کچھ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں بشرطیکہ اصل وراثت میں کسی پر ظلم نہ ہو۔ اگر کوئی مجبوری آڑے آجائے تو ہر مرد اور عورت کو حق ہے کہ اپنی میراث کے ایک تہائی کی وصیت کر سکتا ہے۔ لہذا فوت ہونے والے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کے بارے میں وصیت ہو سکتی ہے جو یقیناً میراث میں سے حصہ پانے والوں سے زیادہ ہی ہوگی۔ جو دین یتیموں مسکینوں اور قریبیوں سے حسن سلوک کا حکم دے تو وہ پوتے پوتیوں اور نواسوں پر ظلم کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ کہیں اگر شریعت کے خلاف عمل ہوتا ہے تو شریعت کا اس میں کوئی دخل نہیں، شریعت نے ہر معاملہ واضح کر دیا ہے۔ اب شریعت کو ماننے والوں کی مرضی ہے کہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مالی حرص و لالچ سے محفوظ رکھے اور قرآن و سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق

عطا فرمائے۔

حل لغات:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ﴾ لَكُمْ میں لام حرف جر اور ضمیر (مجرور متصل) مخاطب کی۔ مَا موصولہ۔ تَرَكَ فعل ماضی۔ أَزْوَاجُكُمْ اس کا فاعل۔ إِنْ شرطیہ۔ لَمْ نفی جحد۔ يَكُنْ فعل مضارع (ناقص)۔ لَهُنَّ کی ضمیر أَزْوَاجُكُمْ کی طرف راجع۔ وَلَدٌ فعل ناقص کا اسم مؤخر۔ جملے کا معنی ہے: اور تمہارے لیے آدھا حصہ ہوگا اس سے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ میں إِنْ شرطیہ پر فائے ترتیب۔ كَانَ فعل ناقص۔ وَلَدٌ اس کا اسم۔ فَلَكُمْ کی فاء جواب شرط اور كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ تَرَكَ فعل ماضی سے جمع مَوْنُث غائب اور يُوصِيَنَّ فعل مضارع معروف بھی جمع مَوْنُث غائب کا صیغہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لیے چوتھا حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے چھوڑا، اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد جو انہوں نے کی یا قرض کی (ادائیگی) کے بعد۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ میں تَرَكَتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہوگا جو تم چھوڑ جاؤ، اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ میں وَصِيَّة سے مراد میت کا اپنے مال کے بارے میں شرعی ورثاء کے علاوہ کسی اور کے حق میں وصیت کرنا ہے، یعنی فلاں کو میری میراث سے اتنا اتنا مال دے دینا اور وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور نہ شرعاً ممنوعہ کاموں کے بارے میں ہی مقبول ہوتی ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہاری بیویوں کے لیے میراث کا آٹھواں حصہ ہوگا اس میں سے جو تم چھوڑ جاؤ، تم نے جو وصیت کی ہوگی یا کوئی قرض تمہارے اوپر ہوگا اس کی ادائیگی کے بعد۔

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ میں كَانَ فعل ناقص۔ رَجُلٌ اور امْرَأَةٌ اس کے اسم۔ يُورَثُ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب۔ كَلَالَةً، كُلٌّ يَكُلُّ سے مصدر اور اس کا معنی تھکنا اور بے اولاد یا والد کے سائے سے محروم ہونا ہے اور یہ مرنے والے مرد

یا عورت کا حال ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر کوئی آدمی یا عورت اس حال میں مال میراث چھوڑے کہ اس کی نہ اولاد ہو اور نہ باپ لیکن اس کا (ماں کی طرف سے) ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

﴿فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنَ غَيْرِ مُضَارٍ وَصِيَّةٍ مِنَ اللَّهِ﴾ میں ان شرطیہ سے پہلے فائے ربط اور فہم کی فاء جواب شرط۔ یوصی فعل مضارع مجہول غیر مضار حال۔ جملے کا معنی ہے: اگر (ماں کی طرف سے) بہن بھائی اس سے زیادہ ہوں تو جو وصیت کی گئی ہو یا میت پر قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد وہ میراث کے ایک تہائی میں سب شریک ہوں گے جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت ہے۔

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ لفظ اللہ مبتدا اور عَلِيمٌ حَلِيمٌ دو خبریں (جملہ اسمیہ) جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ جاننے والا بردبار ہے۔



یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان جنتی باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقررہ کردہ حدود سے تجاوز کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يَدْخُلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۚ وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٤﴾

تشریح:

اگر کوئی مسلمان میت میراث کی صورت میں کوئی مال یا جائیداد چھوڑ جائے تو اس کے ورثاء میں وہ کیسے تقسیم ہوگا۔ ان کو کتنا کتنا حصہ دیا جائے گا۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون وراثت کو حدود اللہ سے تعبیر کر دیا اور یہ وضاحت بھی فرمادی کہ حدود اللہ کا احترام کرنا۔ میت کے ورثاء کو ان کے مقرر کردہ حصے دینا اور ان میں کسی قسم کی خیانت نہ ہونے دینا۔ عصبوں یا دوسرے رشتہ داروں کا اگر حق بنتا ہو تو امانت و دیانت سے ان کو پہنچانا درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کے لیے جو بھی راہنمائی مہیا کی۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی آئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورة النساء ہی میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (80)

اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی۔ اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔

صحیح بخاری کتاب الاعتصام ص ۱۰۸۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالُوا وَمَنْ أَبَى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى»

میری ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ نے عرض کی ”وَمَنْ أَبَى“ سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے بے شک میرا انکار کیا۔

یہاں ”أَبَى“ سے مراد آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے دی گئی دعوت کو ٹھکرانا۔ جہالت اور برائی پر ڈٹے رہنا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرنا ہے۔

صحیح بخاری (ص ۱۰۸۱) کی دوسری روایت کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے۔ جو قوم کے پاس آئے اور کہے۔ اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے دشمن کا لشکر دیکھا ہے میں ظاہری طور پر ڈرانے والا ہوں۔ پس بچ جاؤ اور بچنے کا کوئی بندوبست کر لو۔ پس اس قوم کی ایک جماعت نے اس کی اطاعت کی اور راتوں رات اپنے بچاؤ کی جگہ میں پہنچ گئے۔ جس کی وجہ سے دشمن کی تباہ کاری سے وہ بچ گئی۔ جب کہ دوسری جماعت نے اس کی بات کو نہ مانا اور

اپنی جگہ میں ڈٹے رہے۔ چنانچہ صبح کے وقت دشمن نے ان پر حملہ کر کے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ مثال ہے اس کی کہ جس نے میری اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو میں لایا۔ اس کی اتباع کی اور وہ بچ گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لایا۔ اس کو ٹھکرایا۔ پس وہ تباہ ہوا۔

صحیح بخاری (ص ۱۰۸۱) کی تیسری روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس فرشتے آئے اور آپ ﷺ سو رہے تھے۔ ان میں بعض نے کہا۔ یہ تو سو رہے ہیں۔ لیکن ان کے بعض دوسروں نے کہا:

«إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ»

بے شک آنکھ تو سو رہی ہے لیکن دل جاگ رہا ہے۔

انہوں نے کہا۔ تمہارے ساتھی کی ایک مثال ہے۔ اس کو بیان کرو۔ ان کے بعض نے پھر وہی بات کہی کہ یہ سو رہے ہیں اور ان کو جواب دینے والوں نے پہلے والا ہی جواب دیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جس نے ایک گھر بنایا۔ پھر اس نے ایک دعوت کا اہتمام کر کے دعوت دینے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا۔ پس جس نے بلانے والے کی دعوت کو قبول کیا۔ وہ گھر میں داخل ہوا اور دعوت والا کھانا کھایا۔ جس نے بلانے والی کی دعوت کو ٹھکرایا تو وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی اس کو دعوت کا کھانا نصیب ہوا۔ سننے والے فرشتوں نے مثال بیان کرنے والوں سے کہا۔ اس سے کیا مراد ہے۔ وہ بھی بتا دو۔ انہوں نے پہلے والی بات کا اعادہ کر دیا کہ یہ سو رہے ہیں۔ دوسروں نے بھی پہلے والا ہی جواب دیا۔ آنکھ سو رہی ہے لیکن دل جاگ رہا ہے۔ چنانچہ مثال کی وضاحت یوں ہوئی۔

«الْدَّارُ الْجَنَّةُ وَالْدَّاعِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَ مُحَمَّدٌ فَرَقٌ بَيْنَ النَّاسِ»

گھر سے مراد جنت ہے اور دعوت کے لیے بلانے والے محمد ﷺ ہیں۔ پس جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے بلاشتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ محمد ﷺ ہی لوگوں کے درمیان فرق کرنے کا معیار ہیں۔

سورة الاحزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (71)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی۔ اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔
اس کے برعکس سورۃ الجن کے الفاظ ہیں:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا﴾ (23)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ بے شک ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی کہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اطاعت اور نافرمانی کے حوالے سے وضاحت اس لیے کر دی گئی کہ قانون وراثت اللہ تعالیٰ نے بنایا لیکن اپنی مخلوق میں اس کا نفاذ محمد رسول اللہ ﷺ سے کرایا۔ لہذا اس کا احترام اور اس کے مطابق صحیح عمل کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہوگی۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ علم الفرائض کا جو حصہ آیات میراث میں بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیث میں تقسیم میراث کے بارے میں راہنمائی امت کے لیے موجود ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مسلمان کافر کا یا کوئی کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہوا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

«لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»

کوئی مسلم کافر کا اور کوئی کافر مسلم کا وارث نہیں ہوگا۔

یہ روایت امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام طبرانی نے اپنی اپنی حدیث کی کتابوں کے کتاب الفرائض میں نقل کی ہے۔ امام احمد بن حنبل کی مسند (۲۰۸/۵) میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح قاتل، مرتد اور ولد الزنا کا معاملہ ہے۔ اس سے کہیں یہ شیطانی وسوسہ دلوں میں پیدا نہ ہو جائے کہ جو مسائل اللہ تعالیٰ نے بیان نہ کیے وہ رسول اللہ ﷺ نے کر دیئے۔ نعوذ باللہ کیا اللہ کو یاد نہ رہے یا اللہ بھول گیا۔ احادیث پر اعتراض کرنے والے ایسی فضول باتیں کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (4)

اور وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

بنیادی تقسیم میراث کا طریقہ بیان کر دیا گیا ہے اور اسی کی روشنی میں متعلقہ مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں۔ علم الفرائض علوم دین کا مشکل ترین حصہ ہے۔ اسی لیے اس پر خاص توجہ دی جاتی اور توجہ دینے کی

تلقین کی جاتی تھی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کی اسنن الکبریٰ (۲۰۹/۶) میں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَإِنَّهَا مِنْ دِينِكُمْ»

علم الفرائض سیکھو، بے شک تمہارے دین میں سے ہے۔ (یعنی تمہارا دین ہے۔)
اسنن الکبریٰ ہی میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

«تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْحَجَّ وَالْزَّكَاةَ فَإِنَّهُ مِنْ دِينِكُمْ»

فرائض و حج اور زکوٰۃ کا علم سیکھو کیونکہ یہ تمہارا دین ہے۔

المستدرک، کتاب الفرائض (۳۳۳/۴) کی روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ جب کسی کھیل سے دل بہلانے کا خیال آئے تو تیر اندازی کیا کرو اور جب آپس میں باتیں کرنے لگو تو علم الفرائض کو موضوع بنایا کرو۔

تفاسیر میں علم الفرائض سیکھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً جو روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان کی صحت میں چونکہ کلام کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

علم الفرائض کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدود اللہ کا خیال رکھنے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت قرار دیا گیا اور اطاعت کرنے والوں کو جنتی باغوں کی بشارت دے کر کہا گیا کہ یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ قانون وراثت کی حدود کی حفاظت وہی کرے گا کہ جس کے پاس اس کا علم ہوگا اور جو اس علم سے محروم ہوگا اور جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا۔ تو اللہ نے اس کے بارے میں اعلان کر دیا کہ وہ جہنمی ہوگا اور ذلت و رسوائی والا اس کے لیے عذاب ہوگا۔

یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جنتی جہنمی کا اور جہنمی جنتی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی جنتی کسی جہنمی کا مال نہ لینا پسند کرے گا اور نہ ہی اس کو دینے پر راضی ہوگا۔ جو دین حق پر ایمان رکھتا ہے اور جنت و دوزخ پر اس کا یقین پختہ ہے۔ وہ کوئی ایسا عمل کرنے پر تیار نہ ہوگا کہ جس سے اس کی آخرت برباد ہو جائے اور جہنم کا وہ ایندھن بن جائے۔

تقسیم وراثت کے سلسلہ میں بہت سے دین دار بھی ٹھوک کھاتے ہیں۔ بیٹیوں اور بہنوں کو ان کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ جن کی صرف بیٹیاں ہوں وہ ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ جس سے بیٹیوں سے بچنے والا حصہ عصوب میں نہ جائے۔ ہر قسم کی ہیرا پھیری ﴿يَتَعَدَّدُ حُدُودَ اللَّهِ﴾ میں ہی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطانی وسوسوں سے ہمیں

محفوظ رکھے اور حق کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ میں تِلْكَ اسم اشارہ اور حُدُودُ اللہ مرکب اضافی مشار الیہ۔ حَدُّ کی جمع حُدُود۔ تِلْكَ اگرچہ اشارہ بعید ہے لیکن قریب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ سورۃ البقرہ کے آغاز ہی میں ارشاد ہوتا ہے۔

○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ جملے کا معنی ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔

○ ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ میں واو عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ یطع فعل مضارع اصل میں مجزوم ہے لیکن آگے ملانے کے لیے کسرہ دیا گیا ہے۔ اللہ وَرَسُولُهُ مفعول۔ ﴿رَسُولُهُ﴾ کی ضمیرہ اللہ کی طرف راجع۔ جَنَّاتٍ ظرفیہ۔ تَجْرِي فعل مضارع۔ مَنْ حرف جر۔ تَحْتِهَا کی ضمیرہا جَنَّاتٍ کی طرف راجع۔ تَحْتِ اسم جہت الْأَنْهَارُ نَہَرُ کی جمع تَجْرِي کا فاعل۔ خَالِدِينَ خَالِد کی جمع۔ فِيهَا کی ضمیرہا بھی جَنَّاتٍ کی طرف راجع اور یہ جملہ حالیہ ہے۔ پورے جملے کا معنی ہے: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے جنتی باغات میں داخل کرے گا کہ جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

○ ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ذٰلِكَ اسم اشارہ۔ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ مشار الیہ۔ جملے کا معنی ہے: یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

○ ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ﴾ بھی جملہ شرطیہ۔ يَعْصِ فعل مضارع کی یاء مَنْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ اسی طرح يَتَعَدَّ کے آخر میں زیر بھی اسی کی وجہ سے آئی ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کیا۔

○ ﴿يُدْخِلْهُ نَارًا﴾ جواب شرط خَالِدًا فِيْهَا حال۔ جملے کا معنی ہے: تو اس کو آگ میں داخل کرے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

○ ﴿وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ عَذَابٌ مُّهِينٌ مرکب توصیفی اور یہ آگ میں داخل ہونے والے کے بارے ہی میں خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اس کے لیے ذلت و رسوائی والا عذاب ہوگا۔

4

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾

اور تمہاری عورتوں میں سے جو فحاشی کا ارتکاب (یعنی زنا) کر بیٹھیں تو ان پر گواہی طلب کرو اپنے چار مردوں سے، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں روک رکھو (یعنی قید کرلو) یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے۔

وَالَّذَانِ يَأْتِيَنِهَا مِنْكُمْ فَأَذْهُمَا ۖ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرَضْنَا عَنْهُمَا ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿١٦﴾

اور جو دو مرد اس (بے حیائی) کا ارتکاب کر لیں تو (سزا کے طور پر) ان کو تکلیف پہنچاؤ۔ پس اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو پھر ان سے عراض کرو، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

اللہ تعالیٰ صرف ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو جہالت کی بنا پر برا کام کر لیتے ہیں پھر جلدی ہی توبہ کرتے ہیں، پس وہی ہیں جن کی طرف اللہ متوجہ ہوتا ہے (یعنی ان کی توبہ قبول کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِسْلَامَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

اور ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے بے شک میں اب توبہ کرتا ہوں، اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں۔ وہی ہیں جن کے لیے ہم نے

دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشریح:

سید الانبیاء ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب کی جو حالت تھی، اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران (آیت: ۱۶۳) اور سورۃ الحجۃ (آیت: ۲) میں اس پر یوں روشنی ڈالی ہے:

﴿وَلَا تَكُنُوا مِنَ الْقَبَلِ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

اور اس سے پہلے بے شک وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ان کے ہاں شراب پینا، جوا کھیلنا، زنا کرنا، لاتعداد بیویوں کا رکھنا، آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانا، صدیوں خانہ جنگی میں الجھے رہنا، رب حقیقی سے کٹ کر باطل معبودوں کی پرستش کرنا، اور دیگر فحاشی کے کاموں کا ارتکاب معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے ان کی ہر برائی کا نہ صرف علاج کیا بلکہ ان میں ایسی صفات اور اخلاقی قدریں پیدا کر دیں جن کی بنا پر وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق بن گئے۔ طریقہ علاج بڑا حکیمانہ اور تدریجاً تھا۔ جیسے شراب کے بارے میں پہلے تجارت، پھر نشہ اور آخر میں اس کی حرمت کا ذکر ہوا، لاتعداد بیویوں کو ایک وقت میں چار تک محدود کر دیا گیا، لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ اچھے سلوک پر جنت کی بشارت دی گئی، خون خرابے کو روکنے کے لیے قصاص و دیت کے قانون کو موثر بنایا گیا، شرک و بدعت کا قلع قمع کر کے شیع توحید کی روشنی کو پھیلایا گیا، زبردست کو زبردست پر ظلم کرنے کی بجائے ان کا محافظ اور ہمدرد بنا دیا گیا۔

اس طرح زنا جیسے عمل قبیح پر یوں قابو پایا گیا کہ زنا بالرضا کی مرتکب عورتوں پر جب چار گواہوں کی گواہی قائم ہو جاتی تو ان کو گھروں میں قید کر لیا جاتا یہاں تک کہ ان کی موت اسی قید میں واقع ہو جاتی، چونکہ سزا سخت تھی اس لیے عمومی دو گواہوں کی بجائے چار عادل مسلمان مردوں کی گواہی کو قبولیت کا درجہ دیا گیا۔ بے غیرتی اور بے حیائی کے کام میں مسلمان عورتوں کو گواہ بنانے سے محفوظ رکھا گیا لیکن مخصوص حالات میں زنا بالجبر کی نشانہ بننے والی عورت کی بھی بات سنی جاتی۔ سنن ابی داؤد (ص ۶۰۱) اور جامع ترمذی (۲۰۱/۱) کی کتاب الحدود میں علقمہ بن وائلؓ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک عورت فجر کی نماز کے لیے نکلی کہ راستے میں ایک شخص نے زبردستی اس سے اپنی حاجت پوری کر لی۔ اس کے شور مچانے اور بتانے پر مہاجرین کی ایک جماعت نے ایک آدمی کو پکڑ کر اس عورت سے پوچھا، کیا اس نے تمہارے ساتھ یہ کام کیا؟ عورت نے تصدیق کر دی تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کو پیش کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس کو رجم کرنے کا حکم دیا تو اچانک وہ کھڑا ہو گیا کہ جس نے عورت سے زیادتی کی تھی اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ آپ ﷺ

نے اقرار کرنے والے شخص کی تعریف کی اور اس کے بارے میں رجم کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر تمام اہل مدینہ کرتے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا۔

اس روایت میں ایک طرف اکیلی عورت کی گواہی کے قبول ہونے اور دوسری طرف اسلام کی وجہ سے معاشرے کے افراد کے ذہنوں میں واقع ہونے والی تبدیلی کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اصلی مجرم نے جب ایک بے گناہ کو سزا دیے جانے کا حکم سنا تو اپنے کیے کی سزا پانے کے لیے خود کو پیش کر دیا۔

آغاز اسلام میں زنا بالرضا کرنے والی عورتوں کی سزایہ تھی کہ گھروں میں ان کو قید کر دیا جائے اور اسی بے حیائی کے مرتکب ہونے والے دو مردوں کو مارا پیٹا اور ان کو رسوا کیا جائے۔ لیکن ایسے لوگوں کے لیے یہ گنجائش بھی رکھی گئی کہ اگر وہ دل و جان سے اپنے کیے پر نادم ہوتے ہوئے توبہ کر لیں اور آئندہ کے لیے اصلاح کی حامی بھر لیں تو ان کو معاف کر دیا جائے اور ان کو بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔ برائی کو ترک کرنے اور اچھائی کو اپنانے کی یہ بہت اچھی ترغیب تھی۔ سورة التوبة میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (104)﴾

کیا انہوں نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔
سورة الشوریٰ میں مزید وضاحت ہوتی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُو عَنِ السَّیِّئَاتِ (25)﴾

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف فرماتا ہے۔
سورة النور میں مومنوں کو حکم ملتا ہے:

﴿تُوبُوْا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیَّةَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (31)﴾

اے ایمان والو! تم سب اللہ سے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ان آیات میں لواطت اور دوسرے برے کاموں کے مرتکب افراد کو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے اور اپنی برائی کی معافی مانگنے کی ترغیب دلائی گئی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ توبہ حقیقی ہونی چاہیے اور اس میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت آجائے یا کفر پر ہی موت واقع ہو جائے تو اس وقت کی توبہ فائدہ بخش نہ ہوگی۔ بلکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اہل علم کے نزدیک توبہ کی چار شرائط ہیں:

۱۔ اپنی برائی پر نادم ہونا۔

۲۔ برائی سے فوراً کنارہ کش ہو جانا۔

۳۔ برائی کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کا عزم کرنا۔

۴۔ توبہ کرنے کی وجہ صرف اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوگی جو برائی کا ارتکاب کرتا رہے پھر موت کے آنے پر کہے میں اب توبہ کرتا ہوں۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے۔ یہ تنبیہ رغبت اور تلقین کی صورت ہے۔ کیونکہ سورۃ طہ میں اس کا اعلان ہے:

﴿وَأَنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ ﴿۸۲﴾﴾

جس نے توبہ کی بے شک اس کے لیے میں بڑا ہی بخشنے والا ہوں۔

ترمذی (۲۱۵/۲) کتاب الدعوات، ابن ماجہ، کتاب الزہد (ص ۳۱۲) اور مسند احمد (۱۳۲/۲) میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

«إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغْرِغْ»

بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک اس کی موت کا غرغہ شروع نہیں ہو جاتا۔

تفسیر ابن جریر کی روایت ہے کہ ابلیس جب ملعون ہوا اور اسے مہلت دی گئی تو اس نے کہا: اے اللہ! قسم ہے تیری عزت کی کہ میں ابن آدم کے دل میں سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک اس میں روح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قسم ہے مجھے میری عزت کی کہ جس وقت تک اس کے جسم میں روح رہے گی اس وقت تک اس کی توبہ رد نہیں کروں گا (یعنی قبول کرتا رہوں گا)۔

جب اہل اسلام کے ایمان وقت کے ساتھ مضبوط ہو گئے تو اسلامی ریاست کو زنا جیسے قبیح فعل سے محفوظ رکھنے کے لیے زنا کی حد نے حتمی صورت اختیار کر لی یعنی اسلام کے ابتدائی دور والی آیات کا حکم منسوخ ہو گیا لیکن ان کی تلاوت قائم رکھی گئی تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام نے بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کس طرح کی۔ سورۃ النور کے الفاظ ہیں:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً ﴿۲﴾﴾

زانی اور زانیہ دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

یہ حکم غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ہے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز اسلمی اور غامدیہ کو رجم کرایا۔ جیسا کہ صحیح مسلم، کتاب الحدود (۲/۶۷، ۶۸، ۶۹)، ابوداؤد (۶۰۶، ۶۰۹) اور احادیث کی دوسری کتابوں میں منقول ہے۔ صحیح مسلم (۲/۶۵) میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ سَبِيلًا: الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيْبُ بِالثَّيْبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ »

تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے لے لو یعنی سمجھ لو۔ غیر شادی شدہ زانی زانیہ کے لیے اللہ نے راہ نکال دی کہ دونوں کو سو سو کوڑے مار کر ان کو ایک سال کے لیے جلاوطن کرنا ہے۔ اور شادی شدہ زانی زانیہ کو سو سو کوڑے لگا کر رجم کرنا ہے۔

ابوداؤد کتاب الحدود (ص ۶۱۲) میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود ایک مرد اور ایک عورت کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ان دو آدمیوں کو لاؤ جو تم میں سے سب سے زیادہ علم والے ہوں۔ چنانچہ وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لے کر آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم اس معاملے میں تورات میں کیا حکم پاتے رہو؟

انہوں نے کہا: جب چار آدمی زانی زانیہ کو عملی حالت میں دیکھنے کی گواہی دے دیں تو ان دونوں کو رجم کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اب کون سی بات مانع ہے کہ تم ان کو رجم نہیں کر رہے؟

انہوں نے کہا: ہماری بادشاہت چلی گئی اس لیے ہم کسی کو مارنا پسند نہیں کرتے۔ پس آپ ﷺ نے گواہوں کو بلایا۔ جن میں سے چار نے عملی طور پر گواہی دے دی کہ انہوں نے ان کو زنا کرتے دیکھا تھا۔ لہذا نبی کریم ﷺ نے ان کو رجم کرنے کا حکم فرمایا، جس پر زانی زانیہ کو رجم کر دیا گیا۔

بخاری، باب الرجم بالبلاط (ص ۱۰۰۷) اور مسلم، باب الزنا (۲/۶۹) کے تحت یہودیوں کے زانی زانیہ ایک اور جوڑے کے رجم کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔

بخاری (ص ۱۰۰۸) اور مسلم (۲/۶۵) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے خطرہ ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ زیادہ گزر جائے گا تو کوئی کہنے والا کہے گا کہ ہم اللہ کی کتاب میں رجم نہیں پاتے۔ اللہ نے جو فریضہ نازل فرمایا، اس کو چھوڑ کر گمراہ ہوں گے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ شادی شدہ جب زنا کرے اور اس پر گواہی قائم ہو جائے یا عورت کا حمل ظاہر ہو جائے یا زنا کرنے والا مرد یا عورت اعتراف کر لے تو

ان کو رجم کرنا حق ہے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ کے نام پر حاصل کیے گئے پاکستان میں وہی کچھ ہوا اور ہو رہا ہے کہ جس کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خطرہ تھا۔ قرآن ہی میں سب کچھ تلاش کرنے والوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جن کے ذریعہ ہم تک قرآن پہنچا، وہی احادیث کے راوی ہیں۔ طاغوتی طاقتوں کی بھی کوشش ہے کہ پہلے احادیث کو مشکوک بناؤ پھر قرآن حکیم کو نشانہ بناؤ۔ لیکن اللہ کے دین کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ طاغوت نے جب بھی لوگوں کو دین سے دور کرنے کی کوشش کی تو لوگ اتنے ہی دین کے قریب آئے اور اللہ کے فضل سے اس ابتلاء کے دور میں بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں شمع توحید روشن ہو چکی ہے اور اس کی روشنی سے گمراہی کے اندھیرے اجالوں میں تبدیل رہے ہیں۔ طاغوتی طاقتوں کی سوچ کو پروان چڑھانے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے۔

نوٹ:

رجم کی بابت مزید تفصیل جاننے کے لیے میرا رسالہ ”وفاقی شرعی عدالت کا غیر شرعی فیصلہ“ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جس نے اسلام کے نام پر قائم ہونے ملک پاکستان میں ایک قانون اور فیصلے کو شرعی بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

حل لغات:

○ ﴿وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ﴾ میں الَّتِي (اسم موصول) کی غیر قیاسی (خلاف قاعدہ) جمع ہے اور کبھی اس کی تاء بھی حذف کر دی جاتی ہے یعنی الَّتِي۔ جیسا کہ سورۃ الطلاق میں آیت (۴) میں ہے۔ يَأْتِيَنَّ فعل مضارع جمع مونث غائب۔ الْفَاحِشَةُ اس کا مفعول۔ مِنْ حرف جر اور نِسَائِكُمْ (مرکب اضافی) مجرور، اس کی کُم ضمیر مخاطب کی۔ فَاسْتَشْهِدُوا (باب استفعال) فعل امر کی فاء جواب شرط۔ أَرْبَعَةً مفعول۔ عَلَيْهِنَّ کی ضمیر زنا کی مرکب ہوں) تو ان پر تمہارے مردوں میں سے چار کو گواہی دینا ہوگی۔

○ ﴿فَإِنْ شَهِدُوا فَاْمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوتِ﴾ میں فَإِنْ شرط۔ شَهِدُوا فعل ماضی معروف۔ فَاْمْسِكُوْهُنَّ کی فاء جواب شرط۔ اْمْسِكُوْا فعل امر۔ هُنَّ ضمیر اس کا مفعول۔ فِي حرف جر۔ الْبُيُوتِ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں روک لو یعنی قید کر لو۔

○ ﴿حَتَّى يَتَوَفَّيْهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ میں حَتَّى ناصبہ۔ يَتَوَفَّيْ اور يَجْعَلَ دونوں

فعل مضارع۔ يَتَوَفَّى کا فاعل الْمَوْتُ اور هُنَّ ضمير مفعول۔ يَجْعَلُ کا فاعل لفظ اللّٰهُ سبباً مفعول۔ هُنَّ ضمیریں نِسَائِكُمْ کی طرف راجع جملے کا معنی ہے: یہاں تک کہ موت ان کی زندگی ختم کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے۔

﴿وَالَّذَانِ يَأْتِيَنِهَا مِنْكُمْ فَأَذُوهُمَا﴾ میں اللّٰذَانِ، الَّذِي (اسم موصول) کا تشبیہ۔ يَأْتِيَانِ فعل مضارع تشبیہ مذکر غائب۔ ضمیرها الْفَاحِشَةُ کی طرف راجع مِنْ حرف جر کُنْ ضمیر مخاطب کی مجرور۔ جملہ شرطیہ کی صورت اسی لیے اذُوهُمَا پر فاء آئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جو مرد فحاشی کو آئیں تو ان دونوں کو سزا کے طور پر تکلیف پہنچاؤ۔

﴿فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا﴾ میں اِنْ شرط۔ تَابَا وَأَصْلَحَا فعل ماضی سے تشبیہ مذکر کے صیغے۔ اَعْرِضُوا فعل امر پر فاء جواب شرط کی۔ عَنْ حرف جر۔ هُمَا مجرور۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کریں تو ان دونوں سے پھر اعراض کرو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ﴾ إِنَّمَا کلمہ حصر۔ التَّوْبَةُ مصدر۔ الَّذِينَ اسم موصول، اس سے پہلے لام حرف جر۔ يَعْمَلُونَ فعل مضارع۔ السُّوءُ اس کا مفعول۔ بِجَهَالَةٍ، يَعْمَلُونَ کے فاعل کا حال۔ عَلٰی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہاں بمعنی عِنْدَ یا مِنْ ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک توبہ ان لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو جہالت کی بنا پر برا کام کر لیتے ہیں۔

﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ثُمَّ حرف عطف۔ يَتُوبُونَ فعل مضارع مِنْ حرف جر۔ قَرِيبٍ مجرور۔ أُولَٰئِكَ اسم اشارہ پر فاء تعقیب کی۔ يَتُوبُ فعل مضارع سے واحد مذکر غائب لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل عَلَيْهِمْ کی ضمیر ہم يَتُوبُونَ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: پھر وہ جلدی ہی توبہ کرتے ہیں۔ تو وہی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ میں كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللّٰهُ اس کا اسم اور عَلِيمًا حَكِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ

الْتُنْ ﴿۱﴾ میں لَيْسَتْ بھی فعل ناقص واحد مؤنث غائب اور ماضی کے سوا اس سے کوئی اور فعل نہیں آتا۔ التَّوْبَةُ اس کا فاعل (اسم) يَعْمَلُونَ فعل مضارع۔ السَّيِّئَاتِ مفعول۔ حتی حرف ابتدا۔ اِذَا شرط۔ حَضَرَ فعل ماضی۔ اَلْمَوْتُ اس کا فاعل۔ اَحَذَهُمْ مفعول۔ تُبْتُ فعل ماضی۔ اَلْتُنْ ظرف زمان۔ جملے کا معنی ہے: اور توبہ ان لوگوں کی قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کے کسی ایک کو موت آ جاتی ہے تو کہتا ہے کہ اس وقت میں توبہ کرتا ہوں۔ ﴿۲﴾ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ﴿۳﴾ میں وَآؤ عاطفہ۔ لَا نافیہ۔ الَّذِينَ موصولہ يَمُوتُونَ فعل مضارع۔ وَآؤ حالیہ۔ هُمْ ضمیر مرفوع منفصل، يَمُوتُونَ کی طرف راجع۔ كُفَّارٌ جمع کُفَّار۔ جملے کا معنی ہے: اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی ہے جو کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔ ﴿۴﴾ اُولَئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيمًا ﴿۵﴾ میں اُولَئِكَ اسم اشارہ۔ اَعْتَدْنَا فعل ماضی سے جمع متکلم۔ عَذَابًا اَلِيمًا مرکب توصیفی اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: وہی ہیں کہ جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔



اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ تم ان کو اس لیے روکے رکھو تا کہ جو تم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ لے لو مگر یہ کہ وہ کھلا برا کام (یعنی زنا) کریں اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارو اگر تم ان کو ناپسند کرو تو قریب ہے کہ تم کوئی شے ناپسند کرو مگر اللہ تعالیٰ اس میں خیر کثیر کا سبب پیدا کر دے۔

اور اگر تم ایک بیوی (کو طلاق دے کر اس) کی جگہ دوسری لانے کا ارادہ رکھتے ہو اور تم نے ان میں سے کسی ایک کو خزانہ دے دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ ۗ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ يُجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿۱۹﴾

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۖ وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا

وَاِنَّمَا مُبَيَّنَّا ﴿٢٠﴾

وَكَيفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى
بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ
مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

تشریح:

صحیح بخاری (ص ۲۵۸) میں ان آیات مبارکہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کوئی آدمی مر جاتا تو اس کی بیوہ کے زیادہ حق دار میت کے ورثاء ہوتے۔ ان میں سے اگر کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا اور اگر وہ چاہتے تو کسی اور سے اس کی شادی کر دیتے اور اگر چاہتے تو اس کی شادی نہ کرتے، اس کے بارے میں اس کے والدین اور اس کے خاندان سے زیادہ حق دار ہوتے کہ جو فیصلہ کرنا چاہتے، کرتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۲۳۸/۸) میں اس کی وضاحت یوں کی ہے:

«إِنَّ ذَلِكَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَفِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ.....»

بے شک یہ کام زمانہ جہالیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں تھا یہاں تک کہ سورۃ النساء والی آیت نازل ہوئی۔

تفسیر ابن جریر (۳۰۶/۳) میں عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا﴾ والی آیت کُبَيْشَةَ بِنْتُ مَعْنٍ بن عاصم بن الاوس کے بارے میں نازل ہوئی جب ان کا خاوند ابوقیس بن الاسلت فوت ہوا اور ان کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کو تیار ہو گیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اللہ کے نبی! مجھے نہ تو میرے فوت شدہ خاوند کی وراثت سے کچھ دیا جا رہا ہے اور نہ مجھے چھوڑا جا رہا ہے تاکہ میں نکاح کر لوں۔ تفسیر مجاہد (ص ۱۵۰) کے الفاظ ہیں:

«كَانَ الرَّجُلُ إِذَا تَوَفَّى كَانَ ابْنُهُ أَحَقَّ بِأَمْرِ آتِهِ»

جب کوئی آدمی مر جاتا تو اس کی بیوہ یعنی سوتیلی ماں کا زیادہ حق دار اس کا بیٹا ہوتا۔

سدی سے تفسیر ابن جریر میں منقول ہے کہ جاہلیت میں کوئی فوت ہوتا اور اپنی بیوی چھوڑتا تو میت کا وارث اگر بیوہ پر چادر ڈال دیتا تو وہی میت کے مہر پر اس سے نکاح کر لیتا یا کسی اور سے اس کا نکاح کر کے اس کو ملنے والا مہر خود لے لیتا۔ لیکن اگر وہ بیوہ چادر ڈالے جانے سے پہلے ہی بچ کر اپنے خاندان میں پہنچ جاتی تو وہی اس

کے معاملے کے زیادہ حق دار ہو جاتے۔

درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے کہ میت کی بیوہ پر اس کا کوئی دوست چادر ڈال دیتا۔ اگر خوبصورت ہوتی تو خود میت کے مہر پر ہی اس سے نکاح کر لیتا اور اگر بدصورت ہوتی تو اس کو اپنے پاس روکے رکھتا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جاتی اور وہ اس کے مال کا وارث بن جاتا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ سورة النساء کی ان دو آیتوں میں سے ایک کا تعلق زمانہ جاہلیت کے رسم بد سے اور دوسری کا اسلام سے ہے۔ یعنی جو کچھ جہالت کی بنا پر اسلام سے پہلے کیا جاتا تھا اب وہ نہیں ہوگا اور مسلمانوں کو یہ لائق نہیں کہ عورت پر ظلم کر کے اس کے مہر کی رقم یا اس کی وراثت کا مال کھائیں۔

عورت کو ملنے والے حقوق و تحفظ کے باوجود اگر وہ پھر بھی فحاشی کی مرتکب ہوتی ہے اور خاوند کی امانت میں خیانت کرتی ہے تو اس کے لیے بھی اسلامی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لیکن عمومی طور پر اہل اسلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کریں۔ سنن ابی داؤد، (ص ۳۹۱) میں ”باب فی حق المرأة علی زوجها“ کے تحت حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے کسی ایک کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

جب تو کھانا کھائے تو اس کو بھی کھلا۔ جب لباس بنائے تو اس کو بھی بنوا کر دے۔ اس کے چہرے پر نہ مار۔ قبیح قول اس کو نہ کہہ اور اگر کسی بات پر الگ کرنے کی نوبت آئے تو گھر ہی میں الگ کر (یعنی گھر سے نہیں نکالنا)۔

سنن ابن ماجہ (ص ۱۴۲) میں ”باب حسن معاشرۃ النساء“ کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لَا هَيْلَ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لَا هَيْلِي »
تمہارا بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہو اور تم سب سے زیادہ میں اپنے اہل کے لیے اچھا ہوں۔

یہی روایت زوائد ابن حبان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ سنن ابن ماجہ کی دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

« خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ هُمْ »
تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے اچھے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تمہارے پاس عورتیں یعنی تمہاری بیویاں مدد کرنے والی خدمت گار ہیں۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت اور کلمۃ اللہ سے اپنی بیویاں بنا کر اپنے لیے حلال کیا ہے۔ ان کا تمہارے اوپر اور تمہارا ان پر حق ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ کسی کو تمہارے بستر پر آنے نہ دیں اور شرعی کاموں میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔ جب وہ ایسا کریں تو معروف طریقے سے ان کے کھانے پینے اور لباس کا تمہارے اوپر حق ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ»

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء ص ۲۱ اور کتاب النکاح، ص ۸۸۹) اور صحیح مسلم (کتاب الرضاع، ص ۴۸۵) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

عورتوں کا اچھی طرح خیال رکھا کرو۔ کیونکہ عورت سب سے اوپر والی ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اس کو توڑ دے گا۔ اگر چھوڑے گا تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ اس لیے عورتوں سے اچھا سلوک کرتے رہو۔

لہذا ﴿عَاشِرُ وَهْنٍ بِالْمَعْرُوفِ﴾ میں اچھی اور عمدہ معاشرت کی تمام باتیں آ جاتی ہیں۔

اس بہترین تعلیم کے ساتھ ساتھ مردوں کی فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو لیکن اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لیے بھلائی کا پہلو رکھ دے۔ یہاں بھی عورتوں کے حق میں بات ہو رہی ہے۔ یعنی اگر تمہیں اپنی بیویوں کی کوئی عادت اچھی نہ لگتی ہو تو ان کو برداشت کرو۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایسی اولاد عطا کر دے جو تمہارے لیے صدقہ جاریہ بن جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی اس عادت کے باوجود تمہاری انتہائی خیر خواہ ہوں۔ ان میں سے کسی کو تم اگر چھوڑنا اور اس کی جگہ دوسری کو لانا چاہتے ہو تو یہ تمہارا حق ہے۔ لیکن، ایسا کرتے ہوئے تمہارے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ جو تم نے اس کو نکاح کے موقع پر یا بعد میں دیا تھا، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ایسا کرنا تمہارے لیے کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ کھلا گناہ ہوگا۔

در منشور کے حاشیے پر جو تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما چڑھی ہوئی ہے، اس میں بُھْتَانَا کا معنی حَرَامًا اور اِثْمًا مُبِیْنًا کا

معنی ظُلْمًا بَيْنًا منقول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو خزانہ کا خزانہ مہر کی صورت میں دینے کے بعد طلاق دیتے ہوئے اس میں سے کچھ رکھنا چاہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق وہ حرام اور واضح ظلم ہوگا۔ مہر کی واپسی کا حق صرف اسی صورت میں بنتا ہے کہ جب عورت فاشی کی مرتکب ہو یا مرد کو ناپسند کرتے ہوئے خلع پر مصر ہو۔ اگر وہ خاوند کے ساتھ رہنا چاہتی ہو لیکن خاوند اس کو طلاق دے دے تو پھر مہر میں سے کچھ بھی واپس لینے کا وہ حق دار نہیں ہوگا۔

یہاں یہ بھی واضح ہوا کہ کوئی صاحب حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ مال مہر میں دینا چاہے تو اس کی ممانعت نہیں۔ تفسیر القرطبی میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں کہا کہ مہر کی رقم زیادہ مقرر نہ کیا کرو۔ اگر دنیا میں عزت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا سبب ہوتی تو رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ ادا کرتے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ ادا کیے اور نہ کروائے۔ ایک عورت نے کھڑے ہو کر کہا: اے عمر! اللہ تعالیٰ ہمیں دے رہا ہے اور آپ ہمیں محروم کر رہے ہیں۔ کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿وَأَتَيْنَتْهُ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُ وَ مِنْهُ شَيْئًا﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اقرار کیا کہ عورت نے صحیح کہا اور عمر رضی اللہ عنہ نے غلطی کی۔ یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ سب لوگ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔

سنن ابی داؤد (ص ۲۸۷ باب الصدق) میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حبشہ کے بادشاہ النجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کے نکاح کے موقع پر چار ہزار درہم مہر کی صورت میں ادا کیے۔ مسند احمد (۲/۳۷۷) میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اسد الغابۃ (۲۸۷/۷) الاستیعاب (۷۷۲/۷) طبقات ابن سعد (۲۸۲/۸) اور الاصابۃ (۲۷۵/۸) کی روایات کے مطابق حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کیا تو انہوں نے چار ہزار درہم مہر ادا کیا۔

موارد الظمان الی زواہد ابن حبان میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا:

کیا تو راضی ہے کہ فلاں عورت سے میں تیرا نکاح کر دوں؟

اس نے عرض کیا جی میں راضی ہوں۔ آپ ﷺ نے اس فلاں عورت سے فرمایا:

کیا تو راضی ہے کہ فلاں شخص سے تیرا نکاح کر دوں؟

اس نے بھی رضا مندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا اور بغیر مہر ادا کیے رخصتی ہو گئی۔ وہ صحابی صلح حدیبیہ میں شریک تھے اور ان کو خیبر میں سے حصہ ملا تھا۔ جب ان کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب میرا نکاح فلاں سے کیا تو میں نے نہ مہر مقرر کیا اور نہ ادا ہی کیا۔ اب میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو مہر کے طور پر خیبر والا حصہ دے دیا۔ اس کی بیوی نے وہ حصہ ایک لاکھ درہم میں بیچا۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کہ جب تم میاں بیوی بن گئے اور تمہاری بیویوں نے تم سے اللہ تعالیٰ کے نام سے مضبوط عہد لے لیا، تو پھر تم دیا ہوا مال کیسے واپس لو گے؟ اسلام کے عورتوں پر جو جو احسانات ہیں، مسلم اور غیر مسلم عورتوں کو انہیں سمجھنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا﴾ میں يَا أَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِينَ آمَنُوا (موصول وصلہ) منادی۔ لَا نافية۔ يَحِلُّ فعل مضارع۔ لَكُمْ جار مجرور۔ أَنْ ناصب۔ تَرِثُوا فعل مضارع معروف سے جمع مذکر مخاطب اس کی نون أَنْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ النِّسَاءُ مفعول۔ كَرِهًا (مصدر) حال۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔

○ ﴿وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضٍ مَّا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ﴾ میں لَا تَعْضَلُوا فعل مضارع نہیں۔ هُنَّ ضمیر منصوب متصل، مفعول۔ لِتَذْهَبُوا کا لام كَمَى اور تَذْهَبُوا فعل مضارع۔ بِبَعْضٍ جار مجرور۔ مَّا موصول۔ آتَيْتُمُوهُنَّ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ هُنَّ ضمیر مفعول۔ إِلَّا حرف استثناء۔ يَأْتِيَنَّ فعل مضارع معروف سے جمع مؤنث غائب۔ فَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ مرکب توصیفی حرف جر ”ب“ کی وجہ سے مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور تم ان کو روکے نہ رکھو تا کہ جو تم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ لے لو مگر یہ کہ وہ کھلی برائی کا کام (یعنی زنا) کیا کرو۔

○ ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ میں عَاشِرُوهُنَّ باب مفاعله سے فعل امر۔ هُنَّ ضمیر مفعول۔ بِالْمَعْرُوفِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارو۔ یعنی ان سے اچھا سلوک کیا کرو۔

○ ﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُنَّ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ شرط

عَسَىٰ فَعْلٌ مُّقَارِبٌ بِرَفَاءِ جَوَابِ شَرْطٍ - تَكْرَهُوا اور يَجْعَلْ دونوں پر اُن کا عمل ہوا ہے جس کی وجہ سے تَكْرَهُوا کی نون گر گئی اور يَجْعَلْ کے آخر میں زیر آ گئی۔ لَفْظُ اللّٰهُ فاعِلٌ - شَيْئًا اور خَيْرًا كَثِيرًا (مركب توصیفی) مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر تم ان کو ناپسند کرو تو قریب ہے کہ تم کوئی شے ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی کر دے۔

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۖ فِي إِنْ شَرْطِيهِ ۖ أَرَدْتُمْ فَعْلٌ مَّاضٍ جَمْعٌ مُّذَكَّرٌ حَاضِرٌ ۖ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ (مركب اضافی) مفعول۔ اسْتِبْدَالَ باب استفعال سے مصدر اور زَوْج کا لفظ خاوند اور بیوی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مراد بیوی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری لانے کا ارادہ کرو۔

﴿وَأَتَيْتُمْ إِحْدَهُنَّ فَنُطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ میں واؤ حالیہ۔ اَتَيْتُمْ فعل ماضی إِحْدَهُنَّ مفعولِ اوّل۔ فَنُطَارًا مفعولِ ثانی۔ لَا تَأْخُذُوا فعلِ نہی، مِنْ حرفِ جر، هُضمیرِ مجرور متصل، شَيْءٌ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اس حال میں کہ تم نے ان میں سے کسی ایک کو خزانہ (یعنی بہت سا مال دے) دیا ہو پس اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔

www.KitaboSunnat.com

﴿أَتَاخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ میں ہمزہ استفامیہ تعجب و وعید اور ذات کے لیے ہے۔ تَأْخُذُونَ فعل مضارع۔ هُضمیر (منصوب متصل) فَنُطَارًا کی طرف راجع۔ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا حال۔ جملے کا معنی ہے: کیا تم اس کو ناحق ہوتے اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔

﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمُ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ كَيْفَ استفہامیہ۔ تَأْخُذُونَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ هُضمیرِ فَنُطَارًا ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ واؤ حالیہ۔ قَدْ أَفْضَىٰ ماضی قریب۔ بَعْضُكُم اس کا فاعل۔ إِلَىٰ بَعْضٍ جارِ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور تم اس کو کیسے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو۔ (یعنی میاں بیوی کی صورت اختیار کر چکے ہو۔)

﴿وَأَخَذْنِ مِنْكُمْ مِّيثَاقًا عَلِيًّا﴾ میں واؤ عاطفہ۔ أَخَذْنِ فعل ماضی سے جمع مَوْنِثٌ غائب۔ مِنْكُمْ جارِ مجرور مِثَاقًا عَلِيًّا (مركب توصیفی) مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور انہوں نے تم سے پکا مضبوط عہد لے رکھا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَهَ آبَاؤُكُمْ مِّنَ
النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ
فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۚ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾

اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے
باپوں نے نکاح کیا ہو مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا)۔ بے
شک یہ کام انتہائی بے حیائی اور ناراضی کا سبب بنے
والا ہے، اور بہت بڑی راہ ہے۔

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور
تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں
اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ
مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ
شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری وہ
پروردہ بیٹیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے
تمہارا ازدواجی تعلق قائم ہو چکا ہو۔ اگر تم نے ان کی
ماؤں سے ازدواجی تعلق قائم نہ کیا ہو تو پھر (ان سے
نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے ان
بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلیبی اولاد ہوں اور یہ کہ تم
نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو۔ مگر جو ہو چکا سو ہو چکا۔
بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

حَرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ
وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ
الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّتِي
أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ
وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّتِي فِي
حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّتِي دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ
الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۚ وَإِنْ تَجَمَّعُوا
بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّ
اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۲۳﴾

تشریح:

زمانہ جاہلیت میں سوتیلی ماؤں کے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا جاتا تھا، اس کو قطعی طور پر ختم کرنے کے لیے
اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو واضح الفاظ میں حکم دے دیا کہ جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا، ان کی
وفات کے بعد تم نے باپ کی بیوہ یعنی اپنی سوتیلی ماں کو ماں ہی سمجھنا ہے۔ جاہلانہ رواج کے مطابق ان سے نکاح
نہیں کرنا۔ ماضی میں جو ہو چکا، اسے اب نہیں دوہرانا۔ کیونکہ یہ کام انتہائی فحاشی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب

اور بہت ہی بری راہ ہے۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قباحت کے تین مرتبے ہیں۔ ایک قباحت عقلی دوسری شرعی اور تیسری عاداتی ہوتی ہے۔ لہذا سوتیلی ماں سے نکاح کو جب اللہ تعالیٰ نے فَاحِشَةً کہا تو یہ قباحت عقلی کی طرف اشارہ ہے۔ مَثْنًا قباحت شرعی کی طرف اور سَاءَ سَيِّئًا عرف و عادات کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہ تینوں قباحتیں کسی عمل و فعل میں جمع ہو جائیں تو وہ عمل و فعل انتہائی قبیح ہو جاتا ہے۔

سورة الاعراف میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرایا گیا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ﴾ (33)

کہہ دیں کہ بے شک میرے رب عزوجل نے ظاہری اور پوشیدہ فحاشی کے تمام کام حرام کر دیئے ہیں۔

سورة الانعام میں حکم دیا گیا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ﴾ (151)

اور ظاہری اور پوشیدہ فحاشی کے کاموں کے نزدیک تک نہیں جانا۔

اس سے بڑھ کر قباحت کیا ہو سکتی تھی کہ باپ جس عورت کو اپنی اولاد کی ماں بنا کر لائے، اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد میں سے بڑا بیٹا اس سے نکاح کر لے۔

تفسیر ابن کثیر کی روایت ہے کہ ابوقیس انصاری رحمۃ اللہ علیہ جب فوت ہوئے تو زمانہ جہالت کی مروجہ رسم کے مطابق ان کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، سوتیلی ماں نے کہا کہ اپنی قوم میں بلاشبہ تم نیک انسان ہو۔ لیکن میں تجھے اپنا بیٹا ہی سمجھتی ہوں۔ خیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتی ہوں اور اس کے بارے میں پوچھتی ہوں۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا معاملہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے سوتیلی ماؤں سے نکاح نہ کرنے والی آیت نازل فرمادی۔ سوتیلی اور حقیقی ماں کے درمیان پیدا کردہ فرق مٹا دیا۔ ماں کے درجے میں آنے والی کی شان کو بڑھا دیا۔

اسلام کے دنیا میں پھیلنے اور مقبول ہونے کے راز کو اگر جاننے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر عمل کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کروایا۔ اسی لیے سورة الصف میں مومنوں پر واضح کر دیا گیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا

تَفْعَلُونَ﴾ (3)

اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی ناراضی کی بات یہ ہے کہ تم وہ کہو جس پر خود عمل نہ کرتے ہو۔

کامیابی کی یہی بنیاد تھی جسے موجودہ دور میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہیں جو قرآن حکیم کی اس تعلیم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

سوتیلی ماں کا احترام کرنے کا جب حکم نازل ہوا تو قانون کی صورت میں اس کا نفاذ ہوا۔ خلاف ورزی کرنے والوں کا باقاعدہ محاسبہ ہوا۔

سنن درامی (ص ۲۸۹)، سنن نسائی (۵/۲ کتاب النکاح)، سنن ابی داؤد (ص ۶۱۲ کتاب الحدود) اور زوائد ابن حبان (ص ۳۶۲) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری ملاقات حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کے پاس ایک جھنڈا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا ہے، مجھے حکم ملا ہے کہ اس کی گردن ماروں اور اس کے مال پر قبضہ کر لوں۔

اللہ تعالیٰ چونکہ بڑا ہی مہربان اور گناہوں کا بخشنے والا ہے، اس لیے اس نے ماضی میں ہونے والی کوتاہیوں اور غلطیوں پر کوئی مواخذہ نہیں کیا بلکہ اصلاح کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی۔

زمانہ جاہلیت میں ہونے والی برائیوں کو دور کر کے مزید رہنمائی مہیا کر دی گئی کہ اہل ایمان مردوں پر ان کی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالائوں، بھتیجیوں، بھانجیوں کو حرام کر دیا گیا ہے۔ یعنی ان سے ان رشتوں کے ناطے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکے گا۔ حالانکہ دنیا کے کئی ملکوں اور مذاہب میں ایسا ہوتا تھا۔ لیکن اسلام نے ان رشتوں کے تقدس کو پامال ہونے سے بچالیا۔ بلکہ ان رشتوں کے ساتھ ان رشتوں کو بھی شامل کر لیا گیا جو دودھ پینے پلانے سے قائم ہوتے ہیں۔ جن کو رضاعی کہا جاتا ہے۔ ایک عورت کسی بچے کی حقیقی ماں نہیں ہوتی لیکن کسی موقع پر اس نے اس بچے کو دودھ پلایا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بھی ماں کے رتبے میں آ جاتی ہے اور وہ بچہ اس کی حقیقی اولاد جیسی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اس لیے نسبی رشتوں کی طرح اس پر رضاعی رشتے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ صحیح بخاری (ص ۶۴ کتاب النکاح) اور صحیح مسلم (۴/۶۶۱ کتاب الرضاع) کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الرِّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ»

رضاعت بھی وہ حرام کر دیتی ہے جو ولادت حرام کرتی ہے۔

بخاری مسلم میں یہ وضاحت بھی موجود ہے:

«الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ»

بچہ اتنا دودھ پئے کہ اس کی بھوک مٹ جائے پھر رضاعت ثابت ہوگی۔

ایک دو چوسوں سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے اور رضاعت دودھ پلانے کی مدت دو سال کے اندر ہوگی جیسا کہ موطا امام مالک ”مأجاء فی الرضاعة بعد الکبر“ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کے پستان کو منہ میں لیا جس سے اس کا دودھ میرے پیٹ میں چلا گیا۔ ابو موسیٰ الاشعریؓ نے کہا میرا خیال ہے کہ وہ تجھ پر حرام ہو گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان سے کہا آپ اس آدمی کو کیا فتویٰ دے رہے ہیں؟ ابو موسیٰؓ نے کہا تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا:

«لَا رِضَاعَةَ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ»

رضاعت دودھ پلانے والی دو سالہ مدت میں ثابت ہوتی ہے۔

ایک دوسرے واقعہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

«فَإِنَّمَا الرِّضَاعَةُ رِضَاعَةُ الصَّغِيرِ» (الموطا، احکام القرآن ص ۷۵)

بے شک رضاعت گود میں دودھ پلانے والی مدت کے دوران میں ہوتی ہے۔

رہی بات حضرت ابو حذیفہؓ کے مولیٰ سالمؓ کی جن کو دودھ پلانے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے ابو حذیفہؓ کی بیوی سہلہ بنت سہیلؓ کو دیا۔ تاکہ دودھ پینے کی بنا پر وہ ان پر نااہل بن کر حرام ہو جائیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا فتویٰ اگرچہ اس کے مطابق تھا۔ لیکن باقی ازواج مطہرات ان سے اتفاق نہیں کرتی تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ یہ رخصت سالم کے لیے خاص تھی۔ (الموطا)

اگر کوئی مرد ایسی عورت سے شادی کر لے جو بیوہ یا مطلقہ تھی لیکن پہلے خاوند سے اس کی کوئی بیٹی یا بیٹیاں تھیں۔ تو اس مرد کی کفالت میں آنے کے بنا پر وہ ”رہیمہ“ یا ”ربائب“ بن جاتی ہیں۔ اگر اس عورت سے مرد کا ازدواجی تعلق قائم ہو جاتا ہے تو وہ ان کے لیے حقیقی باپ کی جگہ پر آ جاتا ہے۔ لہذا وہ بیٹی یا بیٹیاں اس پر حرام ہو جائیں گی۔ اگر ازدواجی تعلق قائم ہونے سے پہلے طلاق ہو جاتی ہے تو پھر ان کی حرمت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

نسبی اور رضاعی بیٹوں کی بیویوں کی حرمت ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ اگر کوئی بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے کر الگ کر دے۔ پھر بھی مطلقہ بہو سر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرتا ہے اور اس کا ازدواجی تعلق قائم ہو، ہے یا نہیں اور وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے۔ پھر چاہتا ہے کہ مطلقہ کی ماں سے نکاح کرے تو اسلام میں اس کی بھی اجازت نہیں۔

اسی آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر اور امام فخر الدین رازی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کوفہ میں مقیم تھے تو فتویٰ دیا کرتے تھے کہ اگر کسی عورت کی بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد اس سے ازدواجی تعلقات قائم کیے بغیر طلاق دے دی جائے تو اس کی ماں سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اتفاق سے ان کا مدینہ طیبہ جانا ہوا اور وہاں کے اہل علم سے اس موضوع پر بات ہوئی تو سب نے ان کے فتویٰ کی مخالفت کی۔ لہذا جب وہ واپس کوفہ آئے تو اپنے گھر جانے سے پہلے اس شخص کے گھر گئے جس کو انہوں نے ایسا فتویٰ دیا تھا اور اس سے کہا: اس عورت کو چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے حلال نہیں۔

اللہ اکبر! وہ کیسے عظیم لوگ تھے کہ حق کو پاتے ہی اس کو قبول کر لیا کرتے تھے اور اب ایسا وقت آ گیا ہے کہ حق کو ٹھکرایا جاتا ہے اور ناحق کو اپنایا جاتا ہے۔

جاہلیت میں یہ رواج بھی تھا کہ نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر لیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی ممانعت فرما دی۔ بلکہ اسی کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنے سے بھی روک دیا۔ جیسا کہ بخاری، کتاب النکاح (ص ۷۶۶) اور مسلم، کتاب النکاح (۴۵۲/۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے غفور رحیم ہوتے ہوئے فرمایا کہ جو ماضی میں ہو چکا، اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن آئندہ اسلامی تعلیم کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ آپس میں رشتہ داری قائم کرنے کے سلسلے میں قرآن حکیم کی ان آیات کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ میں لَا تَنْكِحُوا فعل نہی۔ ما موصولہ۔ نَكَحَ فعل ماضی۔ آبَاؤُكُمْ اس کا فاعل مرفوع۔ مِنْ (حرف جر) بیانہ، النِّسَاءِ مجرور۔ إِلَّا حرف استثناء۔ مَا موصولہ۔ قَدْ تحقیق کا۔ سَلَفَ فعل ماضی۔ حرف قد جب فعل ماضی پر آتا ہے تو معنی کو ماضی قریب میں کر دیتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو

گزر چکا۔ یعنی ماضی میں جو ہو چکا، سو ہو چکا۔

○ ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلٌ﴾ میں اِنَّہ کی ضمیر متصل (ہ) سے مراد نِكَاحُ مَا نَكَحَ اَبَاؤُكُمْ ہے یعنی جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا، ان سے نکاح کرنا۔ اِنَّ حرف مشبہ فعل۔ ضمیر نکاح کرنے کے عمل کی طرف راجع۔ كَانَ فعل ناقص۔ فَاحِشَةً وَمَقْتًا معطوف علیہ اور معطوف مل کر اس کی خبر۔ واؤ عاطفہ۔ سَاءَ فعل ذم۔ سَبِيلًا فاعل مضمَر کی تیز۔ فَاحِشَةً اگرچہ اسم فاعل مؤنث کے وزن پر ہے لیکن یہاں مصدر کے معنی میں آیا ہے۔ جیسا کہ عَاقِبَةُ اور عَاقِبَةِ استعمال ہوتے ہیں۔ مقْتًا بھی مصدر ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک یہ کام انتہائی فحاشی اور (اللہ کے نزدیک) سخت ناراضی کا اور بہت ہی بُری راہ ہے۔

○ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ﴾ حُرِّمَتْ فعل ماضی مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب۔ عَلَيْكُمْ جار مجرور اور اس کے بعد کے مرکب اضافی عطف کے ذریعہ حُرِّمَتْ کے نائب فاعل ہیں اور جملے کا معنی ہے: تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری ختیجیاں اور تمہاری بھانجیاں حرام کر دی گئیں۔

○ ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ میں اللَّائِي اسم موصول (الَّتِي کی جمع)۔ أَرْضَعْنَ فعل ماضی جمع مؤنث غائب، کُم ضمیر منصوب متصل (مفعول)۔ مِّنَ بیانِیہ۔ الرَّضَاعَةُ مصدر مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔

○ ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّائِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّائِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ میں رَبَائِبُ رَبِيبَةِ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ لڑکیاں ہیں جو عورت کے پہلے خاوند سے پیدا ہوئی ہوں۔ حُجُور، حُجْرَہ کی جمع۔ دَخَلْتُمْ فعل ماضی۔ بِهِنَّ کی ضمیر نِسَاءِ کُم کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری پرورش کردہ وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں، تمہاری ان بیویوں سے جن سے تمہارا ازدواجی تعلق قائم ہو چکا ہو۔

○ ﴿فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ میں اِنْ حرف شرط۔ لَمْ تَكُونُوا نفی جہد بلم۔ لَا نفی جنس پر فاء جواب شرط کی۔ جُنَاحَ کے آخر میں اسی لَا کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اگر تم نے

اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق قائم نہ کیا ہو تو ان کی پیچھے سے لائی ہوئی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ میں حَلَائِلُ، حَلِيلَةُ کی جمع۔ أَصْلَابُ، صُلْب کی جمع۔ الَّذِينَ اسم موصول۔ جملے کا معنی ہے: اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تمہارے لیے حرام ہیں) جو تمہاری پشت میں سے ہوں۔

﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ میں أَنْ ناصبہ۔ تَجْمَعُوا فعل مضارع کی نون اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور یہ بھی تم پر حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کرو مگر ماضی میں جو ہو چکا (سو ہو چکا)۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بفعل۔ كَانَ فعل ناقص۔ غَفُورًا رَحِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔



اور عورتوں میں سے وہ بھی حرام ہیں جن کے خاوند ہوں مگر جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ احکام فرض کر دیے ہیں، اور تمہارے لیے ان کے علاوہ وہ عورتیں حلال کی گئیں جن کو تم اپنے مالوں کے بدلے وقتی شہوت رانی کی بجائے نکاح میں لانا چاہتے ہو۔ پس ان میں سے جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھا چکو تو ان کو ان کے مقرر کردہ مہر ادا کرو، اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد باہمی رضا مندی سے جو بھی تم (دینا) طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اور تم میں سے جو آزاد مومنہ عورتوں سے نکاح کی مالی

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ ۖ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا
بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ
فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ
أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٤﴾

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ

يُنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتْيَتِكُمْ
الْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ ۖ
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَإِنْ كُفَّهِنَّ
بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْفَحَاتٍ
وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَ
فَإِنْ آتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا
عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ
لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ
تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿٢٥﴾

استطاعت نہ رکھے تو اپنی ایمان والی لونڈیوں میں سے
کسی سے نکاح کر لے تمہارے دائیں ہاتھ جن کے
مالک ہوئے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو زیادہ
جاننے والا ہے۔ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ پس
ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور
ان کے مہران کو شریعت کے مطابق ادا کرو۔ اور وہ
عورتیں پاک دامن ہونی چاہئیں، بدکاری کی مرتکب
اور برائی کا تعلق خفیہ طور پر قائم کرنے والی نہ ہوں۔
پس جب ان کی شادی کر دی جائے اور پھر بھی وہ بے حیائی
کا کام (یعنی زنا) کریں تو ان کی سزا اس سے آدھی
ہوگی جو آزاد عورتوں کی ہے۔ (لونڈیوں سے نکاح
کرنے کی) یہ (اجازت) اس شخص کے لیے ہے جسے
تم میں سے بدکاری کا خطرہ ہو، اور تمہارا صبر کرنا
تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے
والا مہربان ہے۔

تشریح:

اسلام کا عورتوں پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اگر وہ خاوندوں والی غیر مسلمات ہی ہوں تو بھی عام حالات میں
مسلمان مردوں پر حرام ہوں گی۔ ان کے حلال ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ جہاد کے ذریعے لونڈیوں
کی حیثیت سے اہل اسلام کو حاصل ہوں۔

صحیح مسلم (۱/۴۷۰ کتاب الرضاع) میں حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
حنین کے دن ایک لشکر اوطاس کی طرف بھیجا جس کا دشمن سے ٹکراؤ ہوا۔ قتال کرنے کے بعد اہل اسلام اس پر
غالب آئے اور قیدیوں میں خاوندوں والی عورتیں بھی تھیں جن کو استعمال میں لانا صحابہ کرامؓ کو اچھا نہ لگا تو

اللہ تعالیٰ نے المحصنات والی آیت نازل فرمادی۔

جامع ترمذی (۱۳۸/۲) میں یہ بھی مروی ہے:

«فَذَكِّرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَزَلْتِ وَالْمُحْصَنَاتِ»
صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَالْمُحْصَنَاتِ﴾ والی آیت نازل ہو گئی۔

مسند احمد (۲۸/۳) کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے یہ شرط عائد فرمائی:

«لَا يَقَعُ عَلَى حَامِلٍ حَتَّى تَضَعَ وَلَا غَيْرِ حَامِلٍ حَتَّى تَحْيِضَ»
کوئی حاملہ پر واقع نہ ہو جب تک وضع حمل نہ ہو جائے اور نہ غیر حاملہ کو اس کے حیض سے فارغ ہونے سے پہلے استعمال میں لایا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلمہ خاوند والی عورت اس وقت لونڈی بنے گی جب وہ عملی طور پر جنگ میں شریک ہو یا شریک ہونے والوں کے ساتھ ہو اور اہل اسلام کے مقابلے میں مغلوب ہونے کے بعد ان کے قبضے میں آجائے۔ یہی اصول غیر شادی شدہ یا مطلقہ کے بارے میں بھی اپنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو ﴿كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ تاکہ کسی بھی موقع پر مسلمانوں کے دلوں میں اس کی خلاف ورزی کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔

محرمات ابدیہ کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دے دی کہ ان کے علاوہ مہر ادا کرتے ہوئے معروف طریقے پر تم نکاح کرو گے تو وہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جن عورتوں سے نکاح کرنے یا انہیں ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا، ان کا شمار بھی محرمات ہی میں ہوگا۔
اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ جن عورتوں سے فائدہ اٹھا چکو تو ان کے مقررہ کردہ مہر انہیں ادا کر دو ہاں اگر باہمی رضا مندی سے اس میں کوئی تبدیلی کر لو تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ کی تفسیر میں بعض اہل علم نے نکاح متعہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابو عمر کے حوالے سے نقل کیا ہے:

«لَمْ يَخْتَلِفِ الْعُلَمَاءُ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ أَنَّ الْمُتْعَةَ نِكَاحٌ إِلَى أَجَلٍ لَا مَبْرَآتَ فِيهِ وَالْفُرْقَةُ تَقَعُ عِنْدَ انْقِضَاءِ الْأَجَلِ مِنْ غَيْرِ طَلَاقٍ»
سلف و خلف علماء سب متفق ہیں کہ متعہ ایک مقررہ مدت تک نکاح ہوتا ہے اور اس میں وارث بننے کا

حق نہیں ہوتا اور علیحدگی مقررہ مدت کے گزرنے پر بغیر طلاق کے ہی ہو جاتی ہے۔

صحیح مسلم (۲۵۰/۱) میں باب باندھا گیا ہے۔ باب نکاح المتعة و بیان انه ایح ثم نسخ ثم ایح ثم نسخ واستقر تحریمہ الی یوم القیامة۔ نکاح متعہ کا باب اور اس کے مباح ہونے پھر منسوخ ہونے پھر مباح ہونے پھر منسوخ ہونے اور قیامت تک اس کے حرام ہونے کا بیان۔
اس بات کے تحت جو روایات امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں، ان کے بارے میں صحیح مسلم کے شارح امام نووی رحمہ اللہ نے حاشیے میں واضح کیا ہے۔

«لَيْسَ فِي هَذِهِ إِلَّا حَدِيثٌ كُلُّهَا أَنَّهَا كَانَتْ فِي الْحَضَرِ وَإِنَّمَا كَانَتْ فِي
أَسْفَارِهِمْ فِي الْغَزْوِ عِنْدَ ضَرُورَتِهِمْ وَغَدَمِ النِّسَاءِ مَعَ أَنَّ بِلَادَهُمْ حَارَةٌ وَصَبْرُ
هُمْ عَنْهُمْ قَلِيلٌ»

ان تمام احادیث میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ متعہ کی اجازت حضر میں ہوئی۔ بلکہ اس کی اجازت بیویوں کی غیر موجودگی اور ضرورت کے تحت غزوات کے سلسلہ میں اختیار کردہ سفروں میں دی گئی۔ کیوں کہ ان کے شہر گرم تھے اور بیویوں سے دور رہنے پر صبر کی کمی تھی۔

صحیح مسلم کے باب ہی سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ دو مرتبہ اس کی اجازت ہوئی اور پھر قیامت تک اس کو حرام کر دیا گیا۔ صحیح بخاری (ص ۶۰۶) غزوہ خیبر، صحیح مسلم (باب نکاح المتعة) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے دو بیٹوں عبداللہ اور حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے باپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ
أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ»
خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت جو سمرۃ الجعفی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر اس کی ممانعت ہوئی جب کہ سنن ابی داؤد (ص ۲۸۳) کے باب فی نکاح المتعة کے تحت انہی سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی۔ امام نووی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر بیویاں ساتھ تھیں اور متعہ کی ضرورت نہ تھی اور اس میں تطبیق اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح دوسری باتوں میں

آپ ﷺ نے تاکید کی۔ اسی طرح متعہ کے بارے میں بھی کر دی۔ تفسیر قرطبی (۱۳۲/۵) میں منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلے اس کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن پھر انہوں نے رجوع کر لیا۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم نے نادار مومنوں کی سہولت کے لیے یہ اجازت دے دی کہ وہ مومنہ لونڈیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے معروف طریقے پر مہر کے بدلے نکاح کر لیں لیکن یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ لونڈیاں پاک دامن ہوں۔ چوری چھپے یا علانیہ زنا کاری کی مرتکب نہ ہوں۔ یہاں لطیف نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ جب لونڈیوں کو چوری چھپے تعلق قائم کرنے کی اجازت نہیں تو آزاد مسلمہ عورت کو کسی غیر مرد کے ساتھ ایسا کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر شادی شدہ لونڈی ایسا کام کرے گی تو آزاد مسلمہ گناہ کی مرتکب ہونے والی کی سزا سے اس کو آدھی سزا دی جائے گی۔ چونکہ رجم کا نصف ممکن نہیں۔ اس لیے علمائے امت نے پچاس کوڑوں کی سزا پر اتفاق کیا ہے۔

لونڈی سے شادی کی اجازت دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ کیونکہ جس شخص کی لونڈی سے شادی کی جائے گی تو لونڈی سے پیدا ہونے والی اولاد کا مالک بھی وہی ہوگا۔ یعنی آزاد مسلم مرد لونڈی سے شادی کرنے کی بنا پر اپنی اولاد کو لونڈی کے مالک کی ملکیت بنائے گا۔ لیکن جس کو خود پر قابو نہ ہو اور اس کو خطرہ ہو کہ اگر اس کی شادی نہ ہوئی تو وہ گناہ کی دلدل میں ڈھنس جائے گا تو اس کو ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

اپنی مخلوق کو گناہوں سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو آسانیاں پیدا کیں، یہ سب اس کی بخشش و رحمت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و بخشش سے ہمیں مالا مال فرمائے۔

خل لغات:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ میں الْمُحْصَنَاتُ ، الْمُحْصَنَةُ کی جمع ابو عبیدہ کے مطابق الصاد یعنی عین کلمہ پر فتح کے باوجود یہ اسم فاعل ہے۔ امام ابن العربی رحمہ اللہ نے احکام القرآن (۳۸۱/۱) میں لکھا ہے کہ باب أَفْعَلُ يَفْعَلُ أَفْعَالًا سے عربی لغت میں صرف تین فعل ایسے ہیں جن کا اسم فاعل حرف عین پر فتح سے آتا ہے۔ حالانکہ عام قاعدے کے مطابق کسرہ سے ہونا چاہئے۔ تین میں سے پہلا مُحْصَنٌ (شادی شدہ) دوسرا مُسَهَّبٌ (لمبی بات کرنے والا) اور تیسرا مُفْلَجٌ (جس کا مال ضائع ہو جائے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو) ہے۔ الْمُحْصَنَاتُ سے مراد یہاں خاوندوں والی عورتیں ہیں اور اس کا عطف اس سے پہلے بیان ہونے والی محرمات پر ہے۔ ماموصلہ مَلَكَتْ فعل ماضی أَيْمَانُكُمْ اس کا فاعل۔

جملے کا معنی ہے: اور تم پر وہ عورتیں بھی حرام کر دی گئیں جن کے خاوند ہوں مگر جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک بن گئے ہوں یعنی لونڈیوں کی صورت میں تمہارے ہاتھ آئیں۔

○ ﴿كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ میں كِتَابَ اللّٰہِ مرکب اضافی حال۔ جملے کا معنی ہے۔ اس حال میں کہ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہے۔

○ ﴿وَاحِلٌ لَّكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ﴾ میں اِحْلَ فَعْل ماضی مجہول۔ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ سے ماقبل محرمات کی طرف اشارہ ہے۔ اَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مفعول لہ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ حال۔ مُسَافِحِينَ سَافَحَ يُسَافِحُ (باب مفاعله) سے جری حالت میں جمع اسم فاعل۔ جملے کا معنی ہے اور ان کے علاوہ یعنی محرمات کے سوا تمہارے لیے وہ عورتیں حلال کی گئیں جن کو تم اپنے مالوں کے بدلے وقتی شہوت رانی کی بجائے ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔

○ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ میں مَا شَرْطِيہ یا موصول۔ اسْتَمْتَعْتُمْ فَعْل ماضی جمع مذکر حاضر بہ کی ضمیر مہر کی صورت میں مقرر ہونے والے مال کی طرف راجع۔ فَآتُوهُنَّ کی فاء جواب شرط اتوا فاعل امر حاضر هُنَّ (ضمیر منصوب متصل) مفعول۔ أُجُورَهُنَّ مفعول ثانی۔ فَرِيضَةً حال۔ جملے کا معنی ہے پس جب تم ان سے فائدہ لے لو تو انہیں مقرر کردہ مہر دے دو۔

○ ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاۤءَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ میں لَا نَفْي جُنَاحِ اس کا اسم۔ فِيمَا میں فی حرف جر اور مَا موصول۔ تَرَاۤءَيْتُمْ (باب تفاعل سے) فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس میں جو بھی طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

○ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل لفظ اللّٰہ اس کا اسم اور كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (جملہ اسمیہ) اس کی خبر جملے کا معنی ہے بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

○ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ میں مَنْ شَرْطِيہ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعْل مجہول۔ طَوْلًا مفعول۔ يَنْكِحَ فعل مضارع اَنْ کی وجہ سے منصوب الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ مرکب توصفی مفعول جملے کا معنی ہے اور تم میں سے جو آزاد پاک مومنہ عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ رکھے۔

○ ﴿فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ فَمِنْ کی فاء جواب شرط۔ مِنْ حرف جر۔ مَا

موصول۔ فَتَيِّتِ فُتَاةَ کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: تو تمہاری ایمان والی لونڈیوں میں سے کسی سے شادی کر لے تمہارے دائیں ہاتھ جن کے مالک ہوئے ہوں۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ﴾ میں الفظ اللہ مبتدا اور اَعْلَمُ (فعل تفضیل) اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے۔ اور اللہ تمہارے ایمانوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔

﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَاَنكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ﴾ میں بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ مبتدا و خبر جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ فَاَنكِحُوا فعل امر۔ هُنَّ مفعول جملے کا معنی ہے۔ بعض تمہارا بعض سے ہے یعنی تم ایک ہی دین پر ہو۔ پس ان کے مالکوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرلو۔

﴿وَاتَّوْهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ میں اتَّوْهُنَّ فعل امر حاضر هُنَّ مفعول۔ اُجُورَهُنَّ (مربک اضافی) مفعول ثانی۔ بِالْمَعْرُوفِ سے مراد شریعت کے مطابق جملے کا معنی ہے۔ اور ان کے مہر ان کو شریعت کے مطابق ادا کرو۔

﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسْلِفَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ﴾ میں مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ کی جمع اور اَخْدَانٍ، خَدَن کی جمع۔ جملے کا معنی ہے۔ وہ عورتیں پاک دامن ہوں بدکاری کا ارتکاب کرنے والی اور خفیہ طور پر برائی کا تعلق قائم کرنے والی نہ ہوں۔

﴿فَاِذَا اُحْصِنَ فَاِنَّ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلٰى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ میں فَاِذَا اور فَاِنَّ شرط۔ اُحْصِنَ فعل ماضی مجہول اور اَتَيْنَ ماضی معروف۔ بِفَاحِشَةٍ سے مراد زنا۔ فَعَلَيْهِنَّ جواب شرط۔ الْعَذَابِ سے مراد سزا۔ جملے کا معنی ہے: جب ان لونڈیوں کی شادی کر دی جائے اور پھر وہ بے حیائی کا کام (یعنی زنا) کریں تو جو سزا آزاد عورتوں میں اس سلسلے میں ہوتی ہے، ان پر اس سے آدھی ہوگی۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ﴾ میں ذٰلِكَ اسم اشارہ۔ لِمَنْ کا لام حرف جر اور مَنْ موصول۔ خَشِيَ فعل ماضی۔ الْعَنَتَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے۔ (لونڈیوں سے نکاح کی یہ اجازت) اس کے لیے ہوگی جس کو تم میں سے زنا کے گناہ کا خطرہ ہوگا۔

﴿وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ میں تَصْبِرُوْا وَاَنْ اعرابی اَنْ مصدر یہ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے۔ اور صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۱

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (حلال و حرام) کو واضح کر دے اور تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ پر تمہیں چلائے اور تم پر متوجہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور جو لوگ شہوات کی اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے کہ تم (اس کی راہ سے) بہت دور ہٹ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تم پر تخفیف کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے مال اپنے درمیان باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ تمہاری باہمی رضا مندی سے ہونے والی تجارت سے حاصل ہونے والا ہو اور آپس میں قتل (بھی) نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔

اور جو کوئی یہ کام ظلم و زیادتی سے کرے گا عنقریب اس کو ہم آگ میں داخل کریں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہاری برائیاں دور کر دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل کر دیں گے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيَهْدِي الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهْوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوْنَا وَ فُتُوْنَا نَصْلِيْهِ نَارًا ۚ وَ كَذٰلِكَ يَكْتُبُ ٱللَّهُ لِكُلِّ شَعْوَابٍ ۚ
عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

تشریح:

اسلام کی جو قانونی، اصولی اور اخلاقی باتیں دوسرے مذاہب سے اس کو میسر اور ممتاز کرتی ہیں، ان کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ وضاحت کر دی کہ اس نے ایسا اس لیے کیا ہے کہ تمہیں حلال و حرام کے بارے میں اچھی طرح آگاہی ہو جائے۔ لہذا حرام سے بچتے ہوئے حلال کو اپناؤ اور اپنی دنیا اور آخرت کو سنوار لو۔ نیکو کاروں کے لیے اس نے جو جنت تیار کر رکھی ہے اس کے مالک بن جاؤ۔ فاسقوں و فاجروں کے لیے تیار کردہ جہنم کا اندھن بننے سے بچ جاؤ۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام اور صلحاء تھے انہوں نے اپنے رب کی اطاعت کا حق کس طرح ادا کیا، جس پر ان کا رب ان سے راضی ہو گیا۔ جنہوں نے سرکشی اور اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کیا، اس کا انجام کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بھی بتا دیا کہ گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کو جب اپنی بے راہ روی کا احساس ہوتا ہے اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے وہ اپنے رب کے سامنے جھک جاتے ہیں تو ان کا رب نہ صرف ان کے گناہ معاف کرتا ہے بلکہ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ سورة الفرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۷۱﴾

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس وہی لوگ ہیں جن کے گناہ اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔

چونکہ انسان کے لیے گناہوں سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے گناہوں کے ہونے کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہمیشہ توبہ کرتے رہنے کی رغبت دلائی ہے اور توبہ کی قبولیت کی یقین دہانی کرائی ہے۔

سورة طہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۝۷۲﴾

اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے پھر ہدایت کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

صحیح مسلم ”باب استحباب الاستغفار والاستكثار“ (ص ۳۳۶) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تَوُوبُوا إِلَى اللَّهِ وَإِنِّي أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ»

اے لوگو! اللہ سے توبہ کیا کرو، بے شک میں اللہ تعالیٰ سے دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے تکراراً یہاں واضح فرمایا کہ وہ اہل ایمان کی طرف سے متوجہ رہتا ہے کہ اس کی اطاعت کا حق کس طرح ادا کرتے ہیں۔ اگر ان سے کہیں لغزش ہو جاتی ہے اور وہ فوراً اپنے رب سے توبہ کرتے ہیں تو وہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ جب کہ دنیوی شہوات و خواہشات میں غرق ہونے والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ جو لوگ اپنے رب کی بندگی و عبادت میں لگے رہتے ہیں اور اس کی رضا کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں ان کو ورغلائیں اور ان کے رب سے ان کو دور کر کے شیطان کے جال میں پھنسا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمادیا کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ لہذا اگر اس کی کمزوری کی وجہ سے اس سے غلطی ہوتی ہے تو وہ نہ صرف معاف کرنے والا ہے بلکہ اس نے کمزوروں کو غلطیوں اور گناہوں سے بچانے کے لیے دین میں بہت سی آسانیاں بھی رکھی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ»

بے شک دین آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ باطل طریقہ سے کسی بھائی کا مال نہیں کھانا۔ باہمی رضا مندی سے ہونے والی تجارت کے ذریعے نفع کے طور پر ملنے والا تو حلال ہے لیکن دھوکہ دہی قمار بازی اور اسی طرح کے دوسرے حربوں کے ذریعے کسی مسلمان کو کسی مسلمان بھائی کا مال ہتھیانا جائز نہیں۔

ٹیکسوں کے بارے میں اہم نکتہ:

یہاں بڑا ہی اہم نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ کیا کسی بھی اسلامی حکومت کو اجازت ہوگی کہ وہ مسلمانوں کی روزہ مرہ ضرورت کی چیزوں پر اپنی مرضی سے اتنا ٹیکس لگا دے جو ان کے لیے ناقابل برداشت ہو اور اسلامی قوانین سے ہٹ کر غیر مسلموں کے عائد کردہ نظام کے تحت ظلم ٹیکس وصول کرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ باطل طریقے سے بھائی کا مال کھا کر اس کو محتاجی کی دلدل میں دھکیل دینا بھی اس کو قتل کرنے کے مترادف ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تکلیف کا باعث ہوتا ہے آج کل کسی ملک کو تباہ کرنے کا موثر ترین طریقہ اس کی معیشت کو تباہ کر دینا ہے۔

ہمارے ہاں عموماً ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کی تفسیر میں باہمی خون خرابے سے ممانعت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

لیکن اس آیت مبارکہ کو باطل طریقے سے مال کھانے والی آیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن نے چودہ سو سال پہلے جو بات کہہ دی تھی آج اسی کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ سودی نظام اسلامی تجارت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس مہلک حربے نے حلال اور حرام کی عموماً تمیز ختم کر دی ہے۔ بلکہ بنکوں نے عوام الناس کو بھی مختلف سیکسوں کے ذریعہ اس لائن پر لگا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ہی خوب فرمایا کہ اللہ تو تم پر متوجہ ہونے یا رہنے کا ادارہ رکھتا ہے جب کہ شہوات کی اتباع کرنے والے تمہیں اس سے بہت ہی دور کرنا چاہتے۔ مال کی دوڑ ہماری ایمانی قوت کو کمزور کرنے میں زبردست کردار ادا کر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اگرچہ بہت ہی مہربان ہے۔ لیکن اس کے قانون کی جو خلاف ورزی کرتا ہے اور اسی پر اس کی موت واقع ہوتی ہے تو اس کا ٹھکانا جہنم بن جاتا ہے۔ اس نے اعلان کر دیا کہ جو بھی ظلم و زیادتی کے ساتھ اس کے منع کردہ کام کرے گا تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ کام اس کے لیے مشکل نہیں۔

اس کے برعکس جو کبیرہ گناہوں سے محفوظ رہیں گے جن کا ذکر اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو بشارت دی گئی کہ نہ صرف ان کے گناہ معاف کیے جائیں گے بلکہ ان کو عزت والی جگہ یعنی جنت میں اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا۔

صحیح بخاری کتاب الادب کے ”باب عقوق الوالدین من الکبائر“ (ص ۸۸۴) میں عبد الرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُتَبِّحُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَائِرِ»

کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟

تو ہم نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

«الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَكِنًا فَجَلَسَ فَقَالَ : قَوْلُ الزُّورِ مَرَّتَيْنِ ، فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ : لَا يَسْكُتُ۔»

اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور دو مرتبہ فرمایا۔ ﴿قَوْلُ الزُّورِ﴾ آپ اس کو فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے کہا۔ آپ خاموش نہیں ہوں گے۔

﴿قَوْلُ الزُّورِ﴾ سے مراد ہر وہ کام ہے جو شریعت میں ممنوع ہو اور اس سے مراد جھوٹی گواہی بھی ہوتی

ہے۔ یعنی وہ بات کہنی جو حق نہ ہو۔ سورة الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمن کی صفات میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے:

«قیل هو الشرك وعبادة الاصنام وقيل الكذب والفسق والكفر واللغو والباطل»
کہا گیا کہ اس سے مراد شرک اور بتوں کی عبادت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جھوٹ، فسق و کفر اور لغو و باطل ہے۔

محمد بن حنفیہ کے مطابق اس سے مراد لغو اور غناء ہے۔ ابن سیرین، الضحاک اور ربیع بن انس وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مشرکوں کی عیدیں ہیں۔ عمرو بن قیس کا کہنا ہے کہ اس سے مراد فحش گالی اور بری مجالس ہیں۔ امام الزہری کے مطابق اس سے مراد شراب کا پینا، شراب خانوں میں حاضر ہونا اور ان میں رغبت رکھنا ہے۔ یوں اکبر الکبار میں تمام مذکورہ باتیں اور کام آجاتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔

عرض کیا گیا۔ وہ کون سے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔

اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اسے قتل کرنا، جس کا شرعی طور پر قتل کرنا جائز نہ ہو، جادو کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، کفار کے مقابلے میں میدان جنگ سے بھاگ جانا اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

اس سلسلے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اور بھی کئی روایات نقل کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رکھے اور جنت میں ہمیں داخل فرمائے۔

حل لغات:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبينَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ میں يُرِيدُ لِيُبينَ يَهْدِي اور يَتُوبُ فعل مضارع سے واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ يُرِيدُ پر کسی عامل کا عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے اس کے آخر میں عربی قاعدہ کے مطابق پیش آئی ہے لیکن باقی تینوں پر لِيُبينَ کے لام کئی، کا عمل ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کے آخر میں پیش کی بجائے زبر آگئی ہے۔ لفظ اللَّهُ فاعل ہے۔ کُم ضمیریں خطاب کی ہیں۔ سُنَنَ (سُنَّة کی جمع) مفعول۔ الذین موصولہ۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کر دے اور تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ پر تمہیں چلائے اور تم پر متوبہ ہو جائے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ میں لفظ اللہ مبتدا اور عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اس کی خبریں، جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّتُوْبَ عَلَيْكُمُ﴾ میں اَنْ ناصبہ کی وجہ سے يُّتُوْبُ فعل مضارع کے آخر میں زبر آئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو۔ یہاں اظہار رحمت کے لیے تکرار ہوا ہے۔

﴿وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا اَمِيْلًا عَظِيْمًا﴾ میں يَتَّبِعُوْنَ فعل مضارع۔ الشَّهَوٰتِ مفعول۔ تَمِيْلُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر کی نون ان ناصبہ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ مِيْلًا عَظِيْمًا مفعول مطلق (برائے تاکید و بیان کیفیت)۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ جو شہوات کی اتباع کرتے ہیں ان کا ارادہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت و توجہ (یا اس کی راہ سے) بہت زیادہ دور ہو جاؤ۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمُ وُخُلُقٍ اِلَّا نُّسَانَ ضَعِيْفًا﴾ يُخَفِّفُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اَنْ ناصبہ کی وجہ سے منصوب۔ خُلُقٍ فعل ماضی مجہول۔ اِلَّا نُّسَانُ نائب فاعل اور ضَعِيْفًا اس کا حال۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمُ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ میں يٰاَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا منادئ۔ لَا تَاْكُلُوْا فعل نہی۔ اَمْوَالَكُمُ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

﴿اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ میں اِلَّا حرف استثناء۔ تَكُوْنُوْا فعل مضارع اَنْ کی وجہ سے منصوب۔ تِجَارَةً تَكُوْنُوْا کی خبر۔ عَنْ حرف جارہ، تَرَاضٍ باب تفاعل سے اسم مصدر (مجرور)۔ جملے کا معنی ہے: مگر یہ کہ وہ باہمی رضا مندی سے ہونے والی تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والا مال ہو۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ میں لَا تَقْتُلُوْا فعل نہی۔ اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ كَانَ فعل ناقص۔ بِكُمْ جار مجرور۔ رَحِيْمًا كَانَ کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُذُوْا وَاَنْظَلْمَا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَفْعَلُ فعل مضارع اسی کی وجہ سے مجزوم ہے۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ (مفعول)۔ عُذُوْا وَاَنْظَلْمَا (مصدر) مفعول لہ۔ فَسَوْفَ کی فاء

جواب شرط۔ نُضْلِيهِ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع۔ نُضْلِي فعل مضارع۔ سَوْفَ جب فعل مضارع پر آئے تو معنی کو مستقبل میں کر دیتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جو شخص یہ کام سرکشی اور ظلم کے طور پر کرے گا ہم اس کو عنقریب آگ میں ڈال دیں گے۔

﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ كَانَ فعل ناقص ذَلِكَ اسم اشارہ۔ يَسِيرًا تَكَان کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور یہ اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا﴾ میں ان شرطیہ تَجْتَنِبُوا فعل مضارع کی نون اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ كَبَائِرُ مفعول۔ مَا موصولہ۔ تُنْهَوْنَ فعل مضارع مجہول۔ نُكَفِّرْ فعل مضارع جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم۔ سَيِّئَاتِكُمْ مفعول۔ نُدْخِلْكُمْ کا عطف نُكَفِّرْ پر۔ مُدْخَلًا كَرِيمًا مرکب توصیفی مفعول میں مُدْخَلًا ظرف مکان جملے کا معنی ہے: اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہاری برائیوں کو دور کریں گے اور تم کو عزت والی جگہ میں داخل کریں گے۔

۱۲

اور اس کی تمنا نہ کرو جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ مردوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اور ہر ایک کے لیے ہم نے وارث بنائے اس کے جو والدین اور قریبی چھوڑ جائیں اور جن لوگوں سے تمہارے دائیں ہاتھوں نے گرہ لگائی (یعنی تم نے وعدہ کیا) پس ان کو ان کا حصہ دے دو۔ بے شک اللہ

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۖ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾

تعالیٰ ہر شے پر حاضر ہے۔

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس کے سبب جو انہوں نے اپنے مال خرچ کیے۔ پس نیک عورتیں وہ ہیں جو (شوہروں کی) فرماں بردار اور (خاندنوں کی) غیر موجودگی میں حفاظت الہیہ کے ذریعے حفاظت کرنے والی ہوں اور جن کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو ان کو (پیار محبت سے) سمجھاؤ اور خواب گاہوں میں انہیں الگ کر دو۔ (پھر بھی نہ سمجھیں تو) ان کو ہلکی مار مارو اور اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر زیادتی کرنے کا موقع تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند، کبریائی والا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا
فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا
أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۖ فَالَّذِينَ
قَتَلَتْ حَفِظَتْ لِنَفْسِهِنَّ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۖ
وَالَّذِينَ تَخَافُونَ نُشَوِّزُهُنَّ فَعِظُوهُنَّ
وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا
تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾

تشریح:

جامع الترمذی، ابواب التفسیر (۱۳۸/۲) میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں اور میراث میں ہمارا حصہ آدھا مقرر ہوا ہے؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو بھی جہاد میں حصہ لینے کا موقع ملتا تاکہ میراث میں مردوں کے برابر عورتوں کا حصہ ہو جاتا۔ ان کے اس سوال اور مردوں کے حصے کے برابر حصہ پانے کی تمنا پر اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تَتَمَنَّوْا﴾ والی آیت مبارک نال فرمائی جس میں بنیادی اصول قائم کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نواز دیتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی فضیلت کے بارے میں ہر قسم کی غلط سوچ یا دوسو سے بچنا چاہیے اور اس پر ایمان ہونا چاہئے کہ مردوں اور عورتوں کو قیامت کے روز ان کے اعمال کے مطابق جزایا سزا ملے گی۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴿٢٨٦﴾﴾

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا۔ اس کے لیے اس نیکی کی جزا ہوگی کہ جو

اس نے کی اور اس پر اس برائی کا وبال ہوگا کہ جس کا وہ مرتکب ہوا۔

سورة فصلت (آیت ۸۶) اور سورة الجاثیہ (آیت ۱۵) میں اللہ کا قانون بیان ہوتا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾

جس نے نیک عمل کیا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جس نے برائی کو اپنایا اس کا بوجھ بھی اسی پر ہوگا۔
اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا:

﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (46)

اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو وہ راہ دکھائی جس میں ناکامی اور شرمساری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ اس پر گامزن ہونے والا کامیاب اور کامران ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی نبی اور رسول علیہم السلام آئے وہ اسی راہ کے راہی رہے اور اسی پر چلنے کی اپنی اپنی قوم کو تلقین کرتے رہے۔ اس راہ پر چلتے ہوئے انسان اپنے رب حقیقی تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں۔

جامع الترمذی، ابواب الدعوات (۲۱۹/۲) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سَلُّوْا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ، وَإِنْ مِنْ أَفْضَلِ الْعِبَادَةِ انْتِظَارَ الْفَرَجِ»

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرتے رہو، بے شک وہ پسند کرتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور بہترین عبادت یہ ہے کہ تنگی کے دور ہونے کا انتظار کیا جائے۔

مسند احمد (۳۳۲/۲) اور الترمذی (۱۹۰/۲) کی دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُ مَنْ لَّمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ»

بلاشبہ جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا وہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

مسند احمد کے الفاظ ہیں: «لَا يَسْأَلُهُ»

یہ اسی راہ کی وضاحت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دکھائی یعنی «وَأَسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ» اور اللہ کے فضل کا سوال صرف اللہ سے کرو۔ کیوں کہ وہی رب العالمین ہے اور اپنی تمام مخلوق کو رزق دینے اور پہنچانے والا ہے۔ سورة ہود میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾

جو بھی زمین میں چلنے والی اس کی مخلوق ہے، اللہ ہی پر اس کے رزق کی ذمہ داری ہے۔
سورة الملک کے آغاز میں اس نے خود ہی فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں حقیقی بادشاہت ہے اور وہی ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جو امت محمدیہ سے آج اوجھل ہو گیا ہے یا امت جان بوجھ کر گمراہی کا شکار ہو رہی ہے۔ نہ مانگنے والے پر جو غضبناک ہوتا ہے اس کے غضب کو دعوت دے رہی ہے۔ قرآن حکیم میں ان قوموں کی تباہی اور بربادی کا ذکر بڑی تفصیل سے ہوا ہے جنہوں نے اپنے حقیقی خالق و مالک سے منہ موڑا، سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کیا اور نبیوں کی تعلیم کو ٹھکرایا۔ آج ویسا ہی رویہ امت محمدیہ کی اکثریت نے اپنایا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے کوئی معاملہ پوشیدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہر چیز جاننے والا ہے۔

صحیح بخاری (کتاب التفسیر) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو انصار کے رشتہ داروں کی بجائے وہ ان کی میراث کے وارث اس اخوت کی بنا پر بن گئے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان قائم فرمائی تھی۔ جب ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي﴾ والی آیت نازل ہوئی تو دینی اخوت والی میراث کو حقیقی رشتہ داروں کی طرف لوٹا دیا گیا۔

زمانہ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ کوئی شخص قسم کھا کر جس کو چاہتا اپنا وارث بنا دیتا۔ اس کو بھی ختم کر کے اس کی جگہ ان کی نصرت و معاونت اور نصیحت کا امت کو پابند بنا دیا گیا۔ امت محمدیہ کو قانون الہی کے مطابق عمل کرنے کے حکم کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر حاضر ہے۔ یعنی ظاہر و پوشیدہ سے آگاہ رہنے والا ہے۔

عورتوں پر مردوں کی فضیلت سے چوں کہ بات شروع ہوئی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: یہ اس لیے ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اسی آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے تمام متقدمین مفسرین کا اتفاق ہے کہ عورت مسلمانوں کی حکمران نہیں بن سکتی۔ مردوں کی اسی فضیلت کی بنا پر نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی ہمیشہ مردوں میں رہا ہے۔

اس مضمون پر میری کتاب عورت کی سربراہی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، دیکھی جاسکتی ہے جو کہ ۱۴۱

کتابوں کے حوالوں سے لکھی گئی۔ (۴۴۶) صفحات پر مشتمل ہے۔

مسلمان جب عورت سے نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مہر ادا کرتا ہے اور اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے مرد کی فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ جو یہاں بیان فرمائی ہے وہ مرد کا عورت پر مال خرچ کرنا ہے۔ یہاں نیک صالحہ عورتوں کی جن دو صفتوں کا ذکر ہوا ہے وہ خاوندوں کی اطاعت و تابعداری کرنا اور خاوندوں کی غیر موجودگی میں ان کی عزت و غیرت اور مال و اولاد کی حفاظت کرنا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بہترین بیویاں وہ ہیں کہ جب تو ان کی طرف دیکھے تو تجھے خوش کر دیں۔ جب تو ان کو کوئی حکم دے تو تیری اطاعت کریں اور جب تو ان سے کہیں دور سفر پر چلا جائے تو اپنے نفس اور تیرے مال کی حفاظت کریں۔“

صحیح ابن حبان (۱۸۳/۸) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت روزانہ پانچ نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے اور خاوند کی اطاعت کرے، قیامت کے روز اس سے کہا جائے گا جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

امام قرطبی نے یہی روایت ابوداؤد والطیالسی سے نقل کی ہے جب کہ المستدرک للحاکم اور سنن النسائی میں مختلف الفاظ سے ”باب ای نساء خیر“ کے تحت منقول ہے۔

نیک صالحہ عورتوں کا ذکر کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کا بھی ذکر فرمایا جو بیویاں ہونے کے باوجود خود سری کا شکار ہوتی ہیں۔ اللہ نے ان کی تہذیب و اصلاح کا طریقہ خود ہی ارشاد فرما دیا کہ پہلے ان کو پیار محبت سے سمجھانے کی کوشش کرو۔ جب اس میں کامیابی حاصل نہ ہو تو انہیں ان کی خواب گاہوں میں الگ کر دو تاکہ تمہاری ناراضی کا اظہار تمہارے عمل سے ظاہر ہو جائے۔ اس کے باوجود اگر وہ اپنی خود سری پر ڈٹی رہیں تو ان کو ہلکی پھلکی جسمانی سزا دی جائے۔ سزا ایسی نہیں ہونی چاہئے جیسی مجرموں کو دی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں بیوی سے کسی بات پر ناراض ہوتے ہی اس کو مارنے پینے کی اجازت نہیں۔ بلکہ پیار محبت اور حکمت سے معاملے کو سمیٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اگر وہ بیویاں ہونے کا حق ادا کریں تو پھر ان پر زیادتی کرنے کا بہانہ تلاش نہ کیا جائے۔ جو کچھ مغربی دنیا میں عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس کا ہماری عورتوں کو علم نہیں۔ بیویوں کی

بہت بڑی تعداد اپنے خاوندوں سے مار کھاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (باب تفعل) مَا موصولہ۔ فَضَّلَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ بَعْضُكُمْ مفعول۔ علی بَعْضِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور تم اس کی تمنا نہ کرو جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت سے نوازا۔
- ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ میں نَصِيب سے مراد اعمال کا بدلہ یا میراث میں حصہ ہے۔ اِكْتَسَبُوا اور اِكْتَسَبْنَ دونوں فعل ماضی۔ پہلا جمع مذکر غائب کا اور دوسرا جمع مونث غائب کا صیغہ ہے جملے کا معنی ہے: مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا۔
- ﴿وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ میں اسْأَلُوا فعل امر حاضر۔ لفظ اللہ اس کا مفعول۔ مِنْ حرف جر اور فَضْلِهِ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرتے رہو۔
- ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور كَانَ اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے۔
- ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ میں لام (ل) حرف جر مطلق مجرور اس کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ وہ انسان یا مال یا قوم یا کوئی ترکہ ہو سکتا ہے۔ جَعَلْنَا فعل ماضی سے جمع متکلم۔ مَوَالِيَ (مَوَالِی کی جمع) اس کا مفعول مِمَّا میں مِنْ حرف جر اور مَا موصولہ۔ تَرَكَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اس کا فاعل جملے کا معنی ہے: ہر انسان کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیئے اس کے لیے جو والدین اور قریبی چھوڑ جائیں۔
- ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَاتُوهُمْ نَصِيَّهُمْ﴾ کا عطف اپنے ماقبل جملے پر اَلَّذِينَ اسم موصول۔ عَقَدَتْ فعل ماضی واحد مونث غائب۔ أَيْمَانُكُمْ اس کا فاعل۔ یہ جملہ شرط کی صورت میں ہے جب کہ اگلا حصہ اس کا جواب ہے۔ فَاتُوهُمْ کی فاء جزائیہ اتُّوا فعل امر حاضر۔ هُمْ ضمیر منصوب متصل (مفعول) جملے کا معنی ہے: اور جن لوگوں سے تمہارے دائیں ہاتھوں نے گرہ لگائی ہے (یعنی ان سے تم نے عہد کیا) پس ان کو ان کا حصہ ادا کرو۔
- ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ إِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ كَانَ۔ الخ اس

کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ (یعنی حاضر) ہے۔

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ میں الرِّجَالُ (الرَّجُلُ کی جمع) مبتدا۔ قَوَّامُونَ (قَوَّام کی جمع) مبالغے کا صیغہ، خبر۔ عَلَى النِّسَاءِ جار مجرور۔ بِمَا کی باء سبب کی۔ مَا موصولہ۔ فَضَّلَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

﴿وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ کا عطف اپنے ما قبل جملے پر۔ واو عاطفہ۔ باء سببیہ۔ مَا موصولہ۔ أَنْفَقُوا فعل ماضی سے جمع مذکر غائب۔ مِنْ جار۔ أَمْوَالِهِمْ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور اس کے سبب جو انہیں نے اپنے مالوں میں سے خرچ کیا۔

﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾ الصَّالِحَاتُ الصَّالِحَةُ کی جمع۔ قَانِتَاتٌ قَانِتَةٌ کی جمع اور حَافِظَاتٌ حافظہ کی جمع۔ لِّلْغَيْبِ جار مجرور۔ حَفِظَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: نیک عورتیں وہ ہیں جو فرماں بردار اور (خاوندوں کی) غیر موجودگی میں حفاظت الہیہ کے ذریعے حفاظت کرنے والی ہوں۔

﴿وَالَّذِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ﴾ میں الَّذِي (الَّتِي کی جمع) اسم موصول۔ تَخَافُونَ فعل مضارع۔ نُشُوزُهُنَّ مفعول۔ جملہ (شرطیہ) کا معنی ہے: اور جن کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو۔

﴿فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْبِرْهُنَّ﴾ میں عِظُوا، اُهْجُرُوا اور اِصْبِرْ بُوْا فعل امر حاضر کے صیغے ہیں۔ عِظُوا پر فاء جزائیہ۔ ضمیریں هُنَّ الَّذِي کی طرف راجع۔ الْمَضَاجِعِ حرف جر فی کی وجہ سے مجرور (الْمَضْجَع کی جمع) جملے کا معنی ہے: تو ان کو (پیار محبت سے) سمجھاؤ اور ان کو خواب گاہوں میں الگ کر دو اور (نہ سمجھنے پر) ان کو ہلکی مار مارو۔

﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ میں اِنْ شرطیہ اَطَعْنَ فعل ماضی سے جمع مونث غائب کُمْ (مخاطب کی ضمیر) مفعول۔ فَلَا تَبْغُوا فعل نہی پر فاء جواب شرط۔ عَلَيْهِنَّ علی حرف جر هُنَّ ضمیر مجرور متصل۔ سَبِيلًا مفعول جملے کا معنی ہے: اور اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر زیادتی کرنے کا موقع تلاش نہ کرو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا﴾ جملہ خبریہ کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند بڑائی والا ہے۔

۱۳

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا خطرہ ہو تو ایک منصف میاں کے اہل کی طرف سے اور ایک منصف بیوی کے اہل کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر دونوں صلح کروانے کا ارادہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ دونوں (میاں بیوی) کو (بھی اپنی اصلاح کی) توفیق عطا فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا باخبر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہو اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرو۔ والدین اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور سفر و زندگی کے ساتھی اور مسافر اور تمہارے دائیں ہاتھ جن کے مالک ہوں، ان سے احسان کرو۔ بے شک اللہ تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ؕ إِنَّ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُّوفِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٣٥﴾

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿٣٦﴾

تشریح:

بیویوں کی نافرمانی کی اصلاح کا طریقہ و سلیقہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان ہونے والی ناچاقی کو احسن انداز میں سلجھانے کی راہ بھی دکھا دی۔ ناچاقی کے لیے لفظ شقاق استعمال ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب میاں بیوی کا معاملہ جدائی کے قریب پہنچا ہوا ہو اور تعلقات بہت ہی خراب ہو چکے ہوں تو معاملے کو سلجھانے کے لیے میاں بیوی دونوں کی طرف سے دو منصف نیک صالح انسان دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کریں۔ صلح کرانے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں منصف خدا خونی کے تحت صلح کا ارادہ رکھتے ہوں جب منصف نیک نیتی کے ساتھ اصلاح کے لیے کوشاں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی میاں بیوی دونوں کا میلان خوش اسلوبی سے از دو اجبی زندگی گزارنے کی طرف کردے گا۔ میاں بیوی دونوں میں سے کسی کی طرف داری کیے بغیر

جس کی غلطی ہو اس کو سمجھایا جائے اور دونوں پر واضح کیا جائے کہ طلاق یا خلع اگرچہ مباح ہے لیکن اس سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے۔ لہذا شیطان کو خوش کرنے کی بجائے رب حقیقی کی خوشنودی حاصل کی جائے اور ایک دوسرے کی خطا کو نظر انداز کرتے ہوئے پیار و محبت سے اللہ کے نام پر کیے گئے نکاح کو نبھایا جائے۔ منصفوں کے ساتھ میاں بیوی اور جھگڑے کا سبب بننے والوں کو بتادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر انسان کی نیت اور اسکے عمل کو محیط ہے اور کوئی معاملہ ایسا نہیں جس کی اسے خبر نہ ہو۔ اس لیے ہر انسان کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ ایک دن اس نے اسی کے سامنے پیش ہو کر اپنا حساب دینا ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک سے بچنے اور صرف اسی کی عبادت کرتے رہنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار شرک سے بچنے اور صرف اسی کی عبادت کرنے کا حکم قرآن حکیم میں اس لیے دیا ہے کہ اس کی اکثر مخلوق اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے غیر اللہ کی طرف سے متوجہ رہتے ہوئے شرک کی بیماری میں مبتلا رہتی ہے۔ یہ نئی بات نہیں یہ سلسلہ نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہوا تھا اور آج بھی کثرت سے جاری ہے۔ شیطان نے شرک کو عام انسانوں کی نظر میں ایسے مزین کر رکھا ہے کہ ان کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ سورۃ الکھف کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝۱۱۰﴾

جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

صحیح مسلم، باب تحریم الریاء (۳۰۱/۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: میں مشرکوں کے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ غیر کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے شرک کو ترک کر دیتا ہوں۔ (باب تحریم الریاء ۳۰۱/۲)

اس کی مزید وضاحت ان روایات سے ہوتی ہے جو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے کتاب الزہد کے باب الریاء والسمعة میں نقل کی ہیں۔ ابو فضالہ الانصاری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں، اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو جب جمع کرے گا تو ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: جس نے اللہ کے لیے عمل کرتے ہوئے کسی اور کو شریک کر لیا وہ اس کا ثواب بھی غیر اللہ یعنی اسی سے طلب کرے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے بے نیاز ہے۔

نہ ان کو جھڑکنا ہے۔ بلکہ ان دونوں سے پیار محبت سے گفتگو کرنی ہے اور ان کے لیے رحمت کے پہلو کو پوری طرح جھکا دینا ہے اور ان کے لیے دعا کرنی ہے۔ اے میرے رب! ان پر اسی طرح رحم کر جس طرح انہوں نے مجھ پر رحم کرتے ہوئے میری پرورش کی۔

والدین کے بعد ان کا ذکر ہوا ہے جن کے ساتھ والدین کے ذریعہ رشتہ داری قائم ہوتی ہے ان میں سے کوئی یتیم ہو جائے یا رزق کا سلسلہ اس پر تنگ ہو جائے۔ کمائی اتنی نہ ہو جس میں آسانی سے گزارا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو مال دے رکھا ہے تو اس پر فرض ہے کہ حاجت مند رشتہ داروں سے مالی معاونت کرے۔ اس مالی معاونت کا صدقہ کی صورت میں اجر ملنے کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی کا بھی ثواب حاصل ہوتا ہے۔

یتیم و مسکین قریبی ہو یا دور کا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مال دار کے مال میں اس کا حق رکھا ہے اور نیکی کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان کا حق ادا نہ کیا جائے۔ اسلامی آداب معاشرت کا یہ پہلو کتنا خوبصورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اہل ایمان کو حکم دیا کہ اپنے ہمسایوں کا خیال رکھو اگرچہ ان کے گھروں کے دروازے تمہارے گھر کے قریب ہوں یا دور۔ ہمسایہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ حسن سلوک کا ہر حال میں وہ حق دار ہوگا۔ صحیح بخاری (باب الوصایۃ بالجار) اور صحیح مسلم (۳۲۹/۲) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا زَالَ جَبْرِئِلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورَثُهُ»
جبریل امین مجھے ہمسائے کے بارے میں اس طرح وصیت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اس کو وارث بنا دیں گے۔

بخاری مسلم ہی کے الفاظ ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
اللہ کی قسم! ایمان والا نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم! ایمان والا نہیں ہوگا۔ عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! کون ایمان والا نہیں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَاقِعَهُ»

وہ جس کے شر سے اس کا ہمسایہ امن میں نہیں ہوگا۔

بخاری مسلم کی روایات میں یہ بھی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ رہائشی ہمسایوں کے ساتھ سفری ہمسایوں اور عام مسافروں کے حقوق کی نگہداشت کا حکم بھی اہل ایمان کو دیا

گیا ہے۔ لہذا جو شخص کسی مسلم کا سفر میں ساتھی ہوگا تو مسلم کا فرض ہے کہ جس طرح اپنے مال اور جان کی حفاظت کا خیال رکھتا ہے اسی طرح سفری ساتھی کے مال و جان کی بھی حفاظت کرے۔ عام مسافروں کی خدمت میں اچھا کردار ادا کر سکتا ہے تو ضرور کرے۔ اسی طرح غلاموں لونڈیوں کو بھی اپنی طرح انسان سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«هُمْ إِخْوَانُكُمْ، جَعَلَ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ» (القرطبی)

غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے زیر فرمان بنایا ہے۔

اس سے بڑھ کر حسن معاشرت کی کیا مثال ہو سکتی ہے۔ اس کے مطابق عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حل لغات:

﴿وَأَنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ میں واؤ عاطفہ اِنْ شرطیہ خِفْتُمْ (باب سَمِعَ سے) فعل ماضی۔ شِقَاقُ بَيْنِهِمَا مفعول۔ ابْعَثُوا فعل امر پر فاء جزائیہ۔ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا اپنے متعلقات سے مل کر مفعول جملے کا معنی ہے: اور اگر تمہیں ان کے درمیان یعنی میاں بیوی میں اِن بن کا خوف ہو تو ایک منصف میاں کے اہل کی طرف سے اور ایک منصف بیوی کے اہل کی طرف سے مقرر کرو۔

﴿إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُّوفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ میں بھی اِنْ شرطیہ۔ یُرِيدَا فعل مضارع تشبیہ مذکر غائب۔ کی نون اعرابی ان کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ إِصْلَاحًا مفعول۔ یُوفِّقِ فعل مضارع (باب تَفْعِيل) جواب شرط ہونے کی بنا پر مجزوم تھا لیکن لفظ اللہ سے ملانے کے لیے اس کے آخر میں کسرہ دیا گیا ہے لفظ اللہ اس کا فاعل۔ بَيْنَهُمَا کی ضمیر ہما میاں بیوی کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ اس کی توفیق عطا فرمائے گا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ میں اِنَّ مشبہ حرف بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔

﴿وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اُعْبُدُوا فعل امر حاضر۔ لفظ اللہ مفعول۔ واؤ عاطفہ لَا تُشْرِكُوا فعل نہیں۔ باء حرف جر۔ ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع شَيْئًا مفعول جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرو۔

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ﴾ میں واؤ عطفہ اور بِالْوَالِدَيْنِ سے پہلے فعل امر أَحْسِنُوا محذوف ہے۔ إِحْسَانًا اس کا مفعول۔ حرف جر اور اس کے تمام مجرورات مل کر محذوف فعل کے متعلق۔ جملے کا معنی ہے: اور اپنے والدین قریبی رشتہ داروں۔ یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ احسان کرو۔

﴿وَالْحَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْحَارِ الْجَنْبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کا عطف بھی اپنے ماقبل پر ہے۔ الْحَارِ کا مادہ (ج و ر) مَا مَلَكَتْ اور مَلَكَتْ فعل ماضی۔ أَيْمَانُكُمْ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور احسان کرو اس ہمسائے کے ساتھ جو تمہارا قریبی رشتہ دار ہو اور اس کے بعد جو نزدیک ترین ہو اور جو تمہارا سفری یا زندگی کا ساتھی ہو اور جو مسافر یا مہمان ہو اور جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوئے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ لَا نافیہ۔ يُحِبُّ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ مَنْ موصولہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ مُخْتَالًا فَخُورًا اس کی خبر..... لَا يُحِبُّ جملہ اپنے متعلقات سے مل کر إِنَّ کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا جو خود پسند اور فخر کرنے والا ہوتا ہے۔



وہ لوگ جو بخیلی کرتے ہیں اور لوگوں کو بخیلی کا مرتکب ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو دیا اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے کفار کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا شیطان ساتھی ہو جائے پس وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔

اور کیا تھا ان پر اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آتے اور جو اللہ نے ان کو دیا اس میں سے خرچ

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٣٧﴾

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٨﴾

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ

وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ
وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

يَوْمَئِذٍ يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا
الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ ۚ وَلَا

يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

تشریح:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے والدین قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، نزدیک اور دور کے ہمسایوں، زندگی اور سفر کے ساتھیوں، مسافروں، غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ احسان کرنے یعنی معاشرتی اور مالی حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دینے کے بعد یہ بھی واضح فرما دیا کہ مالی حقوق کی ادائیگی میں جو بخیلی کریں گے اور لوگوں کو بھی اسی کی تلقین کریں گے تو ان کا انجام ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر یہ پسند نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو جو اپنے فضل و کرم سے دیتا ہے اس کو چھپایا جائے تاکہ ضرورت مندوں پر ظاہر ہی نہ ہو کہ وہ مال دار ہیں۔ صحیح بخاری، کتاب الخمس (ص ۳۳۳) اور مسند احمد (۳/۳۰۸) میں ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے۔

«أَيُّ ذَاءٍ أَذَوُّ مِنَ الْبُخْلِ»

بخل سے بڑھ کر بری کوئی بیماری ہو سکتی ہے؟

بخل کی مذت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخل کے مرتکب ہونے والوں کی نسبت کفر کی طرف کردی اور ان کو ان کے برے انجام سے آگاہ کر دیا۔

بخیلی کی مرض میں مبتلا ہونے والوں کے برعکس ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ جو اپنے مال ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ نمود و نمائش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ لوگوں میں ان کا خوب چرچا ہو۔ اللہ اور آخرت پر ان کا ایمان نہیں ہوتا۔ قیامت کے روز اپنے کیے کا حساب دینے کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ ان کا انجام تو برا ہونا ہی ہے۔ لیکن ان کے ساتھ وہ بھی ہوں گے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے کے

باوجود اسراف و تبذیر اور دکھاوا کیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم، باب من قاتل للرباء (۱۳۰/۲) میں ریا کار شہید قرآن کے ریا کار قاری اور عالم کے ساتھ ریا کار سخی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا کیوں کہ ان کے اعمال اللہ کو راضی کرنے کی بجائے دنیا میں ناموری اور شہرت پانے کے لیے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کا کام بھی اگر دکھاوے کے لیے کیا جائے تو وہ نہ صرف ضائع ہوتا ہے بلکہ جہنم کا ایندھن بننے کا سبب بنتا ہے۔

شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔ لہذا اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح انسان کو راہ حق سے ہٹا کر تباہی کی راہ پر لگائے۔ نیک انسانوں کے لیے ان کے نیک اعمال کو اس طرح مزین کرتا ہے کہ جس سے نمود و نمائش کی سوچ پروان چڑھتی ہے۔ جو بالآخر اس نیک آدمی کی نیکی برباد کر دیتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو آگاہ فرمایا کہ شیطان جس کا ساتھی ہوگا تو بہت برا ساتھی ہوگا۔ ایک شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلُ وَ سَلْ عَنْ قَرِينِهِ
فَكُلُّ قَرِينٍ بِالْمُقَارِنِ يَفْتَدِي

انسان کے بارے میں نہ پوچھ۔ بلکہ اس کے ساتھی کا حال پوچھ کیونکہ ہر ساتھی اپنے ہی ساتھی کے پیچھے چلتا ہے۔

یہاں اس کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ جو بھی ساتھی انسان کو ریا کاری کی طرف راغب کرتا ہے تو وہ شیطان ہی ہے۔ ابلیس کو شیطان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے رب کے حکم کو سجدہ کرنے کے بجائے نافرمانی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی عزت کی قسم کھا کر آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو گمراہ کرنے کا اعلان کر دیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو برا ساتھی قرار دیا۔

بخیلی کے مرتکب ہونے والوں کے بارے میں اللہ نے اظہار ہمدردی کے طور پر فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق اس کی راہ میں خرچ کرتے جن کے حقوق ادا کرنے کے وہ ذمہ دار تھے کھلے دل سے ان کے حقوق ادا کرتے تو اس میں ان کا کوئی نقصان نہ ہوتا بلکہ فائدہ ہی ہوتا کیونکہ جو اللہ پر ایمان لے آئے اور یوم آخرت میں ہونے والے عدل و انصاف پر یقین رکھے تو اس کا معاملہ کبھی خراب نہیں ہوتا۔ اگر بحیثیت انسان کوئی لغزش ہوتی ہے تو توبہ کرنے پر رحیم و کریم سے معافی مل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ہر معاملے کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ نیتوں اور اعمال میں سے اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ جو نیکی کا کام اس کی رضا کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس کو قبول فرماتا ہے بلکہ اس کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور عمل کرنے والے کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

صحیح مسلم، جزاء المؤمن بحسناته فی الدینا (۳۷۳/۲) میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ مومن سے اس کی نیکی کے بارے میں اس پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا بدلہ اس کو دنیا میں دیتا ہے اور آخرت میں اس کو جزا دے گا۔ جب کہ کافر کے وہ اعمال جو کہ وہ اللہ کے لیے کرتا ہے۔ اس کا ثمرہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے اور آخرت کی طرف وہ اس حال میں جاتا ہے کہ اس کی کوئی نیکی نہیں ہوتی کہ جس کی جزا اس کو آخرت میں دی جاتی۔

سورة ہود میں اس کی یوں وضاحت ہوتی ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ لَا يُنْحَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ لَنْ يَسْأَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحِطَّ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾﴾

(ہود: ۱۵، ۱۶)

جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اس کے اعمال کا اسی میں پورا بدلہ دے دیتے ہیں اور ان کے دینی اجر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ وہی لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے آگ ہوگی اور جو انہوں نے کیا وہ ضائع ہوا اور وہ جو عمل کیا کرتے تھے وہ باطل تھے۔

اسی لیے کفار اور وہ لوگ کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی ہوگی۔ قیامت کے دن چاہیں گے کہ کاش ان پر زمین برابر کردی جاتی اور وہ زمین کا حصہ ہی بنے رہتے اور اپنے کیے کی سزا نہ پاتے۔ اس دن اگر کوئی شخص یہ چاہے گا کہ اس کی کوئی بات ظاہر نہ ہو جس طرح دنیا میں اس کی طاقت و قوت کی بنا پر اس کے عیوب پر پردہ پڑا رہتا تھا قیامت کے دن بھی پوشیدہ رہیں لیکن اس کی خواہش پوری نہ ہوگی۔

میدان حشر میں جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی تمام مخلوق حاضر ہوگی تو ہر امت کے ساتھ ان کی طرف مبعوث ہونے والا نبی (ﷺ) بھی ہوگا۔ امت جب وہاں بھی ہیرا پھیری کی کوشش کرے گی تو ان کی طرف بھیجا گیا نبی ان کی سرکشی پر گواہی دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے درحقیقت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا﴾ کے ساتھ اپنی مخلوق کو ڈرایا ہے یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس دن اس کا کوئی حیلہ کارگر ہوگا بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا۔

سورة یٰسین میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٢٥﴾﴾

آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں اس پر گواہی دیں گے کہ جو وہ کیا کرتے تھے۔

جب ہر انسان پر اس کے اپنے اعضاء گواہ ہوں گے تو اس کا مکرو فریب اس کے کام نہیں آئے گا۔
 صحیح بخاری کتاب التفسیر (ص ۶۵۹) میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ان سے قرآن سنانے کو فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا۔ نازل آپ ﷺ پر ہوا اور میں پڑھ کر سناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں۔ چنانچہ انہوں نے سورة النساء پڑھنا شرع کر دی۔ جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آیت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ پڑھی تو آپ ﷺ نے ان کو روک دیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔
 قرآن سن کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن آج مسلمانوں کے دل سخت ہو گئے کہ قرآن سننے پر طبیعت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿الَّذِينَ يَخْلُونُ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ میں الَّذِينَ موصولہ۔ يَخْلُونُ وَيَأْمُرُونَ دونوں فعل مضارع۔ النَّاسَ مفعول۔ بِالْبُخْلِ جار مجرور يَأْمُرُونَ کے متعلق۔ جملے کا معنی ہے: وہ لوگ جو بخیلی کرتے ہیں اور لوگوں کو بخیلی کا حکم دیتے ہیں۔
- ﴿وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ يَكْتُمُونَ فعل مضارع۔ مَا موصولہ۔ آتَاهُمُ فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر مفعول۔ لَفْظُ اللَّهِ فاعل۔ فَضْلِهِ کی ضمیرہ لَفْظُ اللَّهِ کی طرف راجع جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کو جو اپنے فضل سے دیا وہ چھپاتے ہیں۔
- ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا﴾ میں أَعْتَدْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ لِلْكَافِرِينَ جار مجرور۔ عَذَابًا مُهِينًا مرکب توصیفی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم نے کفار کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
- ﴿وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ﴾ میں يَنْفِقُونَ فعل مضارع۔ أَمْوَالَهُمْ مفعول۔ رِئَاءَ النَّاسِ مرکب اضافی حال۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ کہ جو اپنے مال لوگوں میں دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔
- ﴿وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ يُؤْمِنُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے۔ اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی یوم آخرت پر۔
- ﴿وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَكُنِ فعل ناقص میں واو حرف علت اسی کی وجہ سے گری ہوئی۔ الشَّيْطَانُ اس کا اسم اور قَرِينًا اس کی خبر۔ فَسَاءَ فعل ذم پر فاء جواب شرط اور اس کا فاعل الشَّيْطَانُ مخذوف۔ قَرِينًا اس کی تیز جملے کا معنی ہے۔ جس کا ساتھی شیطان ہوگا تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہوگا۔

﴿وَمَاذَا عَلَيَّهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ میں مَاذَا استفہامیہ۔ لَوْ حرف تمنّا۔ آمَنُوا فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: کیا ہوتا ان پر اگر وہ ایمان لے آتے اللہ اور یوم آخرت پر۔

﴿وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ﴾ میں أَنْفَقُوا اور رَزَقَ فعل ماضی۔ ہم ضمیر مفعول۔ لفظ اللَّهُ فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور اس میں سے خرچ کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو دیا۔

﴿وَتَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا﴾ میں تَكَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللَّهُ اس کا اسم اور بِهِمْ عَلِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خوب علم والا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ میں إِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللَّهُ اس کا اسم۔ لَا نافیہ۔ يَظْلِمُ فعل مضارع۔ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مفعول۔ جملہ فعلیہ اِن کی خبر۔ جملے کا معنی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ذرا سالیعی ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

﴿وَأَنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفُهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ میں أَنْ شرطیہ۔ تَكُ فعل ناقص۔ حَسَنَةً اس کی خبر۔ يُضَاعِفُ فعل مضارع مجزوم کی ضمیر ہا حَسَنَةً کی طرف راجع۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے يُضَاعِفُ کے آخر میں جزم آئی ہے اور يُؤْتِ کی بیاہ گری ہوئی ہے۔ أَجْرًا عَظِيمًا مرکب توصیفی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر وہ ایک نیکی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو کوئی گناہ بڑھا دے گا اور اپنے پاس سے عظیم اجر عطا فرمائے گا۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ میں كَيْفَ استفہامیہ پر فائے توجہ۔ إِذَا ظرف زمان۔ جِئْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ مِنْ حرف جر۔ كُلِّ أُمَّةٍ مجرور۔ بِشَهِيدٍ اور بِكَ کی بیاہ تعدیہ کی۔ عَلَى هَؤُلَاءِ جار مجرور۔ شَهِيدًا حال۔ جملے کا معنی ہے: پس اس وقت کیا حال ہوگا کہ جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ لائیں گے۔

﴿يَوْمَئِذٍ يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ﴾ میں يَوْمَئِذٍ اصل میں يَوْمَ اِذْ كَانَ كَذًا ہے۔ یعنی يَوْمَ۔ اِذْ کی طرف مضاف ہے۔ يُوَدُّ فعل مضارع موصولہ۔ كَفَرُوا وَعَصُوا فعل ماضی۔ واؤ پر پیش الرَّسُولَ سے ملانے کی لیے آئی۔ جو کہ عَصُوا کا مفعول ہے۔ لَوْ حرف تمنّا۔ تُسَوَّى فعل مضارع مجہول۔ الْأَرْضُ اس کا نائب فاعل۔ جملے کا معنی ہے: جس دن وہ لوگ کہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی۔ پسند کریں گے کاش کہ زمین ان پر برابر کر دی جائے۔

﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا﴾ میں لَا نافیہ۔ يَكْتُمُونَ فعل مضارع۔ لفظ اللَّهُ اس کا مفعول۔ حَدِيثًا مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

۱۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ
وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا
تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ
حَتَّى تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ
عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ
الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ
تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ
اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾

اے ایمان والو! تم نماز کے قریب اس حال میں نہ
جاؤ کہ تم نشے میں ہو اور اس وقت تک رکے رہو جب
تک جان نہ لو کہ جو تم کہہ رہے ہو اور گزرنے والوں
کے علاوہ نہ ہی جنبی ناپاک لوگ نماز کے قریب
جائیں۔ جب تک تم نہا کر پاک نہ ہو جاؤ اور اگر تم بیمار
ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک رفع
حاجت والی جگہ سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے بیویوں
سے ازدواجی تعلق قائم کر لیا ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی
سے تیمم کرلو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔
بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔

تشریح:

نماز اسلام کا ایک ایسا رکن ہے کہ اسی کے ذریعہ مسلم اور غیر مسلم میں فرق نمایاں ہوتا ہے۔ صحیح مسلم (۶۱/۱)
اور ترمذی (۱۰۱/۲) کے کتاب الایمان میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ، بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكَفَرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»

بندے اور شرک و کفر کے درمیان ممیز کرنے والا عمل نماز کا ترک کرنا ہے۔

صحیح بخاری کے باب حدیث الاسراء میں جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو
پچاس نمازوں کا تحفہ دیا گیا۔ جو کم ہوتی ہوتی پانچ رہ گئیں۔ صحیح مسلم (۹۳/۱) کی روایت کے مطابق پڑھنے میں
پانچ ہوں گی لیکن از روئے اجر پچاس ہی ہوں گی۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا﴾ (آیت: ۱۶۱)

جو ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اسی کی مثل دس گنا اجر ہوگا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً بارہ مرتبہ ”أَقِمُوا“ کے ساتھ نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ کے

حکم کے مطابق جب اس کا بندہ یا بندی نماز قائم کرتے ہیں تو وہ اپنے رب کے قریب ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یعنی نماز میں ہوش و حواس درست ہونے چاہئیں۔ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آغاز اسلام میں شراب کا پینا حرام نہ تھا۔ کیونکہ جب سے وحید روشن ہوئی تو عرب اور اس کے آس پاس تمام ملکوں میں شراب پی جاتی تھی اور اس کا کاروبار ہوتا تھا ملین اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے لیے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں تدریجاً نہ صرف شراب کو بلکہ ہرنشہ آور شے کو حرام کر دیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۹ کے ذریعہ سمجھایا۔

﴿فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾

شراب اور جوئے میں بہت بڑا گناہ ہے اگرچہ لوگوں کے لیے ان میں نفع بھی ہے لیکن ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔

اس کے باوجود جب شراب کا پینا پلانا جاری رہا اور اہل اسلام میں سے بعض نشے کی حالت میں نماز میں شامل ہوتے اور اگر کسی کو کسی وقت نماز میں امامت کرائی پڑتی تو وہ امامت کا فریضہ بھی انجام دیتا۔

جامع الترمذی (۱۳۹/۲) ابواب التفسیر میں حسن غریب صحیح حدیث ہے۔ جو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمیں کھانے کی دعوت دی۔ جس میں انہوں نے ہمیں شراب پلائی۔ جس نے ہماری عقلوں پر پردہ ڈال دیا۔ یعنی ہمیں نشہ ہو گیا۔ ایسے میں نماز کا وقت آ گیا۔ میرے ساتھیوں نے نماز پڑھانے کے لیے مجھے امام بنا دیا۔ تو میں نے نماز میں سورۃ الکافرون پڑھتے ہوئے یوں تلاوت کر دی۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾

آپ کہہ دیں اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا کہ جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

تو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾ والی آیت نازل فرمادی۔ یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں نشہ کا ذکر فرما کر ان تمام مشروبات سے اجتناب کرنے کی رغبت دلائی گئی کہ جن کے پینے یا استعمال کرنے سے نماز میں ایسے کلمات منہ سے نکل جائیں کہ جو انسان کے ایمان کو کفر میں بدل دیں۔

صحیح بخاری، کتاب الاشربة ص ۸۳۷ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ﴾

ہر مشروب جو نشہ دے، وہ حرام ہے۔

جامع الترمذی (۱۶/۲) اور سنن ابوداؤد (ص ۵۱۸) کے کتاب الاشربة میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔
 « مَا سَكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ - »

جس کے زیادہ کھانے پینے سے نشہ ہو جائے اس کا تھوڑا کھانا پینا بھی حرام ہے۔

تفسیر ابن کثیر کی روایت ہے کہ سورة النساء کی یہ آیت نازل ہوئی تو نماز کھڑی ہوتے ہی ایک شخص آواز لگاتا جو شخص نشہ کی حالت میں ہے وہ نماز کے قریب نہ آئے۔ جب کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

« وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَجْتَنِبُونَ الشُّرْبَ أَوْقَاتَ الصَّلَاةِ - »

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمان نماز کے اوقات میں شراب پینے سے اجتناب کرتے (اور جب سورة المائدہ والی آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے شراب پینے کا عمل ترک کر دیا، اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ تعالیٰ سورة المائدہ میں ہوگی۔

نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے ساتھ ان لوگوں کو بھی نماز پڑھنے اور نماز والی جگہ میں آنے سے روک دیا گیا کہ جو اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کی وجہ سے جہنی یعنی ناپاک ہو جاتے ہیں۔ ہر جہنی کے لیے واجب ہے کہ غسل جنابت کرے۔ غسل جنابت کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے شرم گاہ کو اچھی طرح دھویا جائے پھر نماز کے لیے وضو کرنے کی طرح وضو کیا جائے۔ اس کے بعد اپنے سر اور سارے جسم پر اس طرح پانی بہایا جائے کہ جسم کا کوئی حصہ یا بال خشک نہ رہے۔ سورة المائدہ کی آیت ۶ میں ناپاک لوگوں کو حکم دیا گیا ہے۔ «فَاَطْهَرُوا» یعنی پاک ہو جاؤ۔ جسمانی طہارت کے لیے ضروری ہے کہ جسم کے تمام بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچے۔ جو عورت اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں بنالیتی ہے۔ جن کو کھولنا مشکل ہوتا ہے تو وہ اپنے سر پر پانی کے تین ایسے چلو ڈالے کہ جس سے پانی اس کے بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔ صحیح مسلم (۱۳۹/۱-۱۵۰) باب حکم ضفائر المغتسلۃ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

« وَمَا أُرِيدُ عَلَى أَنْ أُفْرِغَ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثَ إِفْرَاقَاتٍ - »
 غسل جنابت کرتے ہوئے میں اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لیتی۔

اسی باب میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! میں سر کے بالوں کی کس کر

مینڈھیاں بناتی ہوں۔ کیا غسل جنابت کے لیے ان کو کھولا کروں! آپ ﷺ نے فرمایا: تو تین چلو پانی اپنے سر پر ڈال کر سارے جسم پر پانی بہا لیا کر۔ اس طرح تو پاک ہو جایا کرے گی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھا ہے کہ جمہور کا مذہب ہے کہ اگر پانی بالوں کے اندر اور باہر اچھی طرح پہنچ جائے تو عورت مینڈھیاں نہ کھولے اور اگر نہ پہنچ پائے تو پھر مینڈھیاں کھول کر پانی سر پر ڈالے۔

قرآن و سنت میں غسل جنابت کے بارے میں جو بیان ہوا ہے۔ اس کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کہ آج کل بیوٹی پارلر سے مال کثیر خرچ کر کے بال بنوانے اور میک اپ کرانے والی دہلیس کیا غسل جنابت کر کے پاک ہوتی ہیں؟ اگر ناپاک رہتی ہیں تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اگر سنت کے مطابق عمل کرتی ہیں تو ایسی زیبائش کا کیا فائدہ جو ایک رات کے لیے ہو؟ جو سراسر اسراف کے زمرے میں آتی ہو۔ کیا اسلام میں اس کی گنجائش ہے؟

اللہ تعالیٰ چونکہ بڑا ہی درگزر کرنے اور بخشنے والا ہے۔ اس لیے اس نے اپنی مخلوق کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو بہت سی آسانیوں سے نواز دیا ہے۔ جنبی پر واجب ہے کہ غسل جنابت کے بغیر نماز نہ پڑھے اور نہ ہی نماز والی جگہ میں سے گزرے۔ لیکن اس شخص کی اگر پانی تک رسائی کے لیے نماز والی جگہ میں سے یا اس کے پاس سے گزرنا لازمی ہو یا اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو اس کو وہاں سے گزرنے کی اجازت دے دی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو یا رفع حاجت سے فارغ ہوا ہو یا اپنی بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کر چکا ہو اور اس پاس کہیں پانی میسر نہ ہو تو رحیم و کریم نے ان کے لیے یہ آسانی فرمائی کہ زمین کی پاک مٹی سے تیمم کر لے۔ لیکن جیسے ہی پانی مل جائے تو معمول کے مطابق وضو کیا جائے اور جنبی کو غسل جنابت کرنا ہوگا۔ صحیح مسلم (۱۹۹/۱) کتاب المساجد میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیں تین باتوں میں لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح ترتیب دیا گیا۔ ساری زمین کو ہمارے لیے مسجد بنادیا گیا اور اگر پانی نہ ملے تو اس کی مٹی کو ہمارے لیے پاک قرار دے دیا گیا ہے۔

احتلام کی صورت میں بھی غسل جنابت ہی کی طرح غسل کرنا ہوتا ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں مذکورہ ہدایت کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۴۹) کتاب التیمم میں مروی حدیث کا حصہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص الگ ہو کر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ تم نے قوم کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟ اس نے عرض کیا میں جنبی ہوں اور پانی نہیں ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

«عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ»

پاک مٹی سے تیمم کرو پس وہ تجھے کفایت کرے گی۔

تیمم میں یہ بھی آسانی کردی گئی کہ وضو کرنے کی طرح وضو والے تمام اعضاء پر مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح بخاری (کتاب التیمم) میں عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم نے تیمم کا طریقہ بتائے ہوئے زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر آپ ﷺ نے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کر لیا۔ جب کہ صحیح مسلم (۱/۱۶۱) کتاب التیمم میں یہ بھی منقول ہے کہ زمین پر ہاتھ مارنے کے بعد آپ ﷺ نے ان پر پھونک بھی ماری۔ ہاتھوں پر اگر زیادہ مٹی لگ جائے تو یہ طریقہ بھی اپنایا جاسکتا ہے۔ غفور رحیم کی طرف سے ملنے والی آسانیوں کے باوجود اہل ایمان نماز پڑھنے میں کوتاہی کریں تو اس سے بڑھ کر بد نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی اصلاح فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ میں يَأَيُّهَا حرف ندا، الَّذِينَ موصولہ۔ آمَنُوا اس کا صلہ۔ موصول صلہ مل کر منادی۔ لَا تَقْرَبُوا امر نہی۔ الصَّلَاةُ اس کا مفعول۔ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ جملہ حالیہ میں سُكَارَى سَكِرَ يَسْكُرُ سَكْرَانًا وَسُكْرَانًا سے صفت سَكِرَ وَسُكْرَان کی جمع۔ حَتَّىٰ بمعنی اِلَىٰ اَنْ اِسی کی وجہ سے تَعْلَمُونَ کی نون گری ہوئی ہے۔ مَا موصولہ۔ تَقُولُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! نماز کے قریب اس حال میں نہ جاؤ کہ تم شراب کے نشے میں ہو۔ جب تک تم جان نہ لو کہ جو تم کہہ رہے ہو۔

○ ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾ میں وَآؤ عَاطِفہ۔ لَا نَافِیہ۔ جُنُبًا ایما لفظ ہے کہ جو مذکر مونث۔ ثنئیہ اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں جمع کی صورت میں آیا ہے۔ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ إِلَّا حرف استثناء۔ عَابِرِي اصل میں عَابِرِينَ ہے۔ سَبِيلٍ کا مضاف ہونے کی وجہ سے اس کی نون گری ہوئی ہے۔ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا کی طرح حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا۔ جملے کا معنی ہے: اور نہ ہی جنبی ناپاک لوگ نماز کے قریب جائیں۔ جب تک تم نہا کر پاک نہ ہو جاؤ۔ سوائے اس کے کہ جو صرف نماز کی جگہ میں سے گزرنے والا ہو۔

○ ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَا مَسْتُمْ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً﴾ میں وَآؤ عَاطِفہ۔ اِنْ شرطیہ۔ كُنْتُمْ فعل ناقص۔ مَرْضَى مَرِیض کی جمع۔ أَوْ عَاطِفہ۔ عَلَى سَفَرٍ جار مجرور۔ أَوْ عَاطِفہ۔ جَاءَ فعل ماضی۔ أَحَدٌ مِنْكُم اس کا فاعل۔ مِنْ حرف جر۔ الْغَائِطِ غَاطٌ يَغُوطُ سے اسم فاعل۔ اس کا لغوی معنی عام زمین سے نیچے زمین یا کھدی ہوئی۔ لیکن یہاں وہ

جگہ مراد ہے جو بول و براز کے لیے مخصوص ہو۔ اَوْ عَاطِفٌ۔ لَا مَسْتُمْ بَابِ مَفَاعَلَةٍ سے فعل ماضی جمع مذکر حاضر کا صیغہ۔ اَلنِّسَاءُ اس کا مفعول۔ لَمْ تَجِدُوا نِسِيَّ جَدِّ بَلَمَّ پر فائے ربط۔ مَاءٌ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک رفع حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے بیویوں سے ازدواجی تعلق قائم کر لیے ہوں اور تم غسل جنابت یا وضو کے لیے پانی نہ پاؤ۔

﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ میں تَيَمَّمُوا باب تَفَعَّلٍ سے فعل امر۔ صَعِيدًا طَيِّبًا مرکب توصیفی اس کا مفعول۔ تَيَمَّمٌ کا لغوی معنی ارادہ کرنا ہے لیکن یہاں مسح کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ تَيَمَّمُوا پر لائی گئی فاء جواب شرط ہے۔ جملے کا معنی ہے: تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔

﴿فَاُمْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ﴾ فَاُمْسَحُوا فعل امر پر فاء تفصیلیہ۔ بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ حرف جر کی وجہ سے مجرور۔ كُمْ ضمیریں مخاطب کی۔ جملے کا معنی ہے: پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللّٰه اس کا اسم۔ كَانَ فعل ناقص۔ غَفُوْرًا غَفُوْرًا مبالغے کے صیغے كَانَ اپنے متعلقات سے مل کر ان کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

۱۶

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا وہ (ہدایت کے بدلے) گمراہی خرید رہے ہیں اور ارادہ رکھتے ہیں کہ تمہیں (بھی) راہ حق سے ہٹا دیں۔

اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ دوست اور کافی ہے اللہ مددگار۔

جو لوگ یہودی ہوئے ان میں سے وہ بھی ہیں جو کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں (یعنی بہرا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اٰتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوْا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

مِنَ الَّذِيْنَ هَادَوْا يَحْرِفُوْنَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَّوَاضِعِهَا وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

پھیری کرتے ہیں) اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور وہ تمہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ سنیے اس حال میں کہ آپ کو سنایا نہ جائے۔ اپنی زبانوں کو دبا کر کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ رعایت کریں (جس سے ان کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے) اور وہ دین میں طعن کرتے ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی آپ سنیں اور دیکھیں تو ان کے لیے ضرور بہتر اور انتہائی مناسب ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی۔ پس ان میں سے تھوڑے ایمان لائیں گے۔

اے لوگو جن کو کتاب دی گئی! تم اس پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل فرمایا وہ اس کی تصدیق کرنے والا جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹا دیں اور ان کو ان کی پشت پر کر دیں یا اس طرح ان پر لعنت کریں جس طرح اصحاب سبت پر کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان پورا ہو کر رہے گا۔

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِيَا بِالسِّنْتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعُ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۚ وَلَكِنْ لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بَمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْغِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾

تشریح:

مدینہ طیبہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اس کی مخالفت کرنے والے دو گروہوں میں ایک منافقوں کا اور دوسرا یہود کا تھا۔ منافق ظاہری طور پر مسلمان ہونے کے دعوے دار تھے جب کہ ان کی سینوں میں اسلام دشمنی کی آگ بھڑکتی رہتی تھی۔ یہود کے قبائل کو غلط فہمی تھی کہ ان کے پاس ایسی طاقت ہے جس کی وجہ سے اہل اسلام ان سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کریں گے۔

سورة الحشر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَضَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ

فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

اور انہیں یقین تھا کہ بے شک ان کے قلعے ان کو اللہ تعالیٰ سے بچالیں گے پس اللہ ان کو وہاں سے آیا جہاں سے ان کو خیال تک نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں خراب کر رہے تھے، پس اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست میں ان کو برابری کے حقوق سے نوازا لیکن ان کی خباثت نے ان کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ جس جگہ وہ اپنے آپ کو بہت ہی طاقتور سمجھتے تھے وہاں سے ان کو نکلنا پڑا۔ بنو نضیر اور بنو قبیہ قحاح جلا وطن ہوئے اور قریظہ کے جنگجو قتل کیے گئے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوا۔ کیونکہ اہل اسلام کی زندگیوں کا مقصود و مطلوب صرف اللہ کے دین کی سربلندی تھا اس لیے اللہ نے ان سے اپنا وعدہ پورا کیا۔

اہل کتاب کی سوچ جس طرح چودہ صدیاں پہلے تھی اسی طرح وہ آج بھی سوچ رہے ہیں بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے میں پوری شدت سے لگے ہوئے ہیں۔ ان کی اسی سوچ کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ضلالت سے تعبیر کیا اور آج اس میں ہزاروں گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ اس وقت انہوں نے ہدایت کو ٹھکرایا اور گمراہی کو اپنایا اور اہل اسلام کو راہ حق سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام کوششوں کو خاک میں ملایا اور دین حق کو تمام ادیان پر غالب فرمایا۔ کیونکہ اس وقت اہل اسلام کے ایمان مضبوط تھے۔ دنیا کی بجائے آخرت کو سنوارنے میں کوشاں رہتے تھے ایک دوسرے کے ہمدرد اور معاون تھے۔ اس وقت کا اسلامی معاشرہ دنیا کا بہترین معاشرہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ ان پر مہربان تھا۔

آج مسلمانوں کی اکثریت نام کی مسلمان ہے، قرآن و سنت کی تعلیمات سے بہت دور ہے راہ حق سے خود ہی ہٹ کر گمراہی میں لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نصرت و اعانت کی کیسے حق دار ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نواز رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ضمانت دی کہ اللہ ہی ان کو دوست اور مددگار کی حیثیت میں کافی ہے۔ یعنی دشمن جتنی بھی قوت و طاقت جمع کر لے۔ اس سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا۔ بلکہ اس کا اپنا ہی نقصان ہوگا۔

اس وقت تکے یہودی جرات و دلیری اور ان کے خبث باطن کا ذکر یوں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے کلمات کو تبدیل کر دیا کرتے تھے اور واضح طور پر کہا کرتے تھے: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی۔ یعنی ہم نے کہاں گئی بات کو قبول نہیں کیا۔

سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے ایسا انداز اپناتے جو کسی طرح بھی مناسب نہ ہوتا ایسے الفاظ استعمال کرتے جو ذومعنی ہوتے اور اس پر آپس میں بہت خوش ہوتے۔ اللہ کے دین میں طعن کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہ کرتے۔

سورة آل عمران میں اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ (39)

اہل کتاب میں سے ایک گروہ پسند کرتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر دیں۔ حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ جانتے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ﴾ (70) ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (71)

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود ہی ان پر گواہ ہو۔ اے اہل کتاب! حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

عجیب بات یہ ہے کہ قرآن حکیم میں سابقہ قوموں میں سے سب سے زیادہ ذکر یہود کا ہوا ہے۔ اللہ علیم و حکیم نے اس میں صرف اشارہ ہی نہیں کیا بلکہ واضح طور پر اہل ایمان کو آگاہ کر دیا ہے کہ قیامت تک یہی قوم فتنہ و فساد کا سبب بنی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ اگر وہ سرکشی کا مظاہرہ نہ کرتے اور محمد رسول اللہ ﷺ سے مذاق کرنے کی بجائے سیدھے سادے الفاظ استعمال کرتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور بات بھی اچھی ہوتی۔ لیکن ان کا کفر آڑے آیا اور اسی کے سبب اللہ تعالیٰ نے لن پر لعنت فرمائی اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ ان میں سے ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد بلکہ آج تک معاملہ اسی طرح ہے اور ان کی خباثت اپنے انتہائی عروج پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر یہ واضح بھی فرمایا کہ ہم نے جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ اسی کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ یعنی جو کتابیں اللہ کی طرف سے تمہارے نبیوں پر نازل ہوئی قرآن مجید بھی اسی

سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ لہذا اس پر ایمان لے آؤ ایسا نہ ہو کہ تمہارے چہروں کو مسخ کر دیا جائے یا جس طرح اصحاب سبت پر لعنت کی گئی تم پر بھی کی جائے۔ اصحاب السبت کا پورا واقعہ ان شاء اللہ سورۃ اعراف میں بیان ہوگا۔ ان کی ہیرا پھیری پر ان کو بندر بنا دیا گیا تھا۔ نعوذ باللہ من ذلك

تفسیر ابن جریر (۱۲۳/۵) میں کعب احبار کے مسلمان ہونے کا واقعہ منقول ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسلمان ہوئے۔ بت المقدس جاتے ہوئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے سورۃ الجمعہ کے حوالے سے عرض کیا آپ پڑھتے ہیں کہ جن کو تورات دی گئی ان کی مثال گدھے جیسی ہے جس پر بوجھ ڈال دیا گیا۔ میں بھی ان میں سے ہوں لیکن جب حصص میں ایک گھر سے سورۃ النساء کی اس آیت کی تلاوت سنی تو فوراً پکار اٹھے۔ «يَا رَبِّ! اَسْلَمْتُ» اے میرے رب! میں مسلمان ہو گیا۔ قرآن سنتے ہی اللہ کا خوف ان پر طاری ہو گیا اور انہوں نے راہ حق اختیار کر لی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآنی ہدایت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ میں اُہمزہ استفہامیہ۔ لَمْ نفی جحد تَوَفَّل مضارع معروف اس کی یاء اسی (لم کی) وجہ سے گری ہوئی ہے۔ اِلٰی حرف جر الَّذِيْنَ اسم موصول۔ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ اس کا صلہ۔ جملے کا معنی ہے: کیا تم نے ان کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا۔ کتاب سے یہاں مراد تورات ہے۔
- ﴿يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ﴾ میں يَشْتَرُوْنَ فعل مضارع معروف۔ الضَّلٰلَةَ اس کا مفعول اور بِالْهُدٰى یہاں محذوف ہے۔ جملے کا معنی ہے:۔ جو (ہدایت کے بدلے) گمراہی خرید رہے ہیں۔
- ﴿وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضَلُّوا السَّبِيْلَ﴾ کا عطف اپنے ماقبل پر۔ يُرِيْدُوْنَ فعل مضارع۔ اَنْ ناصبہ۔ اسی کی وجہ سے فعل مضارع تَضَلُّوا کی نون گری ہوئی ہے۔ السَّبِيْلَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ حق سے ہٹ جاؤ۔
- ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا﴾ میں واؤ استینافیہ۔ لفظ اللّٰهُ مبتدا، اَعْلَمُ فعل التفضیل اس کی خبر۔ بِاَعْدَاكُمْ جار مجرور۔ كَفٰى فعل ماضی۔ وَلِيًّا اور نَصِيْرًا تمييز یا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ ہی تمہیں از روئے دوست اور مددگار کافی ہے۔

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ میں مِنْ حرف جر۔ الَّذِينَ موصولہ ہادُوا فعل ماضی معروف، صیغہ واحد مذکر غائب، اس کا صلہ۔ يُحَرِّفُونَ (باب تفعیل سے) فعل مضارع۔ الْكَلِمَ اس کا مفعول (الْكَلِمَة کی جمع) عَنْ مَوَاضِعِهِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: یہود میں سے وہ بھی ہیں جو کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں۔ یعنی ان میں تغیر و تبدل کرتے ہیں۔

﴿وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَزَاعِنَا لَيَّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الَّذِينَ﴾ میں يَقُولُونَ فعل مضارع سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا فعل ماضی سے جمع متکلم۔ اِسْمِعْ فعل امر۔ غَيْرَ اسم لازم الاضافت۔ مُسْمِعٍ: اِسْمِعْ، يُسْمِعُ (باب افعال) سے اسم مفعول۔ زَاعِنَا فعل امر ناصمیر منصوب متصل (مفعول) لَيَّا، لَوَى يَلْوِي سے مصدر اور طَعْنَا بھی مصدر۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور اس حال میں کہ سنایا نہ جائے اپنی زبانوں کو ٹیڑھا کر کے کہتے ہیں ”زَاعِنَا“ (ہم سے رعایت کریں) اور دین میں طعن زنی کرتے ہیں۔

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ﴾ میں لَوْ حرف شرط۔ أَنَّهُمْ میں اَنْ حرف مشبہ بالفعل۔ هُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا اسم۔ اس سے مراد یہود ہیں۔ قَالُوا، سَمِعْنَا اور اَطَعْنَا فعل ماضی کے صیغے۔ اِسْمِعْ اور اَنْظُرْ فعل امر کے صیغے۔ كَانَ فعل ناقص پر لام تاکید کا۔ خَيْرًا اور اَقْوَمَ اس کی خبریں۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور سنیے اور (ہماری طرف بھی) دیکھیے تو ان کے لیے بہتر اور نہایت ہی مناسب ہوتا۔

﴿وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ میں لَكِنْ حرف استدراک۔ لَعَنَ فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر اس کا مفعول اور لفظ اَللّٰهُ اس کا فاعل۔ بِكُفْرِهِمْ کی باء سببیہ۔ هُمْ ضمیر یہود کی طرف راجع۔ فَلَا نافیہ۔ يُؤْمِنُونَ فعل مضارع۔ إِلَّا حرف استثناء۔ قَلِيلًا متثنیٰ۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے کفر کے سبب لعنت فرمائی، پس نہیں ایمان لائیں گے مگر تھوڑے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا﴾ میں يَا أَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ منلوی۔ آمِنُوا فعل امر۔ ب حرف جر اور موصولہ۔ نَزَّلْنَا فعل ماضی۔ مُصَدِّقًا (باب تفعیل سے) اسم فاعل۔ حَال لِّمَا کی لام حرف جر۔ موصولہ مَعَكُمْ کی ضمیر کُم اہل کتاب کی طرف راجع مِنْ قَبْلِ جار مجرور اَنْ ناصبہ نَطْمِسَ فعل مضارع سے جمع متکلم کا صیغہ اس کے آخر میں اَنْ کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ وُجُوهًا (وَجْهَ کی جمع) اس کا مفعول۔ اَصْل میں وُجُوْهُكُمْ ہے۔ کُمْ

کی بجائے توین آگئی۔ جملے کا معنی ہے: اے وہ لوگو جن کو کتاب (یعنی تورات) دی گئی! اس پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل فرمایا وہ اس کی تصدیق کرنے والا جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے مٹا دیں۔

○ ﴿فَرَدَّهَا عَلَىٰ أَذْبَارِهَا أَوْ نَلَعْنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ﴾ میں نَرَدُّ فعل مضارع پر فاء عطف کی اور اس کے آخر میں ماقبل اُن کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ ہا ضمیر وُجُوْہُہَا کی طرف راجع۔ علی حرف جر۔ اَذْبَارِهَا مجرور۔ نَلَعْنَهُمْ کی ضمیر ہُمْ کی اہل کتاب کی طرف راجع۔ نَلَعْنِ پر بھی ان کا عمل ہوا۔ کَمَا میں کاف تشبیہ کا اور مَا مصدر یہ۔ لَعْنُ فعل ماضی أَصْحَابِ السَّبْتِ (مرکب اضافی) اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کو ان کی پشت پر ہم کر دیں یا ہم ان پر اسی طرح لعنت کریں گے جس طرح اصحاب سبت پر کی۔ ○ ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ میں واؤ عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ أَمْرُ اللَّهِ (مرکب اضافی) اس کا اسم۔ مَفْعُولًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہونے ہی والا ہے۔



بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر جو گناہ ہیں جس کے لیے چاہئے وہ بخش دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا وہ یقیناً عظیم گناہ والی بہتان بازی کرتا ہے۔

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ خیال کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ جس کو چاہیے پاکیزہ کرتا ہے اور وہ دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیے جائیں گے۔

آپ دیکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں؟ ایسا کرنے والے کے لیے اتنا ہی واضح گناہ کافی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿48﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿49﴾

انْظُرْ كَيْفَ يَقْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿50﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو کتاب میں سے حصہ دیئے گئے، وہ باطل معبودوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں؟ اور کفار سے کہتے ہیں کہ وہ اہل ایمان سے زیادہ ہدایت کی راہ پر ہیں۔
وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور جس پر اللہ لعنت فرمائے آپ اس کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجَنَّةِ وَالطَّاعُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

تشریح:

شرک ذات وصفات یا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہو یا اس کو پکارنے کی بجائے کسی اور کو پکارا جائے یا اس کی مخلوق میں سے کسی کو بلایا و ملائی سمجھتے ہوئے اس کی قبر پر حاضری دی جائے، یا کوئی ایسا عمل کیا جائے جس سے اللہ خالق و مالک کا حق کسی اور کی طرف منتقل ہو جائے یا کوئی اس میں شریک ہو جائے تو یہ ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ اگر اس کے مرتکب کی موت اس پر ہو جائے تو وہ جہنمی ہوگا۔ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ سنایا ہے:

﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ﴾ ﴿٧٢﴾

بے شک جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا، اللہ تعالیٰ نے یقیناً اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو کل کائنات کا خالق و مالک ہے نہ اسے اُوگھ آتی ہے اور نہ نیند وہی حیات و ممات پر قدرت رکھنے والا ہے اس کے علاوہ ہر ذی روح پر موت واقع ہونے کا قانون اسی نے بنا رکھا ہے۔ اس کے سوا ہر شے نے فنا ہونا ہے اسی کی بارگاہ میں اس کی تمام مخلوق کو قیامت کے روز حاضر ہونا ہے وہی اپنی تمام مخلوق کو رزق پہنچانے والا ہے عزت و ذلت کا معاملہ اسی کے پاس ہے وہی بادشاہوں کو بادشاہی عطا کرتا ہے اور جب چاہیے بادشاہت سے محروم کر دیتا ہے ہر بادشاہ زندگی کا ملنے والا وقت پورا کر کے قبر میں چلا جاتا ہے۔ عارضی طور پر بادشاہت پانے والا یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کی بادشاہت میں کوئی ذخیل ہو تو کل کائنات کا دائمی خالق و مالک کس طرح برداشت کرے گا کہ اس کی ذات و صفات یا عبادت میں کسی کو شریک کیا جائے۔ اسی لیے اس نے اعلان کر دیا کہ شرک کے علاوہ باقی گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف کرنے کا لیکن شرک پر مرنے والے کو معاف نہیں کرے گا۔

سورة النساء میں دومرتبہ اس لیے ذکر ہوا ہے تاکہ اس کی مخلوق پر واضح ہو جائے کہ اگر شرک پر کسی کی موت واقع ہو جائے تو وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔

عجیب بات ہے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کو بھی شریک رکھا ہے۔ سورة الانعام میں ابراہیم، اسحق، یعقوب، نوح، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط علیہم السلام کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (88)

اور اگر وہ بھی شرک کرتے تو جو وہ کیا کرتے تھے وہ ان سے ضائع ہو جاتا۔

بلکہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی واضح کر دیا۔ سورة الزمر کے الفاظ ہیں:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (65)

اگر آپ شرک کرتے تو آپ کا عمل ضرور ضائع ہو جاتا۔ عربی گرامر کی رو سے یہاں ﴿يَحْبَطُ﴾ پر لام تاکید کا اور نون ثقیلہ آیا ہوا ہے جس سے ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرتے ہوئے وضاحت کر دی گئی کہ شرک کی صورت میں آپ ﷺ کا عمل ضرور ضائع ہو جاتا۔

اس کے برعکس شرک سے بچنے والے انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش سے نوازنے کی بشارت دے دی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع کے ابواب الدعوات کے باب فضل التوبة والاستغفار (۲۱۶/۲) میں حدیث قدسی نقل کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔

اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور میری بخشش کی امید رکھے گا تیرے تمام گناہوں کے باوجود میں تجھے بخش دوں گا۔ اے ابن آدم! مجھے پروا نہیں کہ تیرے گناہ آسمان کے بادلوں جتنے ہو جائیں پھر تو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ اے ابن آدم! مجھے پروا نہیں کہ جتنی زمین ہے اتنے گناہ لے کر تو میرے پاس اس حال میں آئے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر ضرور آؤں گا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو توبہ واستغفار کے باب میں نقل کر کے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کے حصول کے لیے توبہ واستغفار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

شرک کی ایک قسم ریاکاری ہے اور جب انسان لوگوں کے سامنے اپنی پاکیزگی کا چرچا کرتا ہے اور دوسروں کے مقابلے میں خود کو افضل و اعلیٰ ثابت کرنے میں کوشاں رہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ سورة

انجمن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ۝۳۲ ﴾

اپنی پاکیزگی کا چرچا نہ کرو۔

کیوں کہ یہود نصاریٰ میں یہ بیماری موجود تھی۔

سورة المائدہ کے الفاظ ہیں:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاجِبَاءُ ۗوَهٗ ۝۱۸ ﴾

یہود و نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

سورة البقرة میں ان کا دعویٰ یوں مذکور ہے:

﴿ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى ۝۱۱۱ ﴾

اور انہوں نے کہا کہ جنت میں وہی داخل ہوں گے جو یہودی یا نصاریٰ ہیں۔

تفسیر القرطبی میں الضحاک اور السدی کے حوالے سے منقول ہے: ان کا کہنا تھا کہ ہم پر کوئی گناہ نہیں دن میں جو کرتے ہیں رات وہ معاف کر دیا جاتا ہے اور رات میں جو کرتے ہیں وہ دن میں معاف کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سراسر جھوٹ اور کھلا گناہ ہے۔ اگر کوئی واقعتاً پاکیزہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسا اجر دے گا جس میں معمولی سی بھی کمی نہ ہوگی۔

یہود و نصاریٰ میں یہ بیماری پیدا ہو چکی تھی کہ اللہ پر ایمان رکھنے کی بجائے جنت و طاغوت پر ایمان رکھتے تھے۔ تفسیر القرطبی میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جنت سے مراد جادو اور طاغوت، سے مراد شیطان ہے۔ جب کہ امام القرطبی رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جنت سے مراد ہر وہ چیز یا کام جو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور طاغوت، سے مراد ہر وہ چیز جو انسان کو سرکشی پر ابھارے سورة النازعات میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملتا ہے:

﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۱۷ ﴾

فرعون کی طرف جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔

سورة الشمس میں شمودیوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطُغُوْهَا ۝۶ ﴾

ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر چھٹایا۔

سورة البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (257)

اللہ ان کا دوست ہے جو ایمان لائے اور ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے اجالے کی طرف لے جاتا ہے جب کہ کفار کے دوست طاغوت ہیں جو ان کو نور ہدایت سے نکال کر گمراہی کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں وہی جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی لیے اللہ نے سورۃ النحل میں حکم فرمایا:

﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (36)

اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچ جاؤ۔

اہل کتاب کی اسلام دشمنی اس حد تک پہنچ گئی کہ ان کا ایک وفد غزوہ خندق سے پہلے مکہ آیا تو انہوں نے مکہ کے مشرکوں کو یہ سند دے دی کہ تمہارا دین اسلام سے بہتر ہے اور انہوں نے مشرکوں سے مل کر اسلام کو ختم کرنے کا پروگرام بنالیا۔ آج یہود و نصاریٰ جو کرنے کی کوشش کر رہے اس کی ابتدا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں کر دی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی مدد فرمائی اور ان شاء اللہ اب بھی فرمائے گا۔ شرط یہ ہے کہ ہم حقیقی طور پر مومن ہو جائیں۔ اہل کتاب کی خباثتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی۔ جب تک سبب موجود رہے گا تب تک لعنت ان سے نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے ساتھ آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ذمہ دار بھی وہ خود ہیں۔ توبہ و استغفار کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے والے وسائل پیدا کیے جائیں تو اللہ ضرور کامیابی سے نوازے گا۔ اللہ ہمارے تمام گناہ معاف فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بفعل، لفظ: اللَّهُ اس کا اسم۔ لا نافیہ۔ يَغْفِرُ فعل مضارع۔ أَنْ ناصبہ بِشُرَكَ فعل مضارع مجہول۔ بہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

○ ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ میں دُونَ دُنُو کا مقلوب ہے۔ جو کسی چیز سے قاصر و کوتاہ ہو وہ دُونَ کہلاتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جو اس سے کم یعنی شرک کے علاوہ جس کے لیے چاہئے بخش

دیتا ہے۔

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ اِثْمًا عَظِيمًا﴾ میں مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ شرط۔ فَقَدْ افْتَرَىٰ اِثْمًا عَظِيمًا جواب شرط۔ اِثْمًا مصدر یا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب۔ عَظِيمًا اس کی صفت۔ جملے کا معنی ہے: جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے یقیناً عظیم گناہ والا بہتان باندھا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ ہمزہ استفہامیہ۔ لَمْ نَفِیْ حِجْدَ الَّذِيْنَ مَوْصُولہ۔ يُزَكُّوْنَ فعل مضارع۔ اَنْفُسَهُمْ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ خیال کرتے ہیں۔

﴿بَلِ اللّٰهُ يُوَكِّیْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ میں بَلِ حرف اضراب جو پہلی چیز سے اعراض اور دوسری کے اثبات کے لیے لایا جاتا ہے۔ لفظ اللّٰهُ مبتدا۔ يُوَكِّیْ فعل مضارع (باب زُكِّيْ يُوَكِّیْ تَزَكِيَّةٌ تَفْعِيلٌ) خبر۔ مَنْ مَوْصُولہ۔ يَّشَآءُ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے۔

﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ فِتْيَلًا﴾ میں يُظْلَمُوْنَ فعل مضارع مجہول۔ فِتْيَلًا، فَعِيْلًا کے وزن پر مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور ان پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

﴿اَنْظُرْ كَيْفَ يَقْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكُذْبَ﴾ میں اَنْظُرْ فعل امر۔ كَيْفَ استفہامیہ۔ يَقْتَرُوْنَ فعل مضارع۔ عَلٰی اللّٰهُ جار مجرور۔ الْكُذْبَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: آپ دیکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کیسا جھوٹا بہتان لگاتے ہیں۔

﴿وَكَفٰی بِہٖ اِثْمًا مُّبِيْنٌ﴾ میں كَفٰی فعل ماضی بہ کی ضمیر ان کے افتراء کی طرف راجع۔ اِثْمًا مُّبِيْنًا مرکب توصیفی بیانیہ یا حالیہ جملے کا معنی ہے: یہ کھلا گناہ ہی اسے کافی ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ میں اٰوْتُوْا فعل ماضی مجہول نَصِيْبًا مفعول مِنَ الْكِتٰبِ جار مجرور۔ يُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع۔ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ جارو مجرور کی صورت میں يُؤْمِنُوْنَ کے متعلق جملے کا معنی ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو کتاب میں سے حصہ دیئے گئے وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اٰهْدٰی مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ میں يَقُوْلُوْنَ فعل مضارع۔ الَّذِيْنَ مَوْصُولہ پر لام حرف جر۔ كَفَرُوْا فعل ماضی هٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ۔ اٰهْدٰی فعل تفضیل کا صیغہ۔ مِنْ حرف جر۔ الَّذِيْنَ مَوْصُولہ۔ اٰمَنُوْا فعل ماضی اس کا صلہ۔ سَبِيْلًا تمیز جملے کا معنی ہے اور وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ

جنہوں نے کفر کیا کہ وہ اہل ایمان سے زیادہ سیدھی راہ پر ہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ میں اُولَٰئِكَ اسم اشارہ اَلَّذِينَ موصولہ لَعَنَ فعل ماضی۔ ہُمْ ضمیر مفعول

لفظ اَللَّهِ لَعَنَ کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی۔

﴿وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾ میں واو عاطفہ مَنْ شرطیہ یَلْعَنِ فعل مضارع کے آخر میں اسی کی

وجہ سے جزم آئی تھی لیکن اس کو آگے ملانے کے لیے کسرہ دی گئی۔ لفظ اَللَّهِ اس کا فاعل لَنْ نفی جحد پر فاء

جواب شرط۔ تَجِدَ کے آخر میں زبر لَنْ کی وجہ سے آئی ہے۔ لَنْ جب مضارع پر آتا ہے تو تاکید کے ساتھ

معنی مستقبل نفی میں کر دیتا ہے۔ لَہُ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع نَصِيرًا مفعول جملے کا معنی ہے: اور جس پر اللہ

تعالیٰ لعنت فرمائے آپ اس کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔



کیا ان کا بادشاہت میں کوئی حصہ ہے پس اگر ہوتا تو لوگوں کو کھجور کی گٹھلی پر پڑے شکاف کے برابر بھی نہ دیتے۔

یا لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے، پس تحقیق ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی اور ہم نے ان کو عظیم بادشاہت سے نوازا۔

پس ان میں سے وہ ہے جو اس پر ایمان لایا اور وہ بھی ہے جس نے اس سے اعراض کیا اور جہنم ہی کافی ہے جلانے والی۔

بے شک جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کے چڑے جل جائیں گے ہم ان کو دوسرے چڑے بدل

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مَّلَكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾

فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۚ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا

دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لیے اس میں پاک بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو بہت ہی گھنے دائمی سائے میں داخل کر دیں گے۔

الْعَذَابُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا
أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا ظِلٌّ
ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

تشریح:

اہل کتاب میں سے جنت و طابعت پر ایمان رکھنے والوں کے متکبرانہ رویے اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرنے پر ان کے بارے میں بطور انکار ارشاد ہوا: کیا اللہ کی بادشاہت میں سے ان کو کوئی حصہ ملا ہے جس کی وجہ سے اسلام دشمنی پر تلے ہوئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے دولت سے ان کی محبت اور ان کی بخیلی کی مذمت کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ اللہ کی بادشاہت میں اگر ان کا کوئی حصہ ہوتا تو لوگوں کو ان کی طرف سے کچھ بھی نہ ملتا۔ خود اللہ کا دیا ہوا مال خرچ کرتے نہیں اور جو دل کھول کر اللہ کے فضل سے ملنے والا مال اس کی راہ میں لگاتے ہیں ان سے حسد کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ اس سے مراد ہم یعنی اہل اسلام ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ معاشرے کے مستحق اور ضرورت مند افراد پر اللہ کا دیا ہوا مال خرچ کرنے کا بار بار حکم دیا ہے اور عینہ طیبہ میں قائم ہونے والی اسلامی فلاحی ریاست کا یہی امتیاز تھا کہ اس میں مال و دولت جمع کرنے کی بجائے اس کو اللہ کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جاتا تھا۔ جب کہ آج امت محمدیہ نے ان لوگوں کا رویہ اپنایا ہے کہ جن کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی اور ان پر لعنت بھیج کر جہنم کی وعید سنائی۔

امام القرطبی رحمہ اللہ نے الضحاک رحمہ اللہ سے نقل ہے کہ یہود نے قریش سے حسد کیا کیونکہ نبوت ان میں چلی گئی۔
«وَالْحَسَدُ مَذْمُومٌ وَصَاحِبُهُ مَغْمُومٌ وَهُوَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ
الْحَطَبُ»

یعنی حسد کی مذمت کی گئی ہے اور حسد کرنے والا غم زدہ رہتا ہے اور حسد نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کہا کہ اللہ کی نعمتوں سے دشمنی نہ کرو۔ ان سے کہا گیا اللہ کی نعمتوں سے دشمنی کون کرتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جو لوگ ان سے حسد کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال دیا ہو۔

قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آسمان میں سب سے پہلا جو گناہ ہوا وہ ابلیس کا آدم علیہ السلام سے حسد کرتے ہوئے سجدہ نہ کرنا تھا اور زمین میں پہلا گناہ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا اپنے بھائی کو ناحق قتل کرنا تھا اور اس کی وجہ بھی حسد ہی تھا۔

یہود نے جب سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے حسد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کیا کہ ان سے پہلے تمہارے نبیوں علیہم السلام کو نہ صرف کتاب و حکمت سے نوازا گیا بلکہ ان کو عظیم مملکت بھی عطا ہوئی۔ اب اگر کتاب و حکمت کا سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کو منتقل ہوا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہوئے قبول کرو۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں ان کے علماء کو اچھی طرح علم تھا۔

سورة البقرة میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ

الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿14﴾

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی، وہ ان کو (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو) اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں ایک فریق جان بوجھ کر حق چھپا رہا ہے۔ سورة الانعام میں اللہ تعالیٰ نے مزید یہ بھی فرما دیا۔

﴿الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿20﴾﴾

جنہوں نے اپنے آپ کو گھائے میں ڈالا ہوا ہے پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنے نبیوں کی اطاعت کا حق ادا نہ کیا وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیسے کر سکتے تھے؟ جس طرح پہلے ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے سرکشی کو اپنایا اسی طرح آپ کے ساتھ بھی ہوا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں نے آپ کو دیکھتے ہی آپ کی رسالت کی گواہی دے دی۔ لیکن ان کی قوم کی اکثریت نے آپ کو قبول نہ کیا۔ بلکہ اسلام دشمنی میں کوئی کسر نہ رہنے دی۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ملنے والے عذاب کا ذکر بھی فرما دیا۔ ویسے تو سب سے بڑا اور برا عذاب یہ ہے کہ کوئی جہنم میں داخل کیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ٹھکرانے والوں کو جہنم کی آگ میں جب پھینکا جائے گا تو ان کے جسم

کے چمڑے جل کر سفید ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے جلے ہوئے چمڑوں کو پھر درست کر دے گا تاکہ آگ ان کو دوبارہ جلانے۔ عذاب کی یہ صورت تسلسل سے جاری رہے گی اس میں کمی یا وقفے کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) کُلَّمَا سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ سورة ابراہیم میں اس کی دوسری صورت کا ذکر یوں ہوا ہے۔

﴿سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطَرَانٍ وَتُغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ﴾ (30)

ان کے لباس گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی۔
ظاہر ہے کہ گندھکی لباس جسم سے چمٹا رہے گا اور آگ اپنا کام کرتی رہے گی۔ مزید وضاحت یوں ہوتی ہے۔

﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (31)

تاکہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کا بدلہ دے جو اس نے کمایا یعنی دنیا میں جو عمل کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔

سورة النساء میں وعید سنائی گئی کہ ان کے چمڑے بار بار اس لیے بدلے جائیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ یہاں یہ خیال بھی رہے کہ انسان کے کسی بھی حصے کو چوٹ لگے تو اس کی تکلیف سارا جسم محسوس کرتا ہے، جب سارا جسم ہی آگ کی لپیٹ میں ہوگا تو حالت کیا ہوگی!
سورة ابراہیم کی آخری آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هٰذَا بَلَاءٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّهٗٓ اِلٰهَ وَّاحِدٌ وَلِيُنْذَرَٓ اَوَّلُوْ
الْاَلْبَابِ﴾ (32)

یہ لوگوں کو پہنچا دینا ہے اور تاکہ اس کے ذریعے ان کو ڈرایا جائے اور وہ جان لیں کہ بے شک وہی اکیلا معبود ہے اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں۔

نافرمانوں اور سرکشوں کے انجام سے آگاہ کرنے کے بعد ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو ملنے والی نعمتوں کا بھی خالق و مالک نے ذکر فرما دیا تاکہ اس کی مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ اپنے اطاعت گزار بندوں پر وہ کس طرح مہربان ہوتا ہے۔ اطاعت گزاری میں عموماً مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ لیکن اس کی جزا ایسی ہوگی کہ انسان دنیا میں آنے والی مشکلات و مصائب کو بالکل بھول جائے گا۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہی ہوگی کہ وہ چمڑوں کو جلانے والی آگ سے بچ جائے گا اور اس جنت میں داخل ہوگا جس کے نیچے نہری بہتی ہوں گی جہاں اس کو پاک بیویاں نصیب ہوں گی اور دائمی سایہ میں اس کا ٹھکانا ہوگا۔

صحیح بخاری ”باب مافی صفة الجنة“ (ص ۳۶۱)، صحیح مسلم، کتاب الجنة (۲/۳۷۸) میں حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ کوئی تیز رفتار سواری پر اس کے سایہ میں سے نکلنا چاہے تو سو سال گزرنے پر بھی سایہ ختم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ سایہ نصیب فرمائے۔

حل لغات:

﴿أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا﴾ میں اَمْ مقطعة نَصِيبٌ سے مراد حَظٌّ۔ مِّنَ الْمُلْكِ جار مجرور تک جملہ استفہامیہ انکاری۔ إِذَا اگرچہ مضارع کا ناصب ہوتا ہے لیکن جب اس پر حرف عطف فاء یا واو آجائے تو پھر اس کا عمل کرنا یا نہ کرنا دونوں طرح جائز ہوتا ہے۔ لَا نَافِیہ۔ یُؤْتُونَ فعل مضارع معروف۔ النَّاسُ مفعول اول۔ نَقِيرًا مفعول ثانی اس سے مراد کھجور کی گٹھلی کے عقب میں پڑا ہوا شکاف ہے۔ جملے کا معنی ہے: کیا ان کے لیے یعنی یہود کے لیے بادشاہت میں کوئی حصہ ہے؟ اگر ہوتا تو وہ لوگوں کو کچھ بھی نہ دیتے۔

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ میں یَحْسُدُونَ فعل مضارع۔ النَّاسُ اس کا مفعول۔ عَلَى حرف جز۔ مَا موصول۔ اتی فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر (مفعول) النَّاسُ کی طرف راجع۔ لَفْظُ اللَّهُ فعل ماضی کا فاعل۔ مِّن فَضْلِهِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: یا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو دیا۔

﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مِّلًّا عَظِيمًا﴾ قَدْ تحقیق کا۔ آتَيْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ آلَ إِبْرَاهِيمَ مرکب اضافی، مضاف الیہ إِبْرَاهِيمَ کے آخر میں قاعدہ کے مطابق زیر اس لیے نہیں آئی کیونکہ إِبْرَاهِيمَ غیر منصرف ہے۔ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور مِّلًّا عَظِيمًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: بیشک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی اور ان کو ہم نے عظیم بادشاہت سے نوازا۔

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ﴾ میں مِنْهُمْ ضمیر سے مراد یہود ہیں۔ مِّنْ مَّوْصُول۔ آمَنَ وَصَدَّ فعل ماضی۔ بِهِ اور عَنْهُ کی ضمیریں الْكِتَابَ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: پس ان میں سے کوئی اس کتاب پر ایمان لایا اور ان میں سے بعض نے اس سے اعراض کیا۔

﴿وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَفَىٰ فعل ماضی۔ بِجَهَنَّمَ جار مجرور۔ سَعِيرًا تَمِيز۔ جملے کا معنی

ہے اور جہنم کا جلانا بھڑکانا ہی ان کو کافی ہے۔ یعنی اعراض کرنے والوں کے لیے جہنم کی آگ ہی کافی ہوگی۔

○ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بفعل۔ اَلَّذِينَ اسم موصول۔ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا صلد۔ سَوْفَ کلمہ تہدید ووعید۔ نُصْلِيْ فعل مضارع۔ هُمْ ضمیر مفعول کافروں کی طرف راجع۔ نَارًا: امام قرطبی کے مطابق یہ منصوب بزرع الخافض ہے یعنی یہ اصل میں بنار ہے۔ جملے کا معنی ہے: بیشک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا عنقریب ان کو ہم آگ میں داخل کر دیں گے۔

○ ﴿كُلَّمَا نَضَجَتْ جُلُودُ هُمْ بِدَلْنَهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ میں كُلَّمَا کُلْ اور مَا کا مرکب ہے۔ کُلْ ایسا اسم ہے جو متعدد افراد کا احاطہ کرنے یا واحد کے اجراء کو عام کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے اور یہ بغیر اضافت استعمال نہیں ہوتا۔ اگرچہ اضافت تقدیری ہو یا لفظی اور ماصدریہ یا ظرفیہ کے داخل ہونے پر تکرار کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ نَضَجَتْ فعل ماضی۔ جُلُودُ هُمْ اس کا فاعل۔ بَدَلْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ هُمْ ضمیر مفعول۔ جُلُودٌ جلد کی جمع بَدَلْنَهُمْ تفسیر غَيْرَهَا یہاں مجازاً استعمال ہوا ہے۔ لِيَذُوقُوا فعل مضارع پر لام کئی۔ اَلْعَذَابُ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: جب ان کے چمڑے جل جائیں گے تو ہم ان کو ان کے بدلے اور چمڑے دے دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔

○ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بفعل لفظ اللہ اس کا اسم۔ كَانَ اپنے تعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ غلبے والا حکمت والا ہے۔

○ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ میں اَلَّذِينَ موصولہ۔ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کا صلد۔ سَنُدْخِلُهُمْ فعل مضارع نُذْخِلُ پر سین وعدے کی تاکید۔ هُمْ ضمیر مفعول۔ جَنَّاتٍ ظرف مکان۔ تَجْرِيْ فعل مضارع۔ مِنْ تَحْتِهَا جار مجرور کی ہا ضمیر جنت کی طرف راجع۔ اَلْأَنْهَارُ فاعل۔ خَالِدِينَ فِيهَا۔ أَبَدًا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کو عنقریب ایسی جنات میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

○ ﴿لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ مِّنْ أَنْوَاجٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾ زَوْج کی جمع کی وجہ سے اس کی صفت مُطَهَّرَةٌ واحد مونث آئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: ان کے لیے اس جنت میں پاک بیویاں ہوں گی۔

﴿وَوَدَّ خَلْفَهُمْ ظِلًّا ظَلِيلٌ﴾ میں ظَلِيلًا ظِلًّا کی دائمی صفت یعنی صفت مشبہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم ان کو دائمی گھنے سائے میں داخل کریں گے۔

19

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کی طرف پہنچا دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل سے فیصلہ کرو۔ وہ بہت ہی اچھی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دے رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٣٨﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب اختیار ہیں پس اگر تمہارا کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر اور از روئے تاویل بہت ہی خوبصورت ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٩﴾

تشریح:

سورة الاحزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ ﴿٧٢﴾

ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے۔ لیکن انسان نے اس کو اٹھالیا یعنی اس کی ذمہ داری قبول کر لی۔

بے شک وہ ظالم و جاہل ہے۔

الْأَمَانَةُ کا مادہ (ام ن) ہے۔ جب یہ باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے آئے تو اس کا مصدر أَمَانَةٌ یعنی امانت دار ہونا ہوتا ہے اور اس کی صفت أَمِين ہوتی ہے۔ جب یہ باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے آئے تو اس کا مصدر أَمِنَّا یعنی کسی پر اعتماد و اعتبار یا بھروسہ کرنا ہوتا ہے اور اس کی صفت آمِن ہوتی ہے۔ جب اس کو باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے لایا جائے تو اس کا مصدر أَمِنَّا، أَمِنَّا، أَمِنَّا اور أَمَنَةً یعنی مطمئن ہونا ہوتا ہے اور اس کی صفت آمِن، آمِنٌ اور آمِنٌ ہوتی ہے۔

لہذا کوئی شخص کسی کے پاس جب اپنی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھتا ہے تو وہ اس پر اعتماد و اعتبار کرتا اور بھروسہ رکھتا ہے کہ وہ اس کی چیز کو اس کے طلب کرنے پر واپس لوٹا دے گا اور اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں کرے گا۔ اسی لیے جس پر امانت کے سلسلے میں بھروسہ کیا جاتا ہے وہ امین کہلاتا ہے اور جو امانت کو ذاتی ملک سمجھے یا بنا لے تو وہ خائن بن جاتا ہے۔ ہر انسان کو ملنے والی زندگی اس کے پاس اللہ کی دی ہوئی امانت ہوتی ہے۔ خود کشی کرنے والے کی موت حرام اس لیے ہو جاتی ہے کہ وہ اس کو اپنی زندگی سمجھتے ہوئے اپنا اختیار استعمال کرتا ہے۔ ہر سرکش نافرمان جہنم کا ایندھن اس لیے بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داری کو ٹھکرا کر اپنے نفس کی اتباع کرتا ہے۔

ہر صاحب اختیار و اقتدار کو ملنے والا اختیار و اقتدار اس کو امانت کی صورت میں ملتا ہے جو وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ہر صاحب اختیار و اقتدار اس کو دائمی اور ذاتی ملک سمجھتے ہوئے خیانت کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اللہ کے ہاں جا کر اس نے اپنے کیے کا حساب دینا ہے۔

عدالتوں میں بیٹھنے والے جج اور قاضی عدل و انصاف کرنے کے امین ہوتے ہیں ان کو عدالتوں میں اس لیے بٹھایا جاتا ہے کہ ظالم کو ظلم کرنے کی سزا دی جائے اور مظلوم کی فریاد رسی میں کوئی کسر نہ رہ جائے زمین میں انسان کو امامت کے طور پر ملنے والی خلافت میں وہ بھی شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو انہی نے پورا کرنا ہوتا ہے۔ لوگوں کو ظالموں کے ظلم سے بھی انہی نے بچانا ہوتا ہے۔

مال داروں کے پاس اللہ کا دیا ہوا مال بھی امانت ہی ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی مخلوق پر خرچ نہیں کرتے۔ بلکہ شریعت میں ممنوعہ کاموں پر ضائع کرتے ہیں تو وہ سراسر خیانت ہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سورة الانفال میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَتَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (27)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو اور نہ آپس میں امانتوں کی خیانت کرو اس حال میں کہ تم جانتے ہو۔

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (28)

اور جان لو کہ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجر عظیم ہے۔

سورة الانفال کی ان دو آیتوں میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملے میں کسی قسم کی خیانت نہیں ہونی چاہئے۔ اسی طرح اہل ایمان کی آپس میں رکھی ہوئی امانتوں کی بھی حفاظت ہونی چاہئے۔ خیانتوں کی عموماً وجہ مال کا حصول اور اولاد کے مستقبل کو سنوارنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو فتنہ کا سبب قرار دے دیا اور ساتھ ہی رہنمائی فرمائی کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے اس کی طرف دیکھو اس کو پانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہو۔

سورة النساء کی آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ﴾ کے بارے میں امام ابن جریر نے اپنی تفسیر جامع البیان میں مختلف طرق سے نقل کیا ہے کہ یہ حکمرانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اگرچہ اس کا ایک شان نزول یہ بھی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ کے دروازے پر لگے تالے کی چابی آپ نے عثمان بن طلحہ سے تالہ کھولنے کے لیے لی اور بیت اللہ میں داخل ہو کر جب باہر تشریف لائے تو آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ لیکن انہوں نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ یہ مسلمان حکمرانوں کے بارے میں نازل ہوئی تاکہ مسلمانوں کے جن حقوق کے وہ امین ہیں وہ ادا کریں اور ان کے درمیان عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا کریں۔

اگر اس آیت مبارکہ کو عام رکھا جائے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کے پاس کسی کی امانت ہے تو اس میں خیانت نہ کرے۔ مسند احمد (۷/۵۲) کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا»

جس کسی کے پاس کوئی امانت ہے تو وہ ادا کرے۔

مسند احمد (۳/۱۳۵-۱۵۳-۲۱۰-۲۵۱) میں ہی انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«قَلَمًا خَطَبْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَا لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةٌ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ»

جب بھی رسول اللہ ﷺ ہم سے خطاب کرتے تو ارشاد فرماتے: اس شخص کا ایمان نہیں جو امانت کا خیال نہیں کرتا اور اس کا دین نہیں جو وعدے کا پاس نہیں کرتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ دونوں نے اپنی اپنی صحیح کے کتاب الایمان میں منافق کی علامات میں سے ایک علامت یہ نقل کی ہے:

«إِذَا اتَّخِمْنَ خَانَ»

جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

امانت کی ادائیگی اور لوگوں کے درمیان عدل کرنے کے ساتھ امت محمدیہ کو یہ حکم بھی ملا کہ اللہ، اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کی جائے۔ لیکن یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ اولی الامر سے اختلاف کی صورت میں حتیٰ فیصلے کے لیے اختلافی معاملے کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹایا جائے اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک میں آپ سے فیصلہ کرایا جاتا تھا اور آپ کے بعد قرآن و سنت کو معیار بنالیا گیا۔ راجح قول کے مطابق اولی الامر سے مراد مسلمان حکمران ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں ایسا ہی فرمایا۔ صحیح بخاری کتاب الاحکام ص ۱۰۵، صحیح مسلم: کتاب الامارۃ (۱۲۲/۲) کے الفاظ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر آپ کے مقرر کردہ امیر ہوا کرتے تھے۔

صحیح بخاری کتاب الاحکام ص ۱۰۵۸ اور صحیح مسلم، کتاب الامارۃ (۱۲۵/۲) ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کہیں روانہ کیا اور ایک انصاری کو ان پر امیر مقرر کر کے فرمایا کہ ان کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا۔ راستے میں امیر کسی بات پر ناراض ہو گئے اور انہوں نے ساتھیوں سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے میری بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم نہ دیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں امیر نے ان کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور ان کو آگ لگاؤ پھر اس میں داخل ہو جاؤ۔ ساتھیوں نے لکڑیاں جمع کر کے جب ان کو آگ لگائی تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے آگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی اب ہمارا امیر ہمیں آگ میں داخل ہونے کا حکم دے رہا ہے۔ وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا

ہو گیا۔ ساتھیوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا۔ اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو ہمیشہ اس میں رہتے۔

« لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ »

اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔ بے شک اطاعت معروف کاموں یعنی شریعت کے مطابق ہونے والے کاموں میں کی جائے۔

یوں آپ نے زندگی مبارک میں ہی اس مسئلے کو حل کر دیا۔ اسی لیے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھی القشبدی نے اپنی تفسیر المظہری (۱۰۳/۲) میں لکھا ہے۔

« إذا افتى المجتهد وظهر ان فتواه مخالف الكتاب والسنة وجب علينا اتباع الكتاب والسنة روى البيهقي فى المدخل باسناد صحيح اى عبدالله بن المبارك قال سمعت ابا حنيفة يقول: اذا جاء عن النبى ﷺ فعلى الرأس والعين وذكر عن روضة العلماء وعن ابى حنيفة قال اتركوا قولى بخبر الرسول ﷺ وقول الصحابة رضى الله عنهم ونقل عنه انه قال اذا صح الحديث فهو مذهبي »

جب مجتہد فتویٰ دے اور ظاہر ہو جائے کہ اس کا فتویٰ کتاب و سنت کی خلاف ہے تو کتاب و سنت کی اتباع کرنا ہمارے اوپر واجب ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ المدخل میں عبد اللہ بن مبارک سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو کہتے سنا کہ جب نبی کریم ﷺ سے حدیث آئے تو سر اور آنکھ پر۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روضۃ العلماء نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی حدیث کے مقابلے میں میری بات کو ترک کر دینا۔ یہ بھی ان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب حدیث صحیح ہوگی تو وہی میرا مذہب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے قائم کردہ معیار کے مطابق ہمیں بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا» میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ يَأْمُرُكُمْ فعل مضارع کے ساتھ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اَنْ ناصبہ۔ تُؤَدُّوا فعل مضارع کی نون اعرابی اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ الْأَمَانَةُ، الْأَمَانَةُ کی جمع مفعول۔ إِلَىٰ أَهْلِهَا جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں

حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کی امانتیں ان کو ادا کرو۔ یعنی ان کو واپس لوٹا دو۔

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ میں واو عاطفہ۔ إِذَا ظرف۔ حَكَمْتُمْ فعل ماضی۔

جب إِذَا ماضی پر آئے تو معنی مستقبل میں کر دیتا ہے اور اس میں شرط کا مفہوم بھی آ جاتا ہے۔ اَنْ ناصبہ۔ تَحْكُمُوا فعل مضارع۔ بِالْعَدْلِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بہ اس کی خبر۔ نِعِمَّا اصل میں نِعْمَ مَا ہے۔ اَنْ نِعْمَ شَيْئًا يَانِعْمَ شَيْءٌ۔ يَعِظُ باب وَعَظَ يَعِظُ (مثال واوی) سے فعل مضارع۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ بہ کی ضمیر امانتوں کی ادائیگی اور عدل سے فیصلہ کرنے کی طرف راجع۔ جملے کا معنی: یقیناً وہ بہتر چیز ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کر رہا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ كَانَ اپنے متعلقات سَمِيعًا بَصِيرًا کے ساتھ مل کر اِنَّ کی خبر۔ جملے کا معنی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔۔۔ سَمِيعٌ اور بَصِيرٌ دونوں صفت مشبہ یعنی دائمی صفات ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ میں يَا أَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِينَ موصول۔ آمَنُوا اس کا صلہ۔ أَطِيعُوا دونوں جگہ فعل امر۔ لفظ اللہ، الرَّسُولَ اور وَاُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی اور ان کی کہ جو تم میں سے صاحب اختیار ہوں۔

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ میں فَإِنْ شرطیہ تَنَازَعْتُمْ فعل ماضی۔ فِی شَيْءٍ جار مجرور رُدُّوہ پر فاء جواب شرط۔ رُدُّوا فعل امر۔ هُ ضمیر فِی شَيْءٍ کی طرف راجع۔ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اگر تمہارا کسی شے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ۔ ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ كُنْتُمْ فعل ناقص۔ تُؤْمِنُونَ فعل مضارع۔ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

﴿ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ میں ذَٰلِكَ اسم اشارہ مبتدا۔ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا اس کی خبر۔ أَحْسَنُ فعل تفضیل تَأْوِيلًا تمييز۔ جملے کا معنی ہے: یہ بہت بہتر اور بہت ہی خوبصورت تاویل ہے۔

۲۰

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا کہ جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کے پاس جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا یعنی طاغوت کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں گم کر دے۔

اور جب ان سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف آؤ کہ جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آؤ۔ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے ضرور منہ پھیر لیں گے۔

پس اس وقت کیا ہوگا کہ جب ان کو اپنے ہی ہاتھوں کیے ہوئے کی وجہ سے تکلیف پہنچے گی پھر وہ آپ کے پاس آئیں گے۔ اس حال میں کہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ ہم نے تو بھلائی اور میلاپ کا ہی ارادہ کیا تھا۔

وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ پس آپ ان سے اعراض کریں اور ان کو وعظ و نصیحت کریں اور ان سے ان کے بارے میں دلوں میں اترنے والی گفتگو کریں۔

لَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۚ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أُنْزِلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتِ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

تشریح:

مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے قائم ہوتے ہی مہاجرین و انصار اور مدینہ میں بسنے والے یہود پر واضح کر دیا گیا تھا کہ باہمی اختلاف اور جھگڑوں کو اللہ عز و جل اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا اور ان کا کیا ہوا فیصلہ تسلیم ہوگا۔ سیرت ابن ہشام (۵۰۱/۱) میں ”کتابہ بین المہاجرین والا انصار وموادعة یہود“ کے تحت اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے مدینہ میں جھگڑوں کو نپٹانے کا جو طریقہ تھا اس کو ختم کر کے قانون الہی کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ ہر فیصلہ طلب معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایت کی روشنی میں طے ہوگا۔ غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اسلامی قانون کے علاوہ کوئی اور قانون قابل قبول نہ ہوگا۔ یہ پابندی نہ صرف اہل ایمان پر تھی بلکہ یہود اور دوسرے بھی اس میں شریک تھے اور جب اسلامی ریاست دنیا کی عظیم ترین ریاست بن گئی اور اس میں بسنے والی کئی قومیں اس کا حصہ بن گئیں تو بھی اسلامی قانون کے مطابق ہی فیصلے ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بڑھ کر عدل و انصاف کے تقاضوں کو کون پورا کر سکتا تھا؟ اور جب رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ افراد میں بھی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی جس کی ضرورت قانون الہی کے نفاذ کے لیے لازمی تھی تو اولی الامر کی صورت میں ان کی بھی اطاعت کا حکم اہل ایمان کو مل گیا۔ لیکن اختلاف ہونے پر معاملے کو طے کرنے کے لیے قرآن و سنت ہی کو پیمانہ بنادیا گیا۔

قانونی سلسلے میں اسی نکتہ کو اجاگر کرنے کے لیے سورة النساء کی آیت ﴿أَنْ يَتَّخِذَ كُمُؤَالِي الطَّاعُونَ﴾ کا نزول ہوا۔ تقریباً تمام معتبر تفاسیر میں منقول ہے کہ مدینہ کے لوگ عموماً کعب بن اشرف یہودی یا ابو بربزہ الاسلمی سے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرایا کرتے تھے۔ ایسے بھی تھے جو کابھوں کے پاس جاتے یا بتوں کے پاس رکھے ہوئے تیروں کے ذریعے ہی جھگڑے والا معاملہ طے کر لیتے۔ لیکن اسلامی ریاست میں تمام معاملات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیا گیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو شیطان کے پروگرام سے آگاہ کر دیا گیا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ کثیر من المفسرین یعنی بہت سے مفسروں کا کہنا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کا آپس میں جھگڑا ہوا تو یہودی نے کہا: اس معاملے کا فیصلہ ابوالقاسم سے کرایا لیتے ہیں۔ جب کہ منافق چاہ رہا تھا کہ فیصلہ کعب بن اشرف سے کرایا جائے۔ یہودی جھگڑے کو اس لیے آپ سے پاس لانا چاہتا تھا کہ اس کو معلوم تھا کہ آپ حق کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور کعب بن اشرف رشوت لے کر حق کو پامال کر دیتا ہے۔ یہودی کے اصرار پر جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے ہاں آ گیا اور آپ

نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔

منافق نے یہودی سے کہا: میں اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں چلو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں۔ یہودی منافق کے کہنے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ انہوں نے جب دونوں کی باتیں سنیں تو فیصلہ یہودی کے حق میں ہی کیا۔ منافق نے کہا کہ عمر کے پاس چلتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔ یہودی اس کے کہنے پر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ لیکن اس نے آتے ہی کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ میرے حق میں کیا تھا یہ شخص ان کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے کہا: کیا یہودی ٹھیک کہہ رہا ہے؟ منافق نے تصدیق کر دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم دونوں ذرا انتظار کرو میں ابھی فیصلہ کیے دیتا ہوں چنانچہ وہ اندر گئے اور اپنی تلوار لے کر باہر آتے ہی منافق کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا۔ منافق کے لواحقین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی رسول اللہ ﷺ نے جب عمر رضی اللہ عنہ سے وضاحت چاہی تو انہوں نے عرض کیا اللہ کے رسول اِنَّهٗ رَدُّ حُكْمِكَ اس نے آپ کے فیصلے کو ٹھکرا دیا۔

فَجَاءَ جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْحَالِ وَقَالَ: اِنَّهُ الْفَارُوقُ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ: (اَنْتَ الْفَارُوقُ) اسی وقت جبریل علیہ السلام آ گئے اور انہوں نے کہا: بے شک عمر الفاروق ہیں کیونکہ انہوں نے حق و باطل میں فرق کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم الفاروق ہو۔ تفسیر القرطبی میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

« قَالَ هَكَذَا أَقْضَى عَلَى مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ اللَّهِ وَقَضَاءِ رَسُولِهِ وَهَرَبَ الْيَهُودِي وَنَزَلَتْ الْآيَةُ »

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اس کا فیصلہ میں اسی طرح کرتا ہوں۔ یہودی ڈر کے مارے بھاگ گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو الفاروق کا خطاب ملا۔

امام ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی نے بھی اپنی تفسیر احکام القرآن میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے معاملات طاعنوں طاعتوں کے سپرد کرتے ہیں اور انہی کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں ان کو سوة النساء کی مذکورہ آیت اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ حقیقی اہل ایمان اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ قرآن کا نزول اس لیے ہوا کہ قیامت تک

مسلمانوں کو غیر اسلامی دستوروں سے بے نیاز کر دیا جائے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ جس دور میں اسے پڑھا جائے گا تو پڑھنے والے کو ایسے محسوس ہوگا کہ یہ ہمارے لیے ہمارے بارے میں نازل ہوا ہے۔
ان آیات میں منافقوں کی بنیادی نشانیوں کا ذکر ہوا ہے۔

- پہلی یہ کہ ان کا گمان ہوتا ہے کہ وہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔
- دوسری نشانی: اس کے باوجود اپنے معاملات طاغوت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا ہے اور ان کو بتا دیا گیا کہ شیطان ان کو دور کی گمراہی میں لے جانا چاہتا ہے۔
- تیسری نشانی: جب ان کو اللہ اور اس کے رسول یعنی قرآن و سنت کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ حقارت سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ بلکہ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔
- چوتھی نشانی: جب اپنے ہی کیے کی بنا پر مصائب و تکالیف کا شکار ہوتے ہیں تو پھر اس میں سیدھا سادہ اقرار کر کے معافی مانگنے کی بجائے اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں منافقوں کا یہی معمول تھا۔ اسلام کی مخالفت میں بھرپور کردار ادا کرتے۔ لیکن جیسے ہی ان کے کروت ظاہر ہو جاتے تو قسمیں کھا کھا کر اس کا انکار کر دیتے۔ جب اس سے بھی بات نہ بنتی تو مختلف تاویلوں کا سہارا لیتے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے منافق کے بارے میں فرمایا:

« إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ » (صحیح بخاری و مسلم، کتاب الایمان)

جب منافق بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا اور جب وعدہ کرے گا تو اس کو پورا نہیں کرے گا۔

ایمان داری سے قوم اپنا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ بہت ہی کم لوگ ہیں جو قرآن و سنت کے مطابق عمل کرتے ہوئے اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آپ کی امت کے مبلغین کو بھی بہترین راہنمائی دی گئی۔ ایسے لوگوں کے نفاق کو اللہ خوب جانتا ہے۔ لہذا مبلغ کا کام ہے کہ ان کے اختیار کردہ عمل و رویہ کو نظر انداز کرتے ہوئے وعظ و نصیحت کرتا رہے اور ان سے ایسے گفتگو کرنے کی کوشش کرے جو ان کے دلوں میں اترتی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی اچھی بات کا اثر لیتے ہوئے اپنے منافقانہ عمل کو ترک کر کے صلحاء کی راہ اختیار کر لے اور دوسروں کے لیے مشعل راہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب و سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ میں ہمزہ

استفہامیہ۔ لَمْ نَمِیْ جَد۔ اسی کی وجہ سے فعل مضارع تَوَی کی یاء گری ہوئی ہے۔ اِلَیْ حرف جر۔ اَلَّذِیْنَ موصِلہ۔ یَزْعُمُوْنَ فعل مضارع۔ اَنْهُمْ کی ضمیرُہُمْ سے مراد منافق لوگ۔ اَمَنُوا فعل ماضی بِمَا کا مَ موصِلہ اَنْزَلَ دونوں جگہ فعل ماضی مجہول اِلَیْکَ اور مِنْ قَبْلِکَ جار مجرور جملے کا معنی ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ اس پر ایمان لے آئے جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ یعنی قرآن اور اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں۔

○ ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ میں یُرِیْدُوْنَ فعل مضارع۔ اَنْ دونوں جگہ ناصبہ یا مصدریہ۔ اسی کی وجہ سے فعل مضارع یَّتَحَاكَمُوْنَ اور یَّكْفُرُوْنَ سے نون اعرابی گر گیا ہے۔ اِلَی الطَّاغُوْتِ جار مجرور۔ قَدْ تحقیق کا اور بِهٖ کی ضمیر الطَّاغُوْتِ کی طرف راجع۔ یہاں الطَّاغُوْتِ سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان اور قرآن و سنت کو ٹھکرانے والا ہے۔ جملے کا معنی ہے: وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کے پاس جائیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔

○ ﴿وِیُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا مُّبَعِیْدًا﴾ میں واو عاطفہ۔ یُرِیْدُ فعل مضارع۔ اَلشَّیْطَانُ اس کا فاعل۔ اَنْ ناصبہ۔ یُضِلُّ فعل مضارع کے آخر میں اسی کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ ہُمْ ضمیر منافقون کی طرف راجع۔ ضَلٰلًا مُّبَعِیْدًا مرکب توصیفی فعل یُضِلُّ کی تاکید۔ جملے کا معنی: اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں بہکا دے۔

○ ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلَی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ﴾ میں واو عاطفہ۔ اِذَا ظرف۔ قِیْلَ فعل ماضی مجہول۔ لَهُمْ جار مجرور۔ تَعَالَوْا فعل امر۔ اِلَی حرف جر۔ مَ موصولہ۔ اَنْزَلَ فعل ماضی۔ لَفْظُ اللّٰهُ اس کا فاعل۔ واو عاطفہ۔ اِلَی الرَّسُوْلِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور جب ان سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف آؤ۔

○ ﴿رَاٰیْتُ الْمُنَافِقِیْنَ یَصْدُوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ میں رَاٰیْتُ فعل ماضی۔ اَلْمُنَافِقِیْنَ اس کا مفعول۔ یَصْدُوْنَ فعل مضارع۔ عَنْكَ جار مجرور۔ صُدُوْدًا (مصدر) مفعول مطلق یَصْدُوْنَ کی تاکید۔ جملے کا معنی ہے: تو آپ دیکھیں گے کہ منافق لوگ آپ سے ضرور منہ پھیر لیں گے۔

○ ﴿فَکَیْفَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۭ بِمَا قَدَّمْتُ اَیْدِیْہُمْ﴾ میں فَکَیْفَ تعجب کے طور پر استفہام۔

إِذَا ظَرَفَ - أَصَابَتْ فِعْلَ ماضی کی ہُم ضمیر منافقون کی طرف راجع۔ مُصِيبَةٌ فاعل۔ بِمَا کی بَاء سببہ۔ مَا موصولہ۔ قَدَمْتُ فِعْلَ ماضی۔ اَيَّدِيَهُمْ اس کا فعل۔ جملے کا معنی ہے: پس اس وقت کیا ہوگا جب ان کو ان کے اپنے ہاتھوں کے سبب جو مصیبت پہنچے گی۔

﴿ثُمَّ جَاءَ وَكَوْ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا﴾ میں ثُمَّ حرف عطف۔ جَاءَ وَ فاعل ماضی۔ كَوْ ضمیر مخاطب کی۔ يَخْلِفُونَ فعل مضارع۔ بِاللَّهِ جار مجرور۔ إِنْ نافية۔ أَرَدْنَا فعل ماضی جمع متکلم إِلَّا حرف استثناء۔ إِحْسَانًا وَ تَوْفِيقًا متشبی۔ دونوں مصدر پہلا باب افعال اور دوسرا باب تفعلیل سے جملے کا معنی ہے: پھر وہ آپ کے پاس آئیں گے اور اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو صرف میل ملاپ اور بھلائی کا ارادہ کیا تھا۔

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ میں أُولَئِكَ اسم اشارہ۔ الَّذِينَ موصولہ۔ يَعْلَمُ فعل مضارع۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا فاعل۔ مَا موصولہ۔ فِي قُلُوبِهِمْ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾ میں اَعْرِضْ عِظْ اور قُلْ فعل امر کے صیغے۔ پہلا باب افعال سے اور دوسرا وَعِظْ يَعِظْ مثال واوی سے اور تیسرا قَالَ يَقُولُ اجوف واوی سے۔ عَنْهُمْ لَّهُمْ اور فِي أَنْفُسِهِمْ جار مجرور۔ قَوْلًا بَلِيغًا مرکب توصیفی قُلْ کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس ان سے اعراض کریں اور ان کو وعظ و نصیحت کریں اور ان سے ان کے بارے میں دلوں میں اترنے والی بات کریں۔

۲۱

اور ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا تا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر یہ لوگ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تو آپ کے پاس آجاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے اور ان کے لیے رسول اللہ بھی استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ کو ضرور بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ
بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَأَسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ
تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٤﴾

اور قسم ہے آپ (ﷺ) کے رب کی کہ وہ ہر گز ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اس میں فیصلہ نہ بنالیں کہ جو جھگڑے ان کے درمیان پیدا ہوتے ہیں پھر اپنے دلوں میں اس کے بارے میں کوئی تنگی نہ پائیں کہ جو آپ نے فیصلہ کیا اور اس کو اچھی طرح قبول کر لیں۔

اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں بہت کم ہی ایسا کرتے۔ اور اگر وہ وہی کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لیے ضرور بہتر اور انتہائی مضبوطی کا سبب پیدا ہوتا۔

اس وقت ہم ان کو اپنے پاس سے ضرور اجر عظیم عطا کرتے۔

اور ان کو سیدھی راہ دکھاتے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا
فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا
أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا
فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ
فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾
وَإِذَا لَا تَأْمِنُهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا
عَظِيمًا ﴿٦٧﴾

وَلَهَدَيْنَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾

تشریح:

جن لوگوں کا گمان تھا کہ وہ تورات اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اپنے جھگڑوں کا فیصلہ طاغوت سے کراتے یا کرانا چاہتے ان پر واضح کر دیا گیا کہ ہر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس لیے مبعوث کیا جاتا تھا کہ اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ رسول ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہدایت سے نوازتا تھا۔ گمراہی کو اپنانے اور بہکنے والوں کو رسول ہی راہ حق دکھایا کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا۔ سورۃ النساء ہی کے الفاظ ہیں۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ ﴿٨٠﴾

اور جس نے رسول کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

سورۃ الشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرتے ہوئے نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے بارے

میں فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴾

اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔

سورة آل عمران اور سورة الزخرف میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی ایسی ہی خبر دی گئی ہے کہ انہوں نے بنو اسرائیل کو اسی کی دعوت دی تھی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کی قوموں نے اپنے اپنے نبیوں کی اطاعت کرنے کی بجائے ایسی نافرمانی اور سرکشی کی کہ جس کی بنا پر وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ لہذا محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں طاغوت کی طرف دیکھنے اور اس کی اطاعت کرنے والوں کو آگاہ کر دیا کہ رسول کے ہوتے ہوئے طاغوت کی اطاعت صریحاً ہلاکت و تباہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی منشا و مرضی یہی ہے کہ تم اپنے تمام جھگڑے اور فیصلہ طلب معاملات اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لاؤ۔ اگر اس سلسلے میں کوئی کوتاہی ہو جائے یا تم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھو تو اللہ سے بخشش چاہو اور میرے رسول ﷺ سے دعا کی درخواست کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور انتہائی رحم کرنے والا پاؤ گے۔ کیونکہ جو بھی اپنے رب کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے تائب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس کے گناہوں کو نہ صرف معاف کر دیا جاتا ہے بلکہ ان کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔

سورة الفرقان کے الفاظ ہیں:

﴿ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۚ وَكَانَ

اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٠﴾

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے پس وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

مزید وضاحت کے لیے یہ بھی فرما دیا گیا کہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ صرف اللہ کے رسول ﷺ سے کروانا ہے اور وہ جو بھی فیصلہ کریں اس کو دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کیے بغیر خوش دلی سے قبول کر لینا ہے یہی اہل ایمان ہونے کی اہم ترین شرط ہے اور یہ ایسی شرط ہے کہ اس میں اپنے متعلق صاحب ایمان ہونے کا گمان رکھنے والوں کے ساتھ حقیقی ایمان والے بھی شامل ہیں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی عملی صورت اسی سے واضح ہوتی ہے۔

صحیح بخاری (کتاب التفسیر ص ۶۶۰) میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد زبیر رضی اللہ عنہ کا جھگڑا مدینہ سے باہر طلی زمین میں پانی کی نالی کے سلسلہ میں انصاف کے ایک آدمی سے ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اپنے باغ کو پانی لگانے کے بعد اپنے ہمسائے کے لیے پانی چھوڑ دینا۔

انصاری نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ زیر آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ انصاری کی یہ بات سنتے ہی آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا یعنی آپ کو اس کی یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ نے فرمایا: زیر! اپنے باغ کو پانی لگانے کے بعد روک لینا حتیٰ کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے۔ پھر اپنے ہمسائے کے لیے چھوڑ دینا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ایسی صورت بتائی جس سے زیر کو مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے اور انصاری کے لیے بھی کشادگی ہو جائے۔ لیکن جب انصاری نے آپ کے فیصلے میں تنگی محسوس کی تو آپ نے وہ فیصلہ فرمایا جس سے زیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق مل گیا۔ زیر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت ﴿فَلَا وَرَيْكَ﴾ اسی سلسلے میں نازل ہوئی۔

سورة محمد میں اہل ایمان سے خطاب ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (33)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔

یہاں اعمال ضائع کرنے سے مراد اللہ اور رسول کی اطاعت ترک کرنا ہے یعنی اہل ایمان نے ہمیشہ ہی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنی ہے ان کے حکم اور فیصلے کے مطابق عمل کرنا ہے۔

سورة الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (2)

اے ایمان والو! نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو اور نہ اس طرح اونچی آواز میں ان سے بات کرو جس طرح تمہارا بعض بعض سے کرتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو معلوم ہی نہ ہو۔

جب اہل ایمان کو آپ کی آواز سے اونچی آواز کرنے اور عامیانہ انداز سے پکارنے یا خطاب کرنے سے روک دیا گیا تو آپ کی اطاعت ترک کرنے یا آپ کے فیصلہ کو قبول نہ کرنے کی صورت میں ایمان کی سلامتی کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

اپنے بارے میں جو اہل ایمان ہونے کے دعویدار تھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ان کو حکم ملتا کہ اپنے برے اعمال بخشوانے کے لیے اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو چند لوگ ہی اس پر

عمل کرتے۔ اصل میں یہ بات موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے حوالے سے ہوئی۔ کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے طور پہاڑ پر گئے تو ان کی غیر موجودگی میں قوم نے سونے کا پھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر ان سے کہا: تم نے پھڑے کو معبود بنا کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اس لیے اپنے پیدا کرنے والے سے توبہ کرو اور آپس میں قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے لیے یہی بہتر ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی کیونکہ وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ سورة البقرہ میں اس واقعہ کا ذکر ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے آپ کو مومن گمان کرنے والے اگر ویسا کرتے کہ جس کی ان کو نصیحت کی گئی تو ضرور ان کے لیے بہتر اور انتہائی مضبوطی کا سبب ہوتا ہم نہ صرف ان کو اپنے پاس سے اجر عظیم سے نوازتے بلکہ حقیقی سیدھی راہ پر چلا دیتے۔

تفسیر قرطبی کی روایت ہے کہ جب قتال والی آیت نازل ہوئی تو ایک صحابی نے کہا: اگر ہمیں یہ حکم ملتا تو ہم ضرور ایسا کرتے لیکن سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں عافیت سے نوازا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ایمان گڑے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ والا ایمان ہمیں بھی عطا فرمائے۔ (آئین)

حل لغات:

- ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ میں مَا نافیہ۔ أَرْسَلْنَا فعل ماضی جمع متکلم مِنْ رَّسُولٍ جار مجرور۔ إِلَّا حرف استثناء۔ لِيُطَاعَ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب پر لام کئی۔ بِإِذْنِ اللَّهِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر یہ کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔
- ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ میں لَوْ شرطیہ۔ أَنَّهُمْ سے مراد منافق لوگ۔ إِذْ ظرف ماضی۔ ظَلَمُوا فعل ماضی۔ أَنفُسَهُمْ اس کا مفعول۔ جَاءُوكَ فعل ماضی کی ضمیر کاف مخاطب کی۔ فَاسْتَغْفَرُوا فعل ماضی۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا مفعول۔ وَاسْتَغْفَرَ اس کا مفعول۔ اس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے بخشش طلب کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے۔

- ﴿لَوْ جَدُّو اللَّهَ تَوَابًا رَحِيمًا﴾ وَجَدُوا فعل ماضی پر لام تاکید کا جواب لَوْ لَفْظُ اللَّهِ اس کا مفعول۔ تَوَابًا

رَّحِيمًا حال یا تمیز۔ دونوں مبالغے کے صیغے جملے کا معنی ہے: تو اللہ تعالیٰ کو ضرور اس حال میں پاتے کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

﴿فَلَا وَرَبَّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ میں واو قسمیہ سے پہلے فلا نافیہ تاکید کا۔ دوسرا لا بھی نافیہ۔ یُؤْمِنُونَ فعل مضارع۔ حَتَّىٰ ناصبہ۔ یُحَكِّمُوكَ فعل مضارع کی ضمیر کاف مخاطب کی۔ فِيمَا کا مآ موصولہ۔ شَجَرَ فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: قسم ہے آپ کے رب کی: وہ ہر گز ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے اختلاف میں فیصل نہیں بنالیتے۔

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ میں ثَمَّ عاطفہ۔ لا نافیہ۔ يَجِدُوا فعل مضارع کا عطف یُحَكِّمُوا پر ہے۔ اس لیے حَتَّىٰ ہی کی وجہ سے ان کی نون گری ہوئی ہے۔ فِیْ اَنْفُسِهِمْ جار مجرور۔ حَرَجًا مفعول۔ مِمَّا کا مآ موصولہ۔ قَضَيْتَ فعل ماضی واو۔ عاطفہ۔ تَسْلِيْمًا مصدر تاکید برائے فعل مضارع يُسَلِّمُوا۔ جملے کا معنی ہے: پھر وہ اپنے دلوں میں اس سے تنگی محسوس نہ کریں کہ آپ نے جو فیصلہ کیا اور اس کو پوری طرح تسلیم نہ کر لیں۔ یعنی اہل ایمان ہونے کی شرط صرف یہ نہیں کہ آپ کو فیصل بنالیا جائے بلکہ آپ کا جو فیصلہ ہو۔ اس کو بھی بغیر تنگی محسوس کیے تسلیم کرنا ہوگا۔

﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنْ اُقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوْ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ واو عاطفہ۔ لو شرطیہ۔ اَنَا ضمیر جمع متکلم تاکید کی۔ كَتَبْنَا فعل ماضی۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور۔ اَنْ ناصبہ۔ اُقْتُلُوْا فعل امر۔ اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول۔ اَوْ عاطفہ۔ اُخْرِجُوْا بھی فعل امر۔ مِنْ دِيَارِكُمْ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر ہم ان پر لکھ دیتے یعنی فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دیا اپنے گھر سے نکل جاؤ۔

﴿مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ میں مَا نافیہ۔ فَعَلُوْا فعل ماضی۔ ضمیر اس کا مفعول۔ اِلَّا حرف استثناء قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ متشبی۔ عربی گرائمر کے مطابق متشبی کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی متصل اور دوسری منقطع۔ جب متشبی اور متشبی منہ کی جنس ایک ہوگی تو وہ متصل ہوگا اور اگر جنس مختلف ہو تو منقطع ہوگا اور منقطع ہمیشہ منصوب ہوگا جب کہ متصل کو منصوب اور مرفوع پڑھنا اور لکھنا دونوں طرح جائز ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں متشبی متصل ہے اس لیے قلیل (مرفوع) آیا ہے۔ اس کی دوسری مثال سورة النور کی آیت نمبر ۶ میں ہے۔ (وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شَهِدًاۤءٌ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ) لعان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں۔ لیکن اپنے علاوہ ان کے لیے گواہ نہیں ہوتے۔ یہاں اَنْفُسُهُمْ کا اعراب پیش سے آیا ہے۔ یعنی مرفوع ہے۔ مَا فَعَلُوْهُ والے جملے کا معنی ہے: تو ان میں سے بہت کم اس پر عمل کرتے۔

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَنبِيئًا﴾ میں ما موصولہ۔ یُوْعَظُونَ فعل مضارع مجہول۔ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَنبِيئًا۔ لَكَانَ ناقصہ کی خبر۔ تَنبِيئًا باب تفعیل سے مصدر اور اس کے معنی میں زیادتی کے لیے اس سے پہلے أَشَدَّ لایا گیا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر وہ وہی کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لیے ضرور بہتر اور بہت مضبوطی کا سبب ہوتا۔

﴿وَإِذَا لَا تَنبِيئُهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا﴾ میں إِذَا جزائیہ۔ لَا تَنبِيئُهُمْ پر لام تاکید کا۔ اتینا فعل ماضی ہم ضمیر مفعول۔ مِنْ لَدُنَّا ای مِنْ عِنْدِنَا ظرف۔ أَجْرًا عَظِيمًا مرکب توصیفی۔ مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے۔ تو ہم ان کو ضرور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتے۔

﴿وَلَهَدَيْنَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ کی بھی وہی ترکیب اور جملے کا معنی ہے: اور ہم ان کو ضروری سیدھی راہ دکھا دیتے۔

۲۲

جو بھی اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کریں گے وہ ان کے ساتھ ہوں گے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا وہ انبیاء علیہم السلام اور حق کی تصدیق کرنے والے ہمیشہ سچ بولنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے والے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے نیک کام کرنے والے ہوں گے اور وہ بہترین رفیق ہوں گے۔

یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے جاننے والا۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾

ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾

تفسیر:

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہونے والے چار قسم کے خوش نصیب ہوں گے اور وہی اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے ممتاز ہوں گے۔ سب سے اونچا مقام انبیاء و رسل علیہم السلام کا ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت کے لیے بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف سے نبوت و رسالت کا حق ادا کر دیا۔

ان میں ایسے بھی ہوں گے جو اپنی اپنی قوم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ سورة النساء ہی میں یہود کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغَيْرِ حَقٍّ﴾ (155)

یعنی ان کو ملنے والے عذاب کا ایک سبب نبیوں کو ناحق قتل کرنا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی لیکن ان کی بات ماننے والوں کی تعداد سوتک نہ پہنچ سکی۔ تباہ و برباد ہونے والی قوموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورة النحل میں خود ہی فرمایا:

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (33)

﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ (34)

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پس ان کو وہ برائی پہنچی جس پر انہوں نے عمل کیا اور ان کو اس نے گھیر لیا جس کے بارے میں وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی آزمائش دنیا میں سب سے زیادہ ہوا کرتی تھی، اس لیے قیامت کے روز وہی سب سے اونچے درجے میں ہوں گے۔

ترمذی (۷۰۶۲) ”باب فی الصبر علی البلاء“ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ اللہ کے رسول! لوگوں میں سے سب سے زیادہ اور سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نبیوں کی پھر ان کے بعد ان کے قریب رہنے والوں کی اور ان کے بعد ان کے قریب ہونے والوں کی۔ یعنی نبیوں کی اتباع کرنے والوں کی۔

آپ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر انسان مضبوطی سے دین پر قائم رہنے والا ہو تو اس کی آزمائش سختی اختیار کر جاتی ہے، اگر انسان دینی طور پر کمزور ہو تو آزمائش بھی ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی زمین میں اس طرح ہو جاتا ہے کہ اس پر کسی خطا کا بوجھ نہیں ہوتا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ انسان کی جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے اس کو اتنی ہی بڑی جزا دی جاتی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بیماری کی جو شدت میں نے رسول اللہ ﷺ پر دیکھی اس کے بعد کسی اور پر نہیں دیکھتی۔

سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ جب خالق کی بارگاہ میں اس کی مخلوق کی شفاعت کرنے

کے لیے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک بات کی جائے گی تو ان تمام جلیل القدر انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی بھی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ تو آپ رب العالمین کی بارگاہ میں سجدہ ریزہ کر شفاعت کریں گے جو مقبول ہوگی۔ صحیح بخاری (ص ۹۷۱) کی روایت کے مطابق حدیث الشفاعۃ کے الفاظ ہیں:

«ثُمَّ يُقَالُ لِي: اِرْفَعْ رَأْسَكَ فَسَلْ تُعْطَهُ، وَقُلْ تُسْمَعُ وَاشْفَعْ تُشْفَعُ»

..... پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ اپنے سر کو اٹھائیں اور سوال کریں آپ کو وہ دیا جائے گا اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

اپنے رب کی اس وقت کی سکھائی گئی تحمید کے ساتھ سجدوں میں گر کر آپ شفاعت کریں گے جس کی وجہ سے سوائے ان کے کہ جن کو قرآن جہنم میں روک لے گا باقی تمام جہنم سے نجات پائیں گے۔ قرآن کے روکنے سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اپنے برے اعمال کی بنا پر تباہ و برباد ہوئے اور ان کے جہنمی ہونے کا اللہ تعالیٰ نے خود اعلان کر دیا۔ آپ کی شفاعت کا قبول ہونا قیامت کے وقوع پذیر ہونے پر آپ کو یہ شرف عطا ہوگا جب کہ دنیا میں آپ پر نبوت و رسالت کو ختم کر کے دین حق کو مکمل کرنا، اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اس کو مستحکم کرنا اور دنیا میں ایک مثالی معاشرہ قائم کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی نعمتیں تھیں جن سے آپ کو نوازا گیا۔

اسی طرح آپ سے پہلے ہونے والے تمام انبیاء علیہم السلام کو ان کے اپنے اپنے وقت میں معجزات کا ملنا اور مخالفت کرنے والوں کا تباہ و برباد ہونا اور دین حق ہی کا غالب آنا اور انبیاء علیہم السلام کو مغلوب ہونے سے بچانا اور ان کی نصرت فرمانا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حصہ تھا۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی نہ صرف مدد و اعانت کی بلکہ حق کی تصدیق و تائید کا حق ادا کر دیا۔ جو قول کے سچے اور کردار کے یکے ہوا کرتے تھے۔ جنہوں نے مشکل حالات میں دین کی سر بلندی میں فرق نہ آنے دیا۔ اپنی جانیں، اپنے مال اور اپنی اولادیں اللہ کی راہ میں پیش کر دیں۔ سنن ترمذی (۲۲۹/۲) میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس کسی نے بھی ہمارے ساتھ احسان کیا ہم نے اس کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ کا احسان ایسا ہے کہ ہم اس کا بدلہ نہیں دے پائے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ دے گا۔

أسد الغابہ (۳۲۱، ۳۱۰، ۳۲۲) کی روایات کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ مردوں میں سے سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق و تائید انہوں نے کی۔ پھر انہی کی ترغیب و تلقین اور دعوت پر عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔

سیرت ابن ہشام (۳۹۹/۱) کی روایت ہے کہ واقعہ معراج کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے جب بیت المقدس کی نشانیاں بیان کیں تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی جس پر آپ نے فرمایا:

”وَأَنْتَ يَا أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقُ“

اے ابا بکر! تو الصِّدِّیق ہے۔

الشَّهَدَاءُ = الشَّہِید کی جمع ہے۔ اس سے مراد حاضر و گواہ ہونے والا۔ یہاں مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کیا، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سورۃ آل عمران کے الفاظ ہیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

يُرْزَقُونَ﴾ (169)

اور تم ان لوگوں کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے بلکہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔

خیال رہے کہ شہداء کی زندگی کا تعلق اس دنیا کی زندگی سے اسی وقت ختم ہو جاتا ہے کہ جب وہ دشمن سے ٹکراتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو شہداء کی زندگی سے اولیاء کی زندگی کو ثابت کرنے کے بعد انہی کو لطا و مادی بنا کر رب حقیقی سے دور ہو جاتے ہیں اور عوام الناس کے لیے گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک میں اور آپ کے بعد بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور ان کی شہادت کے بعد ان کی وراثت تقسیم ہوئی۔ بیوہ ہونے والیوں کی شادیاں دوسری جگہ ہوئیں۔ اگر وہ عام لوگوں کی طرح زندہ ہوتے تو کیا یہ سب کچھ ہونے دیتے یا ان کے ورثا اور بیویاں یہ برداشت کرتے۔ اصل میں یہ ایسی فضیلت ہے جس کا ذکر نعمت کی صورت میں ہوا ہے۔ اسی طرح صالحین کو بھی نعمتوں سے مالا مال ہونے والوں میں شریک کر لیا گیا۔ کیونکہ وہی لوگ دنیا میں رہتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ کو بن دیکھے اس پر نہ صرف ایمان رکھتے ہیں بلکہ اس کی طرف سے ملنے والے ہر حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں بہت بڑی بشارت یہ دی کہ جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ قیامت کے روز نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صلحاء کے ساتھ ہوں گے اور وہی بہترین ساتھی ہوں گے۔

صحیح بخاری کی (کتاب التفسیر ص ۶۲۰) میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: جو نبی بیمار ہوتا ہے اس کو دنیا اور آخرت کے بارے میں اختیار دیا جاتا ہے۔

آپ کی جس بیماری میں روح مبارک قبض کی گئی جب اس نے شدت اختیار کی تو آپ کی آواز بیٹھ گئی لیکن میں نے سنا۔ ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾

بخاری (باب مرض النبی ﷺ ووفاته ص ۸۲۸) کی روایت کے مطابق آپ کے آخری الفاظ تھے۔
«اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى»

بخاری کے اسی باب میں «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَالْحَقْنِي بِالرَّفِيقِ» کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ یعنی اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور رفیقِ اعلیٰ سے ملا۔

ترمذی (۱/۱۷۹، ابواب البيوع) ابن ماجہ (ص ۱۰۰) دارمی (ص ۳۳۸) کی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سچا امین تاجر قیامت کے روز نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔
یہ عزت و شرف اس کو اس لیے حاصل ہوگا کہ اس نے کسی مسلمان بھائی بہن کو تجارت کرتے ہوئے دھوکا نہیں دیا ہوگا۔ اس نے قرآن و سنت کے مطابق عمل کرتے ہوئے دنیا میں مال و دولت جمع کرنے کی بجائے اہل اسلام کی خدمت کرنے کو ترجیح دی ہوگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کیا ہوگا۔

صحیح مسلم (۱۹۳/۱) (باب فضل السجود) میں ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رات نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گزارا کرتا تھا۔ وضو کے لیے پانی پیش کرتا یا کوئی اور حاجت ہوتی تو پوری کر دیتا تھا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

کچھ مانگ۔

میں نے عرض کیا:

«أَسْأَلُكَ مِرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ»

جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اس کے علاوہ کسی اور چیز کا؟

میں نے عرض کیا: صرف یہی میرا سوال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَاعْنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السَّجُودِ»

کثرت کے ساتھ سجدے کرتے ہوئے اپنے لیے تو بھی میری مدد کر۔ یعنی اللہ کی جتنی بھی اطاعت ہو سکتی ہے کر۔

اسی باب میں معدان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ مجھے ایسا عمل بتائیں جس کو اپنا کر میں جنت میں داخل ہو جاؤں یا وہ عمل بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین ہو۔ میری بات سن کر وہ خاموش رہے۔ میرے تیسری مرتبہ سوال دوہرانے پر انہوں نے کہا: میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا تھا آپ نے فرمایا تھا۔

کثرت سے سجدے کیا کرو۔ جب تو ایک سجدہ اللہ کے لیے کرے گا تو اللہ تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور تیرا ایک گناہ معاف فرمائے گا۔ معدان کا کہنا ہے پھر میں نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان سے بھی وہی سوال کیا اور انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو ثوبان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صلحاء کی رفاقت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اہل اسلام، اللہ اور رسول ﷺ کی عملی اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ واو عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ۔ يُطِيعُ فعل مضارع اصل میں يُطِيعُ تھا۔ مَنْ شرطیہ کی وجہ سے اس کے آخر میں جزم آگئی اور التقائے ساکنین کی وجہ سے یاء حذف ہو گئی۔ لیکن اس کو آگے لانے کے لیے اس کو زیر دینی پڑی۔ لفظ اللہ وَالرَّسُولَ اس کے مفعول۔ فَأُولَٰئِكَ اسم اشارہ پر فاء جواب شرط کی۔ مَعَ بمعنی ساتھ۔ الَّذِينَ موصولہ۔ أَنْعَمَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور فعل۔ أَنْعَمَ کے متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ کی صورت میں الَّذِينَ کا صلہ، جملے کا معنی ہے: جو بھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے پس وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیے۔

○ ﴿مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ میں مِنْ بنیائیہ۔ یعنی وہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور حق کی تصدیق کرنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق نیک عمل کرنے والے ہوں گے۔

○ ﴿وَحَسَنَ أَوْلَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ میں واو عاطفہ۔ حَسَنُ فعل ماضی۔ أَوْلَٰئِكَ اسم اشارہ۔ رَفِيقًا تمیز یا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ بہترین رفیق ہوں گے۔

﴿ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾ میں ذلک اسم اشارہ اور الْفَضْلُ مشار الیہ۔ مِنَ اللَّهِ جار مجرور۔ واو عاطفہ۔ كَفَى فعل ماضی۔ بِاللَّهِ جار مجرور۔ عَلِيمًا تمييز۔ جملے کا معنی ہے: یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا کافی ہے۔

۳۳

اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا بندوبست تیار رکھا کرو پھر (دشمن کے خلاف) چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں یا سب مل کر نکلا کرو۔

اور بے شک تم میں وہ بھی ہوگا جو (نکلنے میں) ٹال مٹول کرے گا۔ پس اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔

اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل مل جائے تو ضرور کہے گا گویا اس کے اور تمہارے درمیان کوئی دوستی نہ تھی کہ کاش میں ان کے ساتھ ہوتا اور عظیم کامیابی پالیتا۔

پس چاہیے کہ وہ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید رہے ہیں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں قتال کرتا ہے پھر شہادت پالیتا ہے یا غالب آجاتا ہے تو ہم اسے عنقریب عظیم اجر سے نوازیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْانْفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾

وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيْبِطَنَّ ۖ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالْ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يُلَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

تشریح:

اسلامی ریاست کے حکمرانوں اور اس میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو اپنی بقا اور سلامتی کا تحفظ کرنے اور

اسلام دشمن قوتوں سے مقابلہ کرنے کا بہترین طریقہ یہاں بتایا اور سمجھایا گیا ہے نیز دنیا میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کا یہی بنیادی اصول ہے کیونکہ دنیا میں حکمرانی ہمیشہ ان قوموں کے پاس رہی ہے جو دوسروں سے طاقتور ہوا کرتی تھیں اور اب بھی حکمرانی ان کے پاس ہے جن کا دفاعی نظام ایسا ہے کہ کوئی ملک ان کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور جب وہ حملہ آور ہوتے ہیں تو ہر طرف تباہی و بربادی پھیلا دیتے ہیں ایسے حملہ آوروں سے بچنے کے لیے اہل ایمان کو حکم دیا کہ اپنے بچاؤ کا ہمیشہ بندوस्त ٹھیک رکھو۔ تفسیر القرطبی میں منقول ایک قول کے مطابق ﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ سے مراد ”خُذُوا السِّلَاحَ حِذْرًا“ ہے یعنی بچاؤ کے لیے ہتھیار بند ہو جاؤ۔ سورة النساء میں ہی نماز خوف کے موقع پر اسی طریقے کو اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے لیکن عام حالات میں بھی اہل ایمان کو اپنی قوت میں اضافہ کرتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سورة الانفال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ﴾ (60)

دشمن کے مقابلے میں جتنی بھی قوت تم تیار کر سکتے ہو کرو اور گھوڑے بھی تیار رکھو، اس کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے نیز ان کے علاوہ اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے اللہ ان کو خوب جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ہر شک و شبہ سے بالاتر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا یہ واضح حکم ہے۔ اہل ایمان نے جب اس کے مطابق عمل کیا تو انہوں نے دنیا کی طاقتور ترین قوتوں کو مغلوب کر دیا اور جب اہل اسلام نے قرآنی حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی قوت کو بکھیر دیا تو دشمن ان پر غالب آ گیا۔ آج مسلمانوں کی تعداد کروڑوں میں ہے اور وسائل کی بھی کمی نہیں۔ لیکن بکھری ہوئی قوت ناکامی کا شکار ہو چکی ہے۔ طاغوتی طاقتوں نے افتراق و انتشار کا جو جال مسلم ممالک میں پھیلا رکھا ہے اس سے نکلنے اور چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اللہ ذوالجلال والا کرام کے حکم کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے والی صلاحیت پیدا کر کے اپنے دفاعی نظام کو مضبوط بنانا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے دشمن سے ٹکراؤ کی صورت میں ضرورت کے مطابق چھوٹے چھوٹے گروہوں اور پوری امت کو

اجتماعی طور پر میدان جنگ میں نکلنے کا بھی حکم فرمایا۔ کیوں کہ جنگوں میں غلبہ کے حصول کے لیے یہی حکمت عملی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد (ص ۳۹۶) میں باب باندھا ہے: وجوب النفیر وما یجب من الجہاد۔ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلنے اور جہاد کے سلسلے میں جو واجب ہے اس کا بیان پھر انہوں نے سورۃ التوبہ کی آیات نقل کی ہیں:

﴿ اِنْفِرُواْ خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (41)

ہلکے اور بھاری جسموں والے سب میدان میں نکل آئیں اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم جانتے ہو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔

خِفَافًا اور ثِقَالًا کا لغوی معنی ہلکا اور بھاری ہونا ہے لیکن امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد جوان اور بوڑھے مرد ہیں۔

سورۃ التوبہ کی دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ اِنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَّأُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴾ (38)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کی بجائے دنیا کی زندگی سے راضی ہو گئے۔ حالانکہ دنیا کی زندگی کا سامان آخرت میں معمولی سا ہوگا۔

مذکورہ باب کے تحت ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

﴿ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتَنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا ﴾

مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت نہیں ہوگی۔ لیکن جہاد اور نیت کا سلسلہ جاری رہے گا اور جب تم کو دشمن کے مقابلے میں نکلنے کے لیے کہا جائے تو نکلا کرو۔

یہ روایت کتاب الجہاد کے آغاز میں بھی منقول ہے۔

قرآنی آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام نے نہ صرف اپنا دفاع انتہائی مضبوط بنانا ہے

بلکہ جب دشمن حملہ آور ہو تو امت نے اجتماعی طور پر اس کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔ اگر قرآنی حکم کو نہ مانا گیا تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی آگاہ کر دیا۔

سورة التوبة ہی کی الفاظ ہیں:

﴿إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿39﴾

اگر تم دشمن کے مقابلے میں نہ نکلتے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلے کوئی دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

امام القرطبی نے ﴿وَأَنْفِرُوا جَمِيعًا﴾ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تمام لشکر امام یعنی حکمران وقت کی اجازت سے نکلیں گے تاکہ اس کو ان کے معاملات کی خبر رہے اور وہ ان کے پیچھے ان کا مددگار بنا رہے اور بسا اوقات لشکر اس کی دفاعی قوت کے محتاج ہوتے ہیں۔

صحیح بخاری (کتاب الجہاد، باب يُقَاتِلُ مِنْ وَرَاءِ الْإِمَامِ وَيُتَّقِي بِهِ، ص: ۴۱۵) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا حصہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتِلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقِي بِهِ فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرًا وَإِنْ قَالَ غَيْرَهُ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ»

بیشک امام ڈھال ہوتا ہے اس کی پشت پناہی میں قتال کیا جائے اور اسی کے ذریعے دشمن سے بچا جائے اگر وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور عدل کرے تو اس کو یقیناً اس کا اجر ملے گا اور اگر اس نے اس کے علاوہ کوئی اور بات کہی تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ یہاں امام کو ڈھال اس لیے کہا گیا کیونکہ سارا عسکری نظام اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک میں امت کو اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ امام سے کٹ کر جب مختلف جماعتوں کی صورت میں جہاد ہوگا تو امام کے ڈھال ہونے کا تصور ختم ہو جائے گا اور دفاعی نظام ناکام ہو جائے گا اور دشمن کے غالب آنے کا امکان بڑھ جائے گا۔

دشمن کے خلاف دفاع مضبوط کرنے کے بعد اس سے ٹکرانے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ ایسے موقعوں پر ایسے بھی لوگ ہوں گے جو ایمانی قوت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے قتال میں

شریک ہونے سے گریزاں ہوں گے اور اگر اہل اسلام کو دشمن کے خلاف ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جائے تو وہ اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کریں گے۔ جیسا کہ جنگ احد کے موقع پر عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کیا اور جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابیوں سے نوازا تو وہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش وہ بھی ساتھ ہوتے۔

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کثرت ہو گئی جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیا کرتے تھے تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو گئیں۔ کیونکہ مسلمان کی عزت و شان اس کے دین کے غلبے میں ہے۔ جب طاغوتی طاقتیں غالب ہو جائیں تو مسلمان کی آزمائش کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو آگاہ کر دیا کہ جو اللہ کی راہ میں دشمن کے حملہ آور ہونے کی صورت میں قتال کرتے ہوئے شہید ہوگا یا غالب آئے گا تو دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اس کو عظیم اجر دے گا۔

اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو اللہ یہ نکتہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حل لغات:

○ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا أَثْبَاتًا أَوْانْفِرُوا جَمِيعًا﴾ میں يَا أَيُّهَا حَرْفِ نداء۔ الَّذِينَ آمَنُوا منادی۔ خُذُوا فعل امر حاضر۔ حِذْرُكُمْ مفعول۔ انْفِرُوا بھی دونوں جگہ فعل امر۔ پہلے انْفِرُوا پر فاء تعقیب کی۔ أَثْبَاتًا اور جَمِيعًا حال ہونے کی بنا پر منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا پورا پورا بندو بست کیے رکھا کرو۔ پھر دشمن کے خلاف چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں یا سب مل کر نکلا کرو۔

○ ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيْطَنَنَّ﴾ میں واو عاطفہ۔ إِنَّ مشبہ بفعل۔ مِنْكُمْ جار مجرور اس کی خبر مقدم۔ مَنْ موصولہ پر لام تاکید کا۔ لَّيْطَنَنَّ اس کا صلہ۔ جو باب تفعیل سے فعل مضارع واحد مذکر غائب بالام تاکید و نون ثقیلہ۔ جملہ کا معنی ہے: اور بے شک تم میں وہ بھی ہوگا جو نکلنے میں ضرور دیر کرے گا۔ یعنی ٹال منول کی کوشش کرے گا۔

○ ﴿فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالْ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا﴾ میں فَإِنْ شرطیہ۔ أَصَابَتْ فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخالف کی مفعول۔ مُصِيبَةٌ فاعل۔ قَالْ فعل ماضی۔ قَدْ تحقیق کا۔ أَنْعَمَ بھی فعل ماضی، لفظ اللہ فاعل۔ عَلَيْنَا جار مجرور مفعول۔ إِذْ ظرف۔ لَمْ نفی جحد۔ أَكُنْ فعل مضارع۔ مَعَهُمْ کی ضمیر

مومنوں کی طرف راجع۔ شہیداً فعل ناقص اُکُن کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: پس تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ نہیں تھا۔

﴿وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ میں واو عاطفہ۔ لَئِنْ شرطیہ۔ أَصَابَ فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی مفعول۔ فُضْلٌ مِّنَ اللَّهِ فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل پہنچے یعنی ملے۔

﴿لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ لَّيَلَّتْنِي مَعَهُمْ فَافُوزُ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ میں لَيَقُولَنَّ فعل مضارع واحد مذکر پر لام تاکید کا اور آخر میں نون ثقیلہ۔ کَأَن مثقلہ (کَأَن) سے مخففہ۔ لَمْ نفی جحد۔ تَكُنْ فعل مضارع۔ بَيْنَكُمْ کی ضمیر مخاطب کی اور بَيْنَهُ کی ضمیر ثال مثل کرنے والے کی طرف راجع، مَوَدَّةٌ فاعل۔ کَأَن سے لے کر مَوَدَّةٌ تک یہ جملہ معترضہ۔ لَّيَلَّتْنِي کی یاء حرف ندا۔ لَئِت حرف تمنا۔ نِی ضمیر متکلم کی۔ کُنْتُ فعل ناقص مَعَهُمْ کی ضمیر مومنوں کی طرف راجع۔ فَا فُوزُ فعل مضارع جواب تمنا ہونے کی وجہ سے منسوب۔ فَوْزًا مفعول مطلق اور عَظِيمًا اس کی صفت۔ جملے کا معنی ہے۔ وہ ضرور کہے گا گویا اس کے اور تمہارے درمیان کوئی دوستی نہ تھی کہ کاش! میں ان کے ساتھ ہوتا اور عظیم کامیابی حاصل کر لیتا۔

﴿فَلْيَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ میں فَلْيَقَاتِلْ باب مفاعلة سے فعل امر غائب پر فاء تعقیب کی۔ فِي سَبِيلِ اللَّهِ جار مجرور۔ الَّذِينَ موصولہ۔ يَشْرُونَ فعل مضارع۔ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اس کا مفعول۔ بِالْآخِرَةِ کی باء بدلے کی۔ جملہ فعلیہ الَّذِينَ کا صلہ۔ جملے کا معنی ہے: پس ان کو اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہئے جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلْ أَوْ يَغْلِبْ﴾ میں واو عاطفہ۔ مَنْ موصولہ۔ يُقَاتِلْ فعل مضارع۔ فِي سَبِيلِ اللَّهِ جار مجرور۔ فَيَقْتُلْ اور يَغْلِبْ دونوں فعل مضارع۔ پہلا مجهول اور دوسرا معروف۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم۔ جملے کا معنی ہے اور جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہادت پائے یا غالب آئے۔

﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ میں سَوْفَ فعل مضارع کے معنی کو مستقبل میں کرنے کے لیے اور اس پر فاء جزائیہ یا جملہ سابقہ شرطیہ کا جواب۔ نُؤْتِيْ فعل مضارع اور اس کی ضمیر فِي سَبِيلِ اللَّهِ قتال کرنے والے کی طرف راجع۔ أَجْرًا عَظِيمًا مرکب توصیفی اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: عنقریب ہم اس کو اجر عظیم عطا کریں گے۔

۲۴

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے قتال نہیں کرتے جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی حمایتی بنادے اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی مددگار بنادے۔

جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ پس (اے اہل ایمان!) تم شیطان کے دوستوں سے قتال کرو۔ بے شک شیطان کی چال بہت کمزور ہے۔

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر ان پر جب قتال فرض ہوا تو ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے ایسے ڈرتی ہے جیسے اللہ سے ڈرنا ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں اور انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں لکھ دیا تو نے ہمیں تھوڑی سی اور زندگی کیوں نہ گزارنے دی۔ آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان تو بہت کم ہے اور آخرت اس کے لیے بہتر ہے جو صاحب تقویٰ ہوا اور تم پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۚ قُلْ مَتَاءُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۖ

77

وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا

تشریح:

اسلامی جہاد و قتال کے حکیمانہ تصور کو مسخ کر کے طاغوتی طاقتوں نے جس چالاکي کے ساتھ مسلمانوں کو تابع کرنے اور اسلامی قوت کو پاش پاش کرنے کا سلسلہ موجودہ دور میں شروع کر رکھا ہے اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں سے لکراتی اور کامیاب ہوتی رہی ہیں اور مسلمانوں کا خون انتہائی سفاکی سے بہایا جاتا رہا ہے۔ لیکن جس دھوکہ دہی اور فریب کاری کو اب اپنایا گیا ہے ایسا پہلے نہیں ہوا کرتا تھا۔ حالانکہ قرآن و سنت کی روشنی میں جہاد و قتال کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں کہیں بھی وہ ظلم و تباہی دکھائی نہیں دے گی جس کا مظاہرہ غیر مسلم طاقتیں کرتی رہی ہیں اور کر رہی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک طرف انسانی حقوق کی بات کی جاتی ہے اور دوسری طرف حقوق کی بات کرنے والے خود انسانی حقوق کو بے دردی سے پامال کر رہے ہیں۔

جہاد و قتال کی اسلام میں اس وقت اجازت ہوئی جب غیر مسلموں کا ظلم ناقابل برداشت ہو گیا۔ سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِذْ لِلَّذِينَ يَقَاتُلُونَ بِاَنَّهُمْ ظَلِمُوا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴾ (39)

جن لوگوں سے قتال کیا جاتا ہے ان کو (جوابی قتال) اجازت اس لیے دی گئی کہ بلا شک و شبہ ان پر ظلم کیا گیا، اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قتال کے بارے میں نازل ہونے والی یہی پہلی آیت ہے۔ مزید وضاحت یوں ہوتی ہے:

﴿ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهَدَمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ (40)

وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ اگر بعض کے ساتھ بعض کو نہ روکتا تو عیسائیوں اور یہودیوں کی چھوٹی بڑی عبادت گاہوں اور مسلمانوں کی مساجد کو گرا دیا جاتا جن میں کثرت سے اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد (یعنی اس کے دین کی مدد) کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ

قوت و غلبے والا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا جہاد و قتال دنیا میں ظلم و تباہی کے لیے نہیں بلکہ ظلم و تباہی سے بچنے اور اس کو ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو اپنے دفاع پر توجہ دینے کا حکم ملا۔ دشمن حملہ آور ہو یا کسی جگہ مسلمانوں کو ظلم ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہو تو اس وقت جہاد و قتال مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری (کتاب الجہاد، باب : لا تمنوا لقاء العدو) میں مروی ہے کہ ایک موقع پر جب دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو آپ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

« أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَمْنُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُّوْا اللَّهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِي السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْنَهُمْ وَأَنْصُرْنَا عَلَيْهِمْ »
اے لوگو! دشمن سے ٹکراؤ کی تمنا نہ کرنا اور اللہ سے عافیت کا سوال کرتے رہنا۔ لیکن جب ٹکراؤ ہو جائے تو پھر صبر کرتے ہوئے مقابلہ کرنا ہے اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے پھر آپ نے دعا کی کہ کتاب کو نازل کرنے والے ہادلوں کو چلانے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے اے اللہ! دشمن کو شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔

جس دین میں تعلیم یہ دی گئی کہ دشمن سے ٹکرانے کی تمنا نہ کرنا اور اللہ سے عافیت کا سوال کرتے رہنا، اس میں ظلم و تباہی اور دہشت گردی کا تصور کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اپنے آپ کو تباہی سے بچانا اور اپنی حفاظت کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے، اگر اسلام اس کی اجازت دیتا ہے تو یہ کسی پر ظلم نہیں۔ اسلامی تاریخ کا آغاز سے مطالعہ کیا جائے تو جہاد و قتال کے بارے میں ہر غلط فہمی دور ہو جائے گی۔

۱۳ سال مکہ میں مسلمان قریش کے ظلم اور زیادتیوں کو صبر سے برداشت کرتے رہے۔ مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست جب قائم ہوئی تب بھی اہل مکہ نے پیچھا نہ چھوڑا اور جو لوگ ہجرت نہ کر سکے اہل مکہ کو ان پر بھی رحم نہ آیا۔ ان حالات میں اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ نے مکہ میں پھنسے ہوئے کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے اور ان کو دینے والے عذابوں سے نجات دلانے کے لیے جہاد و قتال کا حکم دیا۔ درحقیقت مکہ میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی دعا تھی جس کو رب العزت نے قبول فرمایا، ان کی پکار تھی: اے ہمارے رب! ان ظالموں کی ہمتی سے نکالنے کا کوئی بندوस्त کر دے۔ کسی کو ہمارا حمایتی اور مددگار بنادے۔ پکارنے والوں کی دعا رنگ لائی اور سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور مسلمانوں پر ہونے والے ظلم

وستم کا سلسلہ ختم ہوا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ۲۱ سال مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیے رکھا مدینہ پر بار بار چڑھائی کی ۶ ہجری میں عمرہ تک نہ کرنے دیا ان پر غالب آنے کے بعد رحمۃ للعالمین ﷺ نے کسی بھی ظالم سے بدلہ نہ لیا۔ بلکہ تمام اہل مکہ کو معاف کر دیا۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ اسلام بدلہ لینے والا دین نہیں۔ بلکہ درگزر کرنے اور معاف کرنے والا دین ہے۔ تاریخ میں کون سا غیر مسلم حکمران ایسا گزرا ہے جس نے ایسا رویہ مسلمانوں کے ساتھ اپنایا ہو۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے تو انسانی خون بہانے میں تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔

المستدرک حاکم اور نسائی دونوں کے کتاب الجہاد کی روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عوف اور ان کے ساتھی مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جب ہم کفر کی حالت میں تھے تو عزت والے تھے۔ مسلمان ہوئے تو ذلیل سمجھے جانے لگے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہمیں ان کفار سے ٹکرانے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی مجھے درگزر کرنے کا حکم ہے۔ لہذا تم نے ابھی کفار سے جنگ نہیں کرنی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد و قتال کا آغاز اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی۔ حالانکہ اہل مکہ ظلم کرنے میں بے دردی کی انتہا کر چکے تھے۔ صحیح بخاری (کتاب التفسیر ص ۶۶۰) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قرآن حکیم میں جن کمزوروں کا ذکر ہوا ان میں میری والدہ اور میں بھی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ اہل ایمان کا قتال اللہ کے لیے ہے جب کہ اہل کفر کا شیطان کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے شیطان کے ساتھیوں سے قتال ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یہ یقین دہانی کروادی کہ شیطان جو بھی چالیں چلے یا چیلے کرے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی ایک جماعت نے اسلامی ریاست کے قائم ہونے کے بعد جہاد و قتال سے بے رغبتی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا کہ جس دنیا کی زندگی اور اس کے سامان کی خاطر تم کتنا رہے ہو وہ تو بہت ہی کم فائدے والا ہے اور آخرت کی کامیابی اس کے لیے ہوگی جو تقویٰ اختیار کرنے والا ہوگا۔ لہذا لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرو اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ میں مَا استفہامیہ برائے تعجب مبتدا۔ لَكُمْ جار مجرور اس کی خبر۔ لَا نافیہ۔ تُقَاتِلُونَ فعل مضارع۔ جمع مذکر

حاضر (باب مفاعله) فِی سَبِيلِ اللَّهِ جَارِ مجرور۔ واو عاطفہ۔ الْمُسْتَضْعَفَيْنِ کا عطف لفظ اللہ یا سَبِيلِ پر۔ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ اس کا بیان۔ جملے کا معنی ہے: اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے قتال نہیں کرتے۔

○ ﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ میں الَّذِينَ موصول۔ يَقُولُونَ فعل مضارع۔ رَبَّنَا منادٰی اور اس کا حرف لندایا محذوف۔ أَخْرِجْ فعل امر حاضر۔ ناصمیر جمع شکلم کی۔ مِنْ حرف جر۔ هَذِهِ اسم اشارہ۔ الْقَرْيَةِ مشارالیه۔ الظَّالِمِ أَهْلُ کی صفت مقدم۔ ناصمیر الْقَرْيَةِ کی طرف راجع۔ جس سے مراد مکہ۔ امام ابن جریر کا کہنا ہے کہ جب اپنے ساتھ والے اسم کی صفت مقدم ہو تو اس کا اعراب اپنے ماقبل کے تابع ہو کر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہے۔ جیسا کہ یہاں دکھائی دے رہا ہے۔ جملے کا معنی ہے: وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

○ ﴿وَأَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ میں اجْعَلْ دونوں جگہ فعل امر۔ وَلِيًّا اور نَصِيرًا ان کے مفعول۔ لَنَا اور مِنْ لَدُنْكَ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور اپنے پاس سے ہمارے لیے حمایتی بنادے اور اپنے پاس ہی سے ہمارے لیے مددگار بنادے۔

○ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا يَتَّبِعُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَّبِعُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾ میں الَّذِينَ موصول۔ آمَنُوا اور كَفَرُوا فعل ماضی۔ يَتَّبِعُونَ فعل مضارع۔ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔

○ ﴿فَلْيَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ﴾ میں فَاتِلُوا فعل امر پر فائے تحریر۔ أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ مرکب اضافی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس تم شیطان کے دوستوں سے قتال کرو۔

○ ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ میں إِنَّ مشبہ بالفعل۔ كَيْدَ الشَّيْطَانِ مرکب اضافی اس کا اسم اور كَانَ ضَعِيفًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک شیطان کی چال بہت کمزور ہے۔

○ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ تعجب کا۔ لَمْ نفی جحد۔ إِلَى حرف جر۔

اَلَّذِيْنَ مَوْصُوْلَهٗ۔ قَبْلُ فَعْلٍ مَّاضٍ مَّجْهُولٌ لَهُمْ جَارٌ مَّجْرُورٌ۔ كُفُّوا فِعْلٌ اَمْرٌ۔ اَيَّدِيْكُمْ مَّفْعُوْلٌ۔ جملے کا معنی ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

○ ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ﴾ میں اَقِيْمُوا اور اَتُوا دونوں فعل اَمْر۔ الصَّلٰوةُ اور الزَّكٰوةُ اِن کے مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

○ ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ میں لَمَّا پر فائے عطف اور لَمَّا جب مضارع پر آئے تو آخر میں جزم دیتا ہے اور جب ماضی پر آئے تو جہین اور اِذَا کا معنی دیتا ہے۔ كُتِبَ فعل ماضی مجہول۔ عَلَيْهِمْ جَارٌ مَّجْرُورٌ۔ الْقِتَالُ كُتِبَ کا نائب فاعل۔ اِذَا حرف مفاجاة جواب لَمَّا۔ فَرِيقٌ مبتدا۔ مِنْهُمْ صفت يَخْشَوْنَ النَّاسَ اس کی خبر۔ خَشْيَةُ اللّٰهِ مرکب اضافی پر کاف تشبیہ کا۔ اَوْ حرف عطف۔ اَشَدَّ خَشْيَةً حال۔ اَشَدَّ فعل تفضیل۔ خَشْيَةً مصدر۔ جملے کا معنی ہے: اور جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے ایسے ڈرنے لگی جیسا کہ اللہ سے ڈرنا ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا۔

○ ﴿وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ میں واو عاطفہ۔ قَالُوا اور كَتَبْتَ فعل ماضی۔ پہلا جمع مذکر غائب اور دوسرا واحد مذکر حاضر۔ رَبَّنَا منادی۔ لِمَ استفہامیہ۔ عَلَيْنَا جَارٌ مَّجْرُورٌ۔ الْقِتَالُ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا۔

○ ﴿لَوْلَا اَعَزَّتْنَا اِلٰی اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ میں لَوْلَا حرف تخصیص۔ اَعَزَّتْ فعل ماضی اور ناصمیر جمع متکلم کی۔ اَجَلٍ قَرِيْبٍ مرکب توصیلی۔ حرف جرالی کی وجہ سے مجرور۔ جملے کا معنی ہے: تو نے ہمیں تھوڑی زندگی جینے کو اور کیوں نہ دی۔

○ ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ؕ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ؕ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَيَتْلٰا﴾ میں قُلْ فعل اَمْر۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا مرکب اضافی۔ مبتدا اور قَلِيْلٌ اس کی خبر اور خَيْرٌ آخرت کے بارے میں خبر۔ لِمَنِ کی لام حرف جر اور مَنْ موصولہ۔ اَتَّقٰی فعل ماضی۔ واو عاطفہ۔ لَا نافیہ۔ تُظْلَمُوْنَ فعل مضارع مجہول۔ فَيَتْلٰا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان بہت کم ہے جب کہ آخرت اس کے لیے بہتر ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۲۵

جہاں بھی تم ہو گے موت تمہیں پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں رہائش پذیر ہو جاؤ اور اگر ان کو کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے ہے۔ آپ کہہ دیں کہ (بھلائی اور تکلیف) سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات کو سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے۔

آپ کو جو بھی بھلائی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ آپ کی اپنی طرف سے ہوتی ہے اور ہم نے لوگوں کے لیے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ ہی (اس پر) گواہ کافی ہے۔

اور جس نے رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ کی اطاعت کی اور جس نے منہ پھیر لیا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم پر اطاعت لازمی ہے لیکن جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان کی ایک جماعت راتوں میں اس بات کے بارے میں مشورہ کرتی ہے جو آپ نے نہیں کہی ہوتی اور اللہ تعالیٰ لکھ لیتا ہے جو وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں۔ پس آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔

إِنَّ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۖ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۖ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَا لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اگرچہ اپنے ہاتھ سے بنایا، فرشتوں سے سجدہ کروایا لیکن ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے قانون بنایا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی کو پورا کرنے کے بعد واپس اسی کے پاس چلے جانا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں رسول اللہ ﷺ کو اس ابدی قانون کے بارے میں یوں آگاہ کیا گیا۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ﴾ ﴿34﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَنَبْلُوكُمْ بِالْأَشْرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿35﴾

اور آپ سے پہلے ہم نے کسی بشر کے لیے ہمیشہ زندہ رہنے والا قانون نہیں بنایا۔ اگر آپ فوت ہوئے تو کیا وہ زندہ رہیں گے؟ ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے اور ہم تم کو شر اور خیر کے ذریعہ آزمائیں گے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

سورۃ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ ﴿30﴾

بے شک آپ فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی یقیناً فوت ہونے والے ہیں۔

عرب کے مشہور شاعر زہیر نے اللہ کے قانون کو اپنے الفاظ میں خوب بیان کیا ہے۔

مَنْ هَابَ أَسْبَابَ الْمَنَآيَا يَلَنَّهُ
وَلَوْ رَامَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلْمٍ

جو موت کے اسباب سے ڈرا وہ اس کو پالیتے ہیں۔ اگرچہ وہ سیڑھی لگا کر آسمان کے اسباب بھی جمع

www.KitaboSunnat.com

کر لے۔

اسی بات کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ کوئی اگر موت سے بچنے کے لیے مضبوط قلعوں میں چلا جائے یا زبردست قسم کے محلات تعمیر کر لے تو بھی موت سے وہ بچ نہیں سکتا۔ درحقیقت یہ ان لوگوں کو جواب تھا جنہوں نے بارگاہ الہ میں عرض کیا تھا کہ اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا؟ ان کا خیال تھا کہ قتال میں شریک ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ظاہر ہے قتال میں انسان قتل کرتا ہے اور قتل بھی ہوتا ہے۔ اگر قتال طاغوتی ہو تو سراسر خسارے کا سودا ہوتا ہے اور قتال اگر اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو اس کی راہ میں قتل کرنے اور قتل ہونے دونوں ہی صورتوں میں فائدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فی سبیل اللہ قتال کرنے والے ہمیشہ غالب آتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اللہ کی راہ میں موت کو گلے لگانا ہی

بہترین کامیابی ہوتی ہے اور جو مرنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

دنیا داری میں غرق ہونے والے اللہ کی راہ میں قتال کرنے سے ہمیشہ کتراتے رہے ہیں اور اپنے اپنے وقتوں میں مختلف قسم کی تاویلوں کا سہارا لیتے رہے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہوئی اور اس کی سلامتی اور دفاع کے لیے قتال کا حکم ملا تو اس وقت کے منافقوں نے بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پر کئی اعتراضات کیے اور اسلام دشمنی کا اظہار ایسے انداز میں کرتے جس سے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہوں۔ جب مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے کوئی بھلائی پاتے تو اس کو اللہ کا فضل قرار دیتے لیکن جیسے ہی کوئی آزمائش ہوتی تو اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دیتے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آیت ﴿إِنْ تُصِيبْهُمْ حَسَنَةٌ﴾ یہود اور منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ جب سے یہ شخص یعنی محمد رسول اللہ ﷺ آئے ہیں ہماری کھیتی اور پھلوں میں نقصان ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود ہی وضاحت فرمائی کہ بھلائی کا ملنا اور تکلیف کا آنا یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس نے تو اعلان کر رکھا ہے ہم خیر و شر سے تمہیں آزمائیں گے۔

سورة التغابن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ١٥ ﴾

بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں اور اللہ کے پاس ہی اجر عظیم ہے۔

جن دو چیزوں کو اللہ نے فتنہ کہا، انہی دونوں کے لیے انسان اپنی زندگی کھپا دیتا ہے۔ اگر مال جائز طریقہ سے آئے اور اللہ کی راہ میں خرچ ہو تو یہ بہت بڑی بھلائی ہے۔ ایسے ہی اگر اولاد نیک صالح ہو، اللہ کی عبادت کرتے پروان چڑھے اور والدین کی زندگی کے بعد ان کے لیے صدیقہ جاریہ بن جائے تو اس سے بڑھ کر بھلائی کون سی ہو سکتی ہے اور اگر یہی دونوں چیزیں تکلیف اور آزمائش کا سبب بن جائیں حرام طریقے سے حاصل ہونے والا مال حرام کاموں میں لگا دے اور اولاد سرکشی اور نافرمانی کو اپنالے تو اس سے بڑھ کر دکھ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لیے خیر اور شر دونوں کا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور انسان کو ہر وقت اس سے عافیت کا طلب گار رہنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی نکتہ کو سمجھانے کے لیے یہ وضاحت بھی کر دی، خطاب اگرچہ محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے

لیکن قانون امت محمدیہ کے لیے بیان ہو رہا ہے کہ انسان کو پہنچنے والی تکلیف میں عموماً اس کا اپنا عمل دخل ہوتا ہے۔
سورة الشوریٰ کے الفاظ ہیں:

﴿ مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴾
جو بھی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے
گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اس وضاحت میں رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرنے اور برائی کی نسبت آپ کی طرف کرنے والوں کو بھی
جواب دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ معمول بھی رہا ہے کہ اپنے نبیوں اور رسولوں ﷺ کو ان کی مشکلات میں تسلیاں بھی دیتا رہا
ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی ملتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کی رسالت پر اللہ خود گواہ ہے۔
مخالفت کرنے والے اگر اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہوگی
کیونکہ رسول اپنے رب کا پیغام بر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپ ان پر نگہبان یا محافظ نہیں ہیں۔
آپ کا کام ان کو میرا پیغام سننا ہے۔ باقی رہی ان کی منافقت اور آپ کی کہی ہوئی باتوں میں رد و بدل کر کے آپ
کے خلاف راتوں کو مشورے کرنے والی بات تو ان کو معلوم نہیں کہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے وہ سب کچھ لکھ رہے
ہیں۔ لہذا آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں۔

اسلام پر دہشت گردی کی چھاپ لگانے والوں کو اسی ایک آیت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ خود
منافقوں کی منافقت سے آگاہ کرنے کے باوجود حکم دے رہا ہے کہ ان سے اعراض کریں آپ نے اسی کے مطابق
عمل کیا عبد اللہ بن ابی کی تمام بدخصلتوں کے باوجود آپ نے اس پر کوئی سختی نہ کی۔ کسی منافق کو اس کی منافقت کی
سزا نہ دی۔ بلکہ ہمیشہ اپنے رب پر توکل کرتے رہے اور آپ کا رب وعدہ کے مطابق آپ کی مدد فرماتا رہا اور اسلام
دشمن طاقتوں کے عزائم کو خاک میں ملاتا رہا۔

سورة الفرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَكَفَى بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ
حَبِيرًا ﴾

اور آپ اس ہمیشہ زندہ رہنے والے پر توکل کریں کہ جس نے مرنا نہیں اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح
کرتے رہیں اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا وہی کافی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے موت کا مزا چکھنا ہے یا وہ مر چکا ہے تو اس پر توکل نہیں کیا جائے گا۔ اگر کہیں ایسا ہوا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ اللہ ہمیں اس مرکزی نکتہ کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾ میں اَيْنَ مَا تَكُونُوا جملہ شرطیہ اور يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ اس کا جواب۔ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ اس کا بیان۔ تَكُونُوا کی نون شرط ہونے کی وجہ سے گری ہوئی ہے اور يَدْرِكُكُمُ کے آخر میں جزم جواب شرط ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ کُم ضمیر مخاطب کی مفعول اور الْمَوْتُ فاعل۔ بُرُوج بُرُوج کی جمع موصوف اور مُّشِيدَةٍ اس کی صفت مونث جملے کا معنی ہے: جہاں بھی تم ہو گے موت تم کو پال لے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی رہتے ہو۔

○ ﴿وَإِنْ تُصِيبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ میں واو عاطفہ۔ اِنْ شرطیہ۔ تُصِيبُ اور يَقُولُوا فعل مضارع۔ پہلا شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم اور دوسرا جواب شرط کی وجہ سے اس لیے اس کی نون اعرابی گری ہوئی ہے۔ حَسَنَةٌ فاعل۔ هَذِهِ اسم اشارہ۔ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ جار مجرور خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر ان کو کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

○ ﴿وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ﴾ میں بھی پہلے والی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے ہے۔

○ ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ قُلْ فعل امر۔ كُلُّ اسم۔ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔

○ ﴿فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾ میں مَا استفہامیہ پر فاء استینافیہ۔ لام حرف جر۔ هَؤُلَاءِ اسم اشارہ هَذَا وَهَذِهِ کی جمع الْقَوْمِ مشار الیہ۔ لَا نافیہ۔ يَكَادُونَ فعل۔ مقاربہ۔ يَفْقَهُونَ فعل مضارع حَدِيثًا اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس کیا ہے ان لوگوں کو کہ ایک بات بھی سمجھنے کے قریب نہیں ہو رہے ہیں۔

○ ﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ میں مَا دونوں جگہ

شرطیہ۔ اَصَابَكَ کی ضمیر کاف مخاطب کی۔ مِنْ حَسَنَةٍ اور مِنْ سَيِّئَةٍ جار مجرور۔ فَمِنْ اللّٰهِ اور فَمِنْ نَفْسِكَ دونوں جگہ مِنْ پر فاء جواب شرط کی۔ جملے کا معنی ہے: جو بھی بھلائی آپ کو ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو بھی تکلف آپ کو پہنچتی ہے وہ آپ کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔

﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا﴾ میں واو عاطفہ۔ أَرْسَلْنَا فعل ماضی سے جمع متکلم اور کاف ضمیر مخاطب کی۔ مفعول۔ یعنی رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔ لِلنَّاسِ جار مجرور۔ رَسُولًا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

﴿وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا﴾ میں كَفَى فعل ماضی۔ بِاللّٰهِ جار مجرور۔ شَهِيدًا بیان ہونے کی وجہ سے منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اور آپ کی رسالت کے حق ہونے پر اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يُطِيعُ اصل میں يُطِيعُ تھا۔ مَنْ کی وجہ سے آخر میں جزم آگئی اور پھر النقایے ساکنین کی وجہ سے ”یا“ حذف ہوگئی۔ لفظ الرَّسُولُ مفعول۔ فَقَدْ کی فاء جواب شرط اور قَدْ تحقیق کا۔ أَطَاعَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے بے شک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

﴿وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ میں بھی مَنْ شرطیہ۔ تَوَلَّى فعل ماضی۔ فاء جواب شرط ما نافیہ۔ أَرْسَلْنَاكَ فعل ماضی۔ اس کے ساتھ ضمیر کاف رسول اللہ ﷺ سے خطاب کی۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور۔ حَفِيظًا کاف ضمیر کا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے منہ پھیر لیا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ﴾ میں يَقُولُونَ اور تَقُولُ دونوں فعل مضارع۔ بَرَزُوا اور بَيَّتَ فعل ماضی۔ طَاعَةٌ مصدر۔ إِذَا ظرف۔ مِنْ عِنْدِكَ جار مجرور۔ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ سے مراد منافقوں کی جماعت۔ غیر لازم الاضافۃ۔ الَّذِي موصولہ۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اطاعت کرنی ہے۔ لیکن جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت اس کے خلاف راتوں میں مشورہ کرتی ہے جو آپ نے نہیں کہا ہوتا۔ یعنی جو بات آپ نے کہی تھی اس کو بدل دیتی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يَشِئُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا﴾ میں لفظ اللہ

مبتدا۔ یُکْتَبُ فعل مضارع۔ اپنے مابعد موصول اور صلہ سے مل کر اس کی خبر۔ مَا مَوْصُولٌ۔ یُسَيِّتُونَ فعل مضارع کی ضمیر مستتر منافقوں کی طرف راجع۔ اَعْرَضَ اور قَوَّضَ کل دونوں فعل امر۔ عَنْهُمْ عَلَي اللہ اور بِاللہ جار مجرور۔ تَخْفَى فعل ماضی۔ حال۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ وہ لکھ رہا ہے جو وہ مشورے کرتے ہیں۔ پس آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں اور کار سازی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

۲۶

کیا بھلا وہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

اور جب ان کو امن یا خوف کے کسی معاملے کی خبر ملتی ہے تو اس کی بہت تشہیر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس کو پیغمبر (ﷺ) کی طرف اور اپنے میں سے اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے تو اس (کی حقیقت) کو وہ لوگ معلوم کر لیتے جو استنباط (نتیجہ اخذ) کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو قلیل تعداد کے علاوہ تم ضرور شیطان کی اتباع کرتے۔

پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کرتے رہیں اس میں آپ صرف اپنے نفس کے بارے میں مکلف ہوں گے اور مومنوں کو آپ رغبت دیتے رہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی جنگ روک دے جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ لڑائی میں سختی کرنے والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۚ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَ عَنْهُمْ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٤﴾

تشریح:

سیدھا سادہ سادہ علمی اصول ہے کہ جب کسی کتاب کو توجہ اور انہماک سے پڑھا جائے تو اس میں دیا ہوا پیغام یا بیان ہونے والا مضمون ذہن نشین ہو جائے گا۔ اگر اس کتاب کو بار بار پڑھا جائے تو پڑھنے والا اس کا حافظ بن جائے گا اور مضمون کے ہر پہلو کی گہرائی تک اس کی رسائی ہو جائے گی غور و فکر کرنے کی اس کو عادت پڑ جائے گی۔

قرآن حکیم کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب سمجھتے اور اس پر ایمان رکھتے ہوئے پڑھا جائے اور کسی قسم کے شیطانی وسوسے کو قریب نہ آنے دیا جائے تو یہ کتاب انسان میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ راہ حق سے بھٹکنے والے کو جنت کی طرف جانے والی راہ پر گامزن کر دیتی ہے۔ گناہوں میں غرق ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے سے نہ صرف بچاتی ہے بلکہ توبہ کرنے پر تمام گناہوں کی بخشش کی بشارت دیتی ہے۔ تائب ہونے والوں کو نیک اعمال میں لگ جانے پر گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کیے جانے کا پیغام دیتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں کامل رہنمائی مہیا کرتی ہے۔ جو تکبر و غرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی تعلیم کو ٹھکراتے ہیں اور شیطانی راہ پر ڈٹے رہتے ہیں تو تباہ و برباد ہونے والی سابقہ قوموں کے واقعات بیان کر کے ان کو بُرے انجام سے آگاہ کرتی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی تعلیم کو جس طرح مسخ کیا، اس کی پوری طرح نشان دہی کرتی ہے۔ اس کتاب کی انتہائی خوبصورتی یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہونے والے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی تصدیق کرنے کے ساتھ ان کو ملنے والی کتابوں اور صحیفوں کو ان کی اصلی حالت میں تسلیم کرنے کا حکم دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے تمام نبیوں کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جس طرح وہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تدبر کا حکم دیا۔ تدبر کا معنی ہے کہ جو عمل کیا جاتا ہے اس کے نتائج اور انجام پر غور و فکر کیا جائے۔ یعنی قرآنی تعلیم کو اپنانے یا ٹھکرانے کا انجام کیا ہوگا، اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ سورۃ محمد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ [24]

کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ

وَأَمْلَى لَهُمْ ﴿25﴾

بے شک وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں پر پھر گئے جب کہ ہدایت ان پر واضح ہو گئی۔ شیطان نے ایسا کرنا ان کے لیے مزین کر دیا اور ان کو ملنے والی ڈھیل کی طرف لگا دیا۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ﴾ ﴿26﴾

یہ اس لیے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اسے ناپسند کیا جو کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا عنقریب ہم تمہاری بعض معاملات میں اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے خفیہ مشورے کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسا پروگرام بنانے والوں کو متنبہ کر دیا۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ﴾ ﴿27﴾

پس اس وقت کیا ہوگا جب ان کو فرشتے اس حال میں فوت کریں گے کہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگا رہے ہوں گے۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ ﴿28﴾

یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے بلاشبہ اس کی اتباع کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کو ناپسند کیا پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

اس سے عیاں ہوتا ہے کہ شیطان ہی انسان کے برے اعمال کو اس کی نظروں میں مزین کرتا ہے اور موت کے تصور کو اس کے ذہن میں آنے نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی زندگی اور اس میں آزمائش کے طور پر حاصل ہونے والی نعمتوں میں اس طرح اس کو مصروف و مشغول کر دیتا ہے کہ زندگی اور نعمتوں سے نوازنے والے کی طرف اس کو رجوع کرنے اور اس کا شکر گزار بندہ بننے کا خیال ہی اس کے دل و دماغ میں نہیں آتا اور وہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ اس نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں نے کبھی بھی زائل نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے سورة البقرہ میں شیطان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ﴿208﴾

شیطان کی پیروی نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

سورة النور کے الفاظ ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

جو شیطان کی پیروی کرے گا تو اس کو جان لینا چاہئے کہ وہ بے شک فحاشی اور اسلام میں ممنوعہ کاموں کا حکم دیتا ہے۔

یعنی اپنی پیروی کرنے والوں کو برے کاموں میں لگا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہی بات سمجھانے کے لیے یہود و نصاریٰ اور منافقوں کو قرآن میں تذکرہ کا حکم دیا اور ان کو بتایا کہ اگر اس کا نازل کرنے یا بنانے والا کوئی اور ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف ہوتا۔ اس میں جو فصاحت و بلاغت ہے، مضامین میں جو ربط ہے، آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عہد مبارک تک پہلی قوموں کے واقعات کی جو صحت ہے، دینی اور دنیوی معاملات میں جو راہنمائی مہیا کی گئی ہے، کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام عمل پر جس طرح روشنی ڈالی گئی ہے، اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

قرآن حکیم کی حقانیت کو ثابت کرنے کے بعد ایک ایسی بات کا بھی ذکر ہوا ہے جس میں اہل اسلام میں سے کمزور ایمان والوں کو بھی شامل کر لیا گیا کہ جب امن یا خوف سے تعلق رکھنے والے کسی معاملے کی خبر آئے تو سوچے سمجھے بغیر اس کی تشہیر نہیں ہونی چاہئے۔ اکثر لوگوں میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ جیسے ہی کوئی بات ان کو کسی طرف سے پہنچتی ہے تو اس کو فوراً دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس کے سچی یا جھوٹی ہونے کی پروا نہیں کرتے۔ صحیح مسلم (۸/۱) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو سنے وہ بیان کر دے۔

سن ابی داؤد ص ۶۸۱ میں کذباً کی جگہ اثماً کا لفظ (یعنی گناہ) منقول ہے۔

سورة الحجرات میں اہل ایمان سے خطاب ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم جہالت کی بنا پر کسی قوم کو نقصان پہنچا دو۔ پھر جو تم نے کیا اس پر تمہیں نادم ہونا پڑے۔

ہمارے ہاں عام رواج ہے کہ اخبارات میں ایسی خبریں چھپتی ہیں کہ جن کی تحقیق نہیں کی جاتی۔ بلکہ لوگوں میں جان بوجھ کر اضطراب پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ امن یا خوف والے معاملے کی خبر پہلے رسول اللہ ﷺ یا کبار صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچائی جائے تاکہ خبر کے سچ یا جھوٹ ہونے میں کوئی شک نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر اپنے خاص احسان کا ذکر یوں فرمایا کہ اگر اس کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو تمہاری اکثریت شیطان کے جال میں پھنس جاتی۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ملتا ہے کہ آپ کے ماننے والے اس میں شریک ہوتے ہیں یا نہیں۔ لیکن آپ نے اس کو جاری رکھنا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر آمادہ کرتے رہنا ہے کیونکہ کفار کو لڑائی سے باز رکھنے کا یہی ایک طریقہ کار گر ہوتا ہے۔ دنیا میں عام معمول ہے کہ طاقتور سے ٹکر لینا مشکل ہوتا ہے۔ جب اہل اسلام اپنا دفاع مضبوط کر کے ہر حملہ آور سے قتال کے لیے تیار ہوں گے تو دشمن حملہ کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس سے بڑھ کر قوت و طاقت والا اور سزا دینے والا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بھی غور و فکر کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ لا نافیہ پر فاء وجوبی۔ يَتَذَكَّرُونَ فعل مضارع۔ الْقُرْآنَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے؟
- ﴿وَلَوْ كُنَّا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ میں لَوْ شرطیہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ مِنْ حرف جر۔ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ مجرور۔ یہاں تک جملہ شرط اور بعد والا جواب شرط۔ لَوَجَدُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب پر لام جواب شرط۔ فِيهِ کی ضمیر ہ، الْقُرْآنَ کی طرف راجع۔ اخْتِلَافًا کثیرًا مرکب توصیفی مفعول۔ پورے جملے کا معنی ہے: اور اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

- ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ﴾ میں وَآو عاطفہ۔ إِذَا شرطیہ۔ جَاءَ فعل ماضی۔ هُمْ اس کا مفعول۔ أَمْرٌ فاعل۔ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ بیان۔ أَذَاعُوا بِهِ جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کے کسی معاملے کی خبر آتی ہے تو اس کی بڑی تشہیر کرتے ہیں۔

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ لو حرف شرط۔
 رَدُّوا فعل ماضی کی ضمیر ہ آلامر کی طرف راجع۔ اِلَی الرَّسُولِ اور اِلَی أُولَى الْأَمْرِ جار مجرور۔ مِنْهُمْ بھی
 جار مجرور۔ یہاں تک شرط اور اگلا حصہ اس کا جواب۔ لَعَلِمَهُ کی لام تاکیدری جواب شرط۔ عَلِمَ فعل ماضی۔ ہ
 ضمیر بھی الْأَمْرِ کے طرف راجع۔ الَّذِينَ موصولہ۔ يَسْتَنْبِطُونَ فعل مضارع اور ہ ضمیر میں الْأَمْرِ کی طرف
 راجع۔ مِنْهُمْ جار مجرور۔ پورے جملے کا معنی ہے: اور اگر وہ اس کو رسول اللہ ﷺ اور اپنے میں سے اولی
 الامر کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے استنباط کرنے والے ضرور اس کی حقیقت جان لیتے۔ یعنی قرآن و
 سنت کی روشنی میں حل طلب معاملے کا حل تلاش کر لیتے۔

﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ میں لو حرف شرط۔ لا نافیہ۔ فَضْلُ
 اللہ اور رَحْمَتُهُ دونوں مرکب اضافی۔ عَلَيْكُمْ جار مجرور۔ جملے کا یہ حصہ شرط اور اگلا اس کا جواب۔
 لَا تَّبَعْتُمْ، اِتَّبَعْتُمْ فعل ماضی پر لام جواب شرط تاکیدری۔ الشَّيْطَانَ مفعول۔ إِلَّا حرف استثنائی اور قَلِيلًا مستثنیٰ۔
 پورے جملے کا معنی ہے: اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو قلیل تعداد کے علاوہ تم سب
 شیطان کی اتباع ضرور کرتے۔

﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسُكَ وَجَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں قَاتِلْ فعل امر پر فاء تاکید
 و تحریض کی۔ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مرکب جاری۔ لا نافیہ۔ تُكَلَّفُ فعل مضارع مجہول۔ إِلَّا حرف استثناء۔
 نَفْسُكَ مستثنیٰ۔ واو عاطفہ۔ جَرِّضْ بھی فعل امر۔ الْمُؤْمِنِينَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس آپ اللہ
 تعالیٰ کی راہ میں قتال کریں۔ آپ ﷺ کو صرف اپنے نفس کا مکلف بنایا گیا ہے اور آپ ﷺ مومنوں کو
 قتال کی رغبت دیتے رہیں۔

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِ بِأَسِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ میں عَسَى فعل مقارب۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ اَنْ ناصبہ۔
 يَكْفِ فعل مضارع۔ بِأَسِ مفعول۔ الَّذِينَ موصولہ۔ كَفَرُوا اس کا صلہ۔ اَنْ يَكْفِ سے آخر تک عَسَى کی
 خبر۔ جملے کا معنی ہے: ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی لڑائی کو روک دے جنہوں نے کفر کیا۔

﴿وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا﴾ میں دونوں جگہ أَشَدُّ افعِل تفضیل۔ تَنكِيلًا مصدر۔ جملے کا معنی
 ہے: اور اللہ تعالیٰ لڑائی میں سختی کرنے والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔

۲۷

جو کوئی اچھے کام میں سفارش کرے گا تو اس کے لیے اس میں سے حصہ ہوگا اور جو کوئی برے کام کے لیے سفارش کرے گا تو اس میں سے اس کے لیے بھی حصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا حافظ و نگہبان ہے۔

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دیا کرو یا اتنا ہی جواب لوٹایا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ تمہیں قیامت کے روز ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

تمہیں کیا ہو گیا کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اوندھا کر دیا اس کے سبب جو انہوں نے کیا۔ کیا تم ارادہ رکھتے ہو کہ تم ان کو راہ راست پر لے آؤ کہ جن کو اللہ نے ان کے بُرے اعمال کی بنا پر گمراہی میں غرق کر دیا، اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوها ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾
اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ لِيَجْمَعَ بَيْنَكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَكْسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾

تشریح:

سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ اس میں ہر فرد اپنے مسلمان بھائی کی خدمت کرنے میں کوشاں رہتا۔ اگر کسی بھلے کام کے لیے کسی سے سفارش کرنی ہوتی تو اس

میں کسی قسم کی بجلی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی یہی تعلیم تھی۔

بخاری ص ۱۹۲ مسلم (۳۳۰/۲) میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی حاجت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اس کی حاجت پوری کرنے یا کرانے سے پہلے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے جو اس وقت آپ کے پاس حاضر ہوتے۔

«إِشْفَعُوا فَلْتُجَرُّوا وَلَيَقْضِيَ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ مَا أَحَبَّ»

شفاعت کرو، تاکہ تمہیں اجر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہ حکم جاری کرانے کا جو وہ پسند کرتا ہے یا چاہتا ہے۔

بہترین شفاعت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی بھلائی کے لیے رب العالمین سے دعا کرتا ہے۔ صحیح مسلم (۳۵۲/۲) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

«دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ مُسْتَجَابَةٌ، عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا

لأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ: آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلِ»

مسلمان آدمی کی اپنے بھائی کے لیے کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے۔ اس کے سر کے پاس ایک مقرر کردہ فرشتہ موجود ہوتا ہے، مسلمان جب بھی اپنے بھائی کیلئے بھلائی کی دعا کرتا ہے تو مقرر کیا گیا فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ تیری دعا قبول کرے اور اسی کی مثل تجھے بھی نصیب ہو۔

جامع الترمذی (۱۰۸/۲) میں حضرت بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کے لیے ایک جانور کا سوال کیا جو آپ ﷺ کے پاس نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو ایک اور شخص کا پتا بتایا۔ جس نے اس کو ایک سواری دے دی۔ اس نے واپس آ کر جب نبی پاک ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَّاعِلُهُ»

بے شک بھلائی کی راہ دکھانے والا بھلا کام کرنے والے ہی کی طرح ہوتا ہے۔

جس طرح بھلائی کے کام میں سفارشی کو حصہ ملتا ہے، اسی طرح برے کاموں کے سفارشی کو برائی میں سے حصہ دیا جاتا ہے جو اس کو برے انجام تک پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ کے ابواب الدیات ص ۱۸۸ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو نفس ظلماً قتل کیا جاتا ہے اس میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کا حصہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ سب

سے پہلے اس نے یہ کام کیا۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

جو کسی مومن کے قتل میں معمولی سی لفظی معاونت کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یعنی اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم و مایوس ہونے والا ہے۔

قرآن و سنت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ سفارش بھلائی میں محمود ہے اور برائی میں مذموم ہے۔ لہذا سفارش کرنے اور کروانے والے کو اس کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر حافظ و نگہبان ہے۔ دنیا میں اسلام کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں، ان سے تعلق رکھنے والے جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنے رسم و رواج کے مطابق کلمہ خیر کا تبادلہ کرتے ہیں۔ لیکن اسلام میں جو طریقہ اپنایا گیا ہے، اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی۔

صحیح بخاری (کتاب الاستیذان، باب بدء السلام) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنی صورت پر کی اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کرنے کے بعد جان ڈال دی تو ان سے فرمایا جاؤ اور فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہے، ان کو سلام کرو۔ وہ جو جواب دیں اس کو سنو۔ پس سلام کرنے کا تیرا اور تیری اولاد کا وہی طریقہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے کہا: السلام علیکم۔ تم پر سلامتی ہو۔ فرشتوں نے جواب میں کہا:

«السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَزَادُوهُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ»

تم پر بھی سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو یعنی انہوں نے رحمتہ اللہ کا اضافہ کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے طور پر نقل کیا ہے:

«السَّلَامُ إِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ»

السَّلَامُ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات عالیہ ہر قسم کے نقص و عیب سے سلامت ہے۔ لہذا جب ایک مسلمان اپنے بھائی مسلمان سے ملتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی سلامتی والے نام کا تحفہ دیتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے نام کا تحفہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو حکم دیتا ہے کہ وہ جواب میں اسی طرح اضافہ کرے جس طرح فرشتوں نے کیا یا اتنا ہی جواب

ضرور دے۔ علمائے امت کا اجماع ہے کہ سلام کرنا مسنون ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوها﴾

پس سے بہتر تحفہ دو یا اتنا ہی جواب دے دو۔
سورة النور میں ارشاد ہوا ہے۔

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ ﴿61﴾﴾

جب تم گھروں میں داخل ہوتے ہو تو اپنے اہل کو سلام کیا کرو۔ کیوں کہ وہ اللہ کی طرف سے ملنے والا بابرکت پاک تحفہ ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر نے ابو بکر البزار کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے پانچ عمل کرنے کی وصیت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے انس! وضو کو اچھی طرح پورا کیا کرو، اس سے تیری عمر میں اضافہ ہوگا۔ میرے جس امتی سے تیری ملاقات ہو، اس کو سلام کیا کر، یہ عمل تیری نیکیوں کو بڑھائے گا۔ جب تو اپنے گھر میں داخل ہوا کرے تو اپنے اہل کو سلام کیا کرو۔ ایسا کرنا تیرے گھر کی بھلائی کو زیادہ کرے گا۔ اور ضخیٰ کی نماز پڑھا کر۔ تجھ سے پہلے اللہ والوں کا یہی طریقہ تھا۔ اے انس! چھوٹی عمر والے پر رحم کیا کرنا اور بڑے کی عزت کرتے رہنا۔ قیامت کے روز تو میرے رفقاء میں سے ہوگا۔

صحیح مسلم کی کتاب الایمان کے باب افشاء السلام (۵۴۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک اہل ایمان نہ بن جاؤ اور اس وقت تک اہل ایمان نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے کو محبوب نہ بنا لو۔ کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جس کو اپنا کر تم ایک دوسرے کے محبوب بن جاؤ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ «أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ» آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا عام کرو یعنی اپنے درمیان اس کو پھیلا دو۔

جامع الترمذی کے ابواب الاستیذان میں اس روایت سے پہلے آپ کا قسم کھانا بھی مروی ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک صحابی نے السَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دس نیکیاں۔“

دوسرے صحابی آئے تو انہوں نے کہا۔

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ»

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نیکیاں۔

تیسرے آئے تو انہوں نے کہا۔

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ»

آپ ﷺ نے فرمایا: تمیں نیکیاں۔

بخاری ص ۹۲۱ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا اسلام خیر ہے؟ آپ نے فرمایا: تو کھانا کھلائے اور جس کو جانتا یا نہ جانتا ہو۔ اس کو سلام کرے مشاہدے اور تجربے کی بات ہے کہ سلام کرنے سے محبت پیدا ہو کر بڑھتی ہے اور نیکیوں کے معاملے کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خود وضاحت کر دی ہے جو احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ سلام کا تحفہ لینے دینے کے حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ ہر شے کا حساب رکھنے والا ہے۔ یعنی اس بارے جتنا عمل کرو گے اتنا ہی نیکیوں کے کھاتے میں اس کو پاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے بارے میں اعلان فرمایا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی نے تمام مخلوق کو قیامت کے روز جزا یا نزا دینے کے لیے اکٹھا کرنا ہے۔ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ اللہ سے بڑھ کر کچی اور سچی بات کرنے والا کوئی اور نہیں۔

جنگ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے الگ ہو گیا تھا۔ اہل اسلام جب میدان احد سے واپس ہوئے تو منافقوں کے بارے میں ان کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک کا خیال تھا کہ ان سے قتال کیا جائے۔ کیوں کہ انہوں نے آزمائش میں ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ جب کہ دوسرے کا خیال تھا کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے ہو سکتا ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ بخاری ص ۶۶ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآنی آیت نازل کر کے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ منافقوں نے جو کچھ کیا یہ ان کی منافقت کا نتیجہ تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے وہ حق سے دور ہو کر گمراہی میں ہی غرق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر بھی واضح کر دیا کہ جن کو ان کی منافقت کی بنا پر اللہ تعالیٰ راہ حق سے دور کر دے، ان کو تم راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ یہ وضاحت بھی ہو گئی کہ آپ ان کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پائیں گے۔ یعنی ان کو ان کے برے انجام سے کوئی بچا نہیں سکے گا۔ جب سید الانبیاء ﷺ ان کی

مد نہیں کر سکیں گے تو کوئی اور ان کا مددگار کیسے ہوگا؟

یہاں یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ انسان جو راہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اسی پر لگا دیتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ حسیب ہونے کے ناطے وہ نیک کاموں کی جزا نیک اور برے کاموں کی سزا سخت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر برائی سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

○ ﴿مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَشْفَعُ فعل مضارع۔ شَفَاعَةٌ حَسَنَةٌ مرکب توصیفی، مفعول مطلق، يَكُنْ فعل مضارع جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم۔ لَهُ جار مجرور۔ هُ ضمیر مَنْ کی طرف راجع۔ نَصِيبٌ فاعل۔ مِنْهَا کی ضمیر ہا۔ شَفَاعَةٌ حَسَنَةٌ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے: جو کوئی کسی بھلائی اور نیکی کے کام میں سفارش کرے گا۔ اس میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا۔

○ ﴿وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا﴾ میں شَفَاعَةٌ حَسَنَةٌ کے برعکس شَفَاعَةٌ سَيِّئَةٌ آیا ہے۔ یعنی جو کوئی کسی برے کام کی سفارش کرے گا تو اس میں سے اس کا بھی حصہ ہوگا۔

○ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا﴾ میں واو عاطفہ، كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ اگلا جملہ اس کی خبر۔ مُقِيتًا، أَقَاتٌ يُقِيتُ سے اسم فاعل۔ پورے جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا حافظ و نگہبان ہے۔

○ ﴿وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا﴾ میں واو عاطفہ۔ إِذَا شرطیہ۔ حُيِّتُمْ فعل ماضی مجہول۔ بِتَحِيَّةٍ جار مجرور۔ تَحِيَّةٌ باب تفعیل سے حُیّ کا مصدر۔ جیسے تَسْمِيَةٌ اور تَرْصِيَةٌ ہوتے ہیں۔ تَحِيَّةٌ اصل میں تَحِيَّةٌ تھا۔ یاء کو یاء میں ضم کر دیا گیا۔ فَحَيُّوا کی فاء جواب شرط لازم حَيُّوا اور رُدُّوْا فعل امر۔ بِأَحْسَنَ جار مجرور ہونے کے باوجود أَحْسَنَ (فعل تفضیل) کے آخر میں غیر منصرف ہونے کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ مِنْهَا کی ضمیر ہا بِتَحِيَّةٍ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور جب تمہیں سلامتی کا تحفہ دیا جائے تو تم اس سے بہتر تحفہ دو یا اتنا ہی جواباً لوٹا دو۔ یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر الفاظ میں لوٹاؤ۔

○ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ میں إِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور كَانَ فعل ناقص اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ حَسِيبًا باب حَسَبَ يَحْسُبُ حِسَابًا سے فَعِيلُ کے وزن پر صفت

مشبہ۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ میں لفظ اللہ مبتدا باقی اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

﴿لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ میں لِيَجْمَعَنَّكُمْ کی ضمیر کم مخاطب کی۔ يَجْمَعَنَّ فعل مضارع تاکید پر لام قسمیہ۔ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مرکب اضافی الی کی وجہ سے مجرور۔ لَا نَفْيِ جنس کا۔ رَيْبُ رَابِ يَرْيُبُ اجوف یائی سے مصدر۔ فِيهِ کی ضمیر ہ یَوْمِ الْقِيَمَةِ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: وہ یعنی اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ میں واو عاطفہ۔ مَنْ استفہام انکاری، أَصْدَقُ افعِل تفضیل۔ مِنَ اللہ جار مجرور۔ حَدِيثًا تمیز۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ﴾ میں ما استفہامیہ پر فاء استیثانیہ۔ لَكُمْ جار مجرور کی ضمیر کُم مخاطب کی۔ فِي الْمُنَافِقِينَ جار مجرور۔ فِتْنَةٍ تشبیہ کا صیغہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب۔ جملے کا معنی ہے: پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہو۔

﴿وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا﴾ میں أَرْكَسَ فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر مفعول اور لفظ اللہ اس کا فاعل۔ بِمَا کی باء سببیہ اور ما موصولہ۔ كَسَبُوا افعِل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے سبب اوندھا کر دیا کہ جو عمل انہوں نے کیے۔

﴿أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْذُوا مِنْ أَصْلِ اللَّهِ﴾ میں ہمزہ استفہام کا۔ تُرِيدُونَ فعل مضارع۔ أَنْ ناصب۔ تَهْذُوا فعل مضارع کی نون اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ مِنْ موصولہ۔ أَصْلُ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: کیا تم ارادہ رکھتے ہو کہ ان کو راہ راست پر لے آؤ کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے (ان کے برے اعمال کی وجہ سے) گمراہی میں غرق کر دیا۔

﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يُضِلِلُ فعل مضارع۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ لَنْ نفی مستقبل تاکید پر فاء جواب شرط۔ تَجِدَ فعل مضارع مثال واوی کے آخر میں زیر لَنْ کی وجہ سے آئی ہے۔ لَہ جار مجرور۔ سَبِيلًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے، آپ اس کے لیے ہرگز ہدایت کی راہ نہیں پائیں گے۔

۲۸

ان کی چاہت ہے کاش تم بھی اسی طرح کفر کرو کہ جس طرح انہوں نے کفر کیا، تاکہ تم ان کے برابر ہو جاؤ، پس تم ان میں سے اس وقت تک کسی کو دوست نہ بناؤ کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت نہ کریں، اگر وہ پھر جائیں تو ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اور ان میں سے دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

سوائے ان کے کہ جو اس قوم سے جا ملیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی عہد ہو یا وہ اس حال میں تمہارے پاس آئیں کہ ان کے سینے اس بات پر تنگ ہو کہ وہ تم سے یا اپنی قوم سے قتال کریں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر ضرور مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور قتال کرتے، پس وہ اگر تم سے الگ رہے اور تم سے انہوں نے قتال نہ کیا اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف قتال کرنے کی تمہارے لیے راہ نہیں بنائی۔

عنقریب تم دوسرے ایسے بھی پاؤ گئے کہ جو چاہتے ہیں کہ تم سے اور اپنی قوم سے امن میں رہیں لیکن جب بھی فتنے کی طرف ان کو لوٹا دیا جاتا ہے تو اس میں اوندھے کیے جاتے ہیں پس اگر وہ قتال سے سے الگ

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يَهْجُرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا أَفْخَذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۸۹﴾

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءَ وَكُمْ حَصْرَتِ صُدُورُهُمْ أَنْ يَقَاتِلُوكُمْ أَوْ يَفْقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ ۚ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يَفْقَاتِلُوكُمْ وَالْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿۹۰﴾

سَتَجِدُونَ الْآخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلًّا رَدُّوْا إِلَى الْقِتَّةِ أُرْكُسُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ

نہ ہوئے اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ بھیجا اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکا تو تم ان کو پکڑو اور جہاں بھی وہ ہوں ان کو قتل کرو، وہی ہیں کہ جن پر ہم نے تمہارے لیے واضح دلیل کر دی ہے۔

وَيَكْفُوا أَيَدِيَهُمْ فَخَذُوهُمْ
وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ
وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا
مُّبِينًا ﴿٩١﴾

تشریح:

حق کو ٹھکرانے والوں کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ اہل حق کو بھی حق سے کسی نہ کسی طرح دور کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور سنانے والے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت میں ایسے لوگوں نے حق کو اس بے دردی سے ٹھکرایا کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور ان کو مختلف عذابوں کے ذریعے تباہ و برباد کر دیا گیا۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ کفار اور منافقوں نے بڑی کوشش کی کہ حق کو پھیلنے سے روکا جائے اور حق قبول کرنے والوں کے دلوں میں شکوک پیدا کیئے جائیں اور ان کو کفر کی طرف واپس لوٹنے کی رغبت دلائی جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا اور اہل حق کو ہر موقع پر کفار اور منافقوں کی چالوں اور حیلوں سے آگاہ فرمایا۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ﴿١٠٩﴾﴾

اہل کتاب میں سے کثیر تعداد کی چاہت ہے، کاش کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر سے تمہیں کفر کی طرف لوٹ دیں۔

سورۃ آل عمران کے الفاظ ہیں:

﴿وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ ﴿٦٩﴾﴾

اہل کتاب کی ایک جماعت نے چاہا، کاش کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں۔

انسان کا عجیب معاملہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنی سوچ، فکر اور عمل کو ہمیشہ درست سمجھتا رہا ہے اور اسی کے مطابق دوسروں کو تابع کرنے یا قاتل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ شیطان ہر انسان کو اسی طرح گمراہ کرتا رہا ہے اور اب بھی کر رہا ہے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کافروں اور منافقوں نے چاہا کہ اسلام کی وجہ سے مسلمانوں اور ان کے درمیان جو تفریق ہو گئی ہے، وہ کسی نہ کسی طرح ختم ہو جائے یا ختم کر دی جائے تاکہ پھر سب کفر پر یکساں ہو جائیں۔ یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں شروع ہوا لیکن اہل ایمان کے مضبوط ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے بری طرح ناکام ہو گیا۔ اہل کتاب، کفار اور

منافق قسم کے لوگ پھر سے متحرک ہو کر اہل اسلام کو اپنی متعین کردہ سطح پر لانے میں کوشاں ہو گئے ہیں اب اہل اسلام کا کام ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کریں اور قرآن حکیم میں دی گئی راہنمائی سے فائدہ اٹھائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں واجب تھا کہ اہل ایمان مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کریں تاکہ اسلامی ریاست کی قوت و طاقت میں اضافہ ہو اور اسلام دشمن طاقتیں مرعوب ہوں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ مسلمان ہونے کے دعوے داروں سے اس وقت تک دوستی نہیں کرنی چاہئے کہ جب تک وہ ہجرت کر کے مدینہ نہ آجائیں۔ یعنی عملی طور پر ان کو اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی دینی ہوگی۔ اہل ایمان کو تکرار اُہدایت کر دی کہ ان میں سے نہ کسی کو دوست بنانا ہے اور نہ ہی مددگار، کیونکہ ان کی دوستی اور مدد سے اہل اسلام کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا ہے، ویسے بھی جو اللہ پر ایمان لے آتا ہے اس کو زیب نہیں دیتا کہ وہ غیر اللہ پر توکل پر یا بھروسہ کرے۔

سیرت ابن ہشام (۶۴:۲) میں غزوہ اُحد کے حوالے سے منقول ہے، انصار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! یہود میں سے جو ہمارے حلیف ہیں، کیا ان سے ہم مدد طلب نہ کریں آپ نے فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔

انصار کے مشورے کو آپ نے اس لیے قبول نہ فرمایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا تھا، سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تُطِيعُ الْكُفْرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعَا أَذْهَمُ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ (48)

اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کی پروا بھی نہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اللہ تعالیٰ ہی کار سازی کے لیے کافی ہے۔

یہی وہ تدبیر تھی کہ جس کو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے اپنایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ان کی مدد فرمائی اور طاغوتی طاقتوں کی طاقت کو خاک میں ملا دیا۔ جب دشمن کی دشمنی واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہو جائے تو ایسے دشمن کے بارے میں قرآنی حکم ہے کہ جہاں بھی وہ ہو اس سے زبردست قتال کیا جائے۔ اگر ان میں ایسے لوگ موجود ہوں کہ جو مسلمانوں اور اپنی قوم سے لڑائی کرنا نہ چاہتے ہوں اور مسلمانوں سے صلح کرنے کے خواہش مند ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے قتال کرنے سے روک دیا ہے۔ اسلام کی عظمت و حکمت کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ غیر مسلم قوتوں نے جب بھی اہل اسلام پر چڑھائی کی تو انہوں نے اسلام کے اس بے مثال اصول کو انتہائی سفاکی سے کچل دیا۔

اللہ تعالیٰ نے لڑائی سے باز رہنے والوں کے بارے میں وضاحت کر دی کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے قتال کرنے والوں کی طرح قتال کرتے، چوں کہ قتال کرنے کی بجائے ان کا رجحان و میلان صلح کی طرف ہے، اس لیے ان کے ساتھ صلح کا عہد کیا جائے، کیوں کہ صلح میں ہمیشہ خیر ہوتی ہے، اس سے دین کی تبلیغ کی راہیں کھلتی ہیں، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقوں کے ایک ایسے گروہ کا بھی ذکر فرمایا کہ جو تم سے اور اپنی قوم سے اگرچہ امن میں رہنا چاہتے ہیں لیکن جیسے ہی ان کو اپنی خباثت کے اظہار کا موقع ملتا ہے تو فوراً فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآنی ہدایت ہے کہ اگر وہ دشمن سے الگ رہیں اور تمہارے خلاف اپنے ہاتھوں کو روک رکھیں، دشمن کے مدد و معاون بننے سے اجتناب کریں، تمہارے ساتھ عملی طور پر صلح کا ارادہ رکھتے ہو تو ان کو امن دیا جائے، اگر وہ دشمن کے ساتھی بن جائیں تو پھر ان سے دشمنوں والا ہی سلوک کیا جائے اور جہاں بھی وہ ہوں ان سے قتال کیا جائے۔ کیوں کہ ان کا اپنا عمل ہی ان پر حجت ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سراقہ بن مالک مدلیجی کا واقعہ نقل کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری قوم پر چڑھائی کرنے والے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے اس بات پر صلح کر لیں کہ اگر قریش مکہ نے اسلام قبول کر لیا تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے، اگر وہ مسلمان نہ بھی ہوئے تو آپ ان پر حملہ نہیں کریں گے۔ آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر فرمایا: اس کے ساتھ جاؤ اور اس کے کہنے کے مطابق اس کی قوم سے صلح کر آؤ۔ چنانچہ ان سے اس پر صلح ہو گئی کہ وہ دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام بنیادی طور پر صلح و امن کا دین ہے اور جہاد و قتال بھی صلح و امن کے لیے ہوتا ہے۔

حل لغات:

○ ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ میں وَدُّوا اور كَفَرُوا فعل ماضی۔ لَوْ حرف تنہا۔ تَكْفُرُونَ اور تَكُونُونَ فعل مضارع۔ كَمَا کا کاف تشبیہ کا۔ مَا موصولہ۔ تَكُونُونَ کی فاء عاطفہ یا جواب تنہا۔ سَوَاءً تَكُونُونَ کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: انہوں نے چاہا کہ تم اسی طرح کفر کو اپناؤ کہ جس طرح انہوں نے اپنا یا، تاکہ تم برابر ہو جاؤ۔

○ ﴿فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ میں لَا تَتَّخِذُوا امر نہی کی فائے فصیحہ۔

مِنْهُمْ جَارِ مجرور۔ اُولَیَاءَ مفعول۔ حَتّٰی ناصبہ۔ یُهَاجِرُوا فعل مضارع کی نون اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ مرکب جاری۔ جملے کا معنی ہے: پس ان میں سے دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوا مِنْهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ میں فَإِنْ شرطیہ۔ تَوَلَّوْا فعل ماضی۔ اگلا جملہ جواب شرط۔ اس میں خُذُوا اور اقْتُلُوا فعل امر کے صیغے۔ حَيْثُ ظرف مکان۔ وَجَدْتُمُوْا اصل میں فعل ماضی۔ جمع مذکر حاضر کا صیغہ وَجَدْتُمْ ہے۔ چونکہ ہُمْ ضمیر مفعول واقع ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے بیچ میں واؤ لائی گئی ہے۔ تاکہ پڑھنے میں آسانی ہو۔ اس سے پہلی دو ضمیریں ہُمْ بھی مفعول ہی ہیں۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر وہ پھر جائیں تو ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو۔ جہاں بھی تم ان کو پاؤ۔

﴿وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ میں لَا تَتَّخِذُوا امر نہی۔ مِنْهُمْ جار مجرور۔ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور ان میں سے کسی کو دوست اور نہ ہی مددگار بناؤ۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ﴾ إِلَّا حرف استثناء۔ الَّذِينَ موصولہ۔ يَصِلُونَ وَصَلُ يَصِلُ مثال واوی سے فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ مِثَاقٌ وَثِقٌ يَفِيقُ مثال واوی سے مصدر میسی۔ جملے کا معنی ہے: مگر وہ لوگ کہ جو ایسی قوم سے مل جائیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان پکا عہد ہو چکا ہے۔

﴿أَوْ جَاءَ وَكُمْ حَصْرٌ صُدُّوا عَنْهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوْكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ﴾ میں أَوْ حرف عطف۔ جَاءَ وَاقْتُلُوا فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ حَصْرٌ صُدُّوا عَنْهُمْ جملہ فعلیہ جَاءَ وَکُمْ کا حال۔ ان ناصبہ۔ يُقَاتِلُوا اسی کی وجہ سے مجرور۔ قَوْمَهُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہوں کہ وہ تم سے یا اپنی قوم سے قتال کریں۔

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ﴾ میں لَوْ شرطیہ۔ شَاءَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ لَسَلَّطَهُمْ کی لام تاکید سَلَّطَ فعل ماضی۔ ہُمْ ضمیر جَاءَ وَکُمْ کی طرف راجع۔ عَلَيْكُمْ جار مجرور۔ فَلَقَاتِلُوكُمْ کی فاء تعقیب کی۔ قَاتِلُوا باب مفاعلہ سے فعل ماضی۔ کم ضمیر مخاطب کی۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر ضرور مسلط کر دیتا۔ پھر وہ تم سے ضرور قتال کرتے۔

﴿فَإِنْ اعْتَزَلُواكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ﴾ میں فَإِنْ شرطیہ۔ اعْتَزَلُوا باب افتعال سے فعل ماضی۔ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ نفی جہد۔ الْقُوا فعل ماضی (باب افعال) إِلَيْكُمْ جار مجرور۔ السَّلَامَ مفعول۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر وہ تم سے الگ رہیں اور انہوں نے تم سے قتال نہیں کیا اور

انہوں نے تمہاری طرف صلح کی درخواست کی۔

﴿فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾ میں فاء جواب شرط۔ مَا نافية۔ جَعَلَ فعل ماضی۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا

فاعل اور سَبِيلًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر قتال کی کوئی راہ نہیں بنائی۔

﴿سَتَجِدُونَ الْآخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ﴾ میں تَجِدُونَ مثال وادی سے فعل

مضارع۔ الْآخَرِينَ اس کا مفعول۔ يُرِيدُونَ باب افعال سے فعل مضارع۔ أَنْ ناصبہ۔ اسی کی وجہ سے فعل

مضارع يَأْمَنُوا کی نون گری ہوئی ہے۔ قَوْمَهُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: عنقریب تم دوسروں کو پاؤ گئے کہ

جو ارادہ رکھتے ہیں کہ تم سے اور اپنی قوم سے امن میں رہیں۔

﴿كُلَّمَا رُذِّقُوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا﴾ میں كُلَّمَا اصل میں كُلُّ اور مَا سے مرکب ہے۔ رُذِّقُوا فعل

ماضی مجہول۔ إِلَى الْفِتْنَةِ جار مجرور۔ أُرْكَسُوا بھی فعل ماضی مجہول اور فِيهَا جار مجرور۔ جملے کا معنی

ہے: جب بھی وہ فتنہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں اوندھے کیئے جاتے ہیں۔

﴿فَإِنْ لَّمْ يَغْتَبِرُوا كُمْ وَيَلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَ يَكْفُؤْا أَيْدِيَهُمْ فُحَدِّثُوهُمْ وَافْتُلُوهُمْ حَيْثُ

تَقِفْتُمُوهُمْ﴾ میں فَإِنْ سے لے کر أَيْدِيَهُمْ تک شرط اور اگلا حصہ اس کا جواب۔ جملے کا معنی ہے: پس وہ

اگر تم سے الگ نہ رہے تو تم سے صلح کی درخواست نہ کی اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکا، تو جہاں بھی ان کو پاؤ، ان

کو قتل کرو۔

﴿وَإِلَيْكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا﴾ میں وَإِلَيْكُمْ عاطفہ۔ أُولَئِكَ اسم اشارہ۔ کُمْ ضمیر مخاطب

کی۔ جَعَلْنَا فعل باضی۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور۔ سُلْطَانًا مُبِينًا مرکب توصیفی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور یہ وہی

ہیں کہ جن پر ہم نے تمہارے لیے واضح دلیل کر دی ہے۔

۲۹

کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو ناحق قتل کر دے مگر یہ کہ خطا کے طور پر اس سے ایسا ہو جائے اور جو کسی مومن کو خطا کے طور پر قتل کر دے تو اس کو ایک مومنہ گردن یعنی مومن غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے اہل کو سپرد کیا جانے والا خون بہا بھی ادا

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ

رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدْيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ
إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۚ
تُوبَةُ مِنَ اللَّهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا
حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

وَمَنْ يَقْتُلْ مُّؤْمِنًا مُّتَعِدًّا فَجَزَاءُ ۙ
جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ
وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

تشریح:

اسلام ایک ایسا دن ہے کہ اس میں ہر عمل مقرر کردہ ضابطہ کے تحت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ معاشرہ ہر قسم کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہے۔ دشمن سے قتال کی صورتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر واضح کر دیا کہ ان میں سے کسی کو اجازت نہیں کہ وہ کسی مومن بھائی کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگے۔

صحیح بخاری کتاب الدیات (ص ۱۰۱۶) صحیح مسلم (۵۹۲) کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا حلال نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور میرے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہو۔ مگر تین حالتیں ایسی ہیں کہ اس کا قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ یہ کہ اس نے کسی کا خون بہایا ہو یا شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کیا ہو یا اسلام کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہونے والا ہو۔ (یعنی مرتد ہو گیا ہو۔)

ان تین صورتوں میں بھی معاملہ امیر یا نائب امیر یا قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا جو اس کے جرم کے ثابت ہونے پر فیصلہ کرے گا۔ مقتول کے لواحقین کو یہ حق نہ ہوگا کہ خود ہی قاتل کو پکڑ کر قتل کر دیں اور اسلام کے مقرر کردہ ضابطہ کو نظر انداز کرتے ہوئے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

جامع الترمذی ابواب الفتن (۴۸/۲) اور ابن ماجہ، باب حرمة دم المومن (ص ۲۸۲) کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا:

«فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا وَفِي بَلَدِكُمْ هَذَا»

بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں کہ جس طرح تمہارے اس دن اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ کسی مسلمان سے کسی غلط فہمی کی بنا پر یا کسی حادثہ میں کسی کا خون ہو جائے۔ یعنی اس میں قتل کرنے کا ارادہ شامل نہ ہو، تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مقتول کے لواحقین کو دیت دینے کے ساتھ کفارہ بھی مقرر فرمایا ہے۔ دیت کے بارے میں جو روایات ہیں ان کو جمع کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو ہوگی، جو عمر کے لحاظ سے دو سال سے لے کر پانچ سال تک کے ہوں گے۔ اگر معاملہ اونٹوں کی بجائے نقدی کی صورت میں طے کیا جائے گا تو ایک ہزار سونے کے دینار یا بارہ ہزار چاندی کے درہم ادا کرنے ہوں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بارہ ہزار کی بجائے دس ہزار درہم کی ادائیگی کی جائے گی۔

اگر مقتول کے قاتل یا قاتلوں کے بارے میں معلوم نہ ہو سکے تو دیت کی ادائیگی کا فریضہ اسلامی ریاست کو ادا کرنا ہوگا۔

صحیح بخاری کے باب القسامة (ص ۱۹۱۸) کی روایت کے مطابق ایک انصاری مقتول کے قاتل کا معاملہ جب الجھ گیا تو آپ نے مقتول کے ورثاء کو بیت المال سے صدقہ کے ایک سواونٹ دیت کے طور پر دے دیئے۔

قتل کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ خطا کی صورت میں بھی دیت کے ساتھ کفارے کی ادائیگی کو اللہ تعالیٰ نے واجب کر دیا ہے۔ یعنی جس سے غیر ارادی طور پر قتل ہو، اس کو اس کے بدلے میں ایک غلام کی آزادی کا بھی ذمہ دار بنا دیا گیا۔ آزاد کیے جانے والے غلام کے مسلمان ہونے کی شرط بھی عائد کر دی گئی۔ چونکہ اسلام نے غلامی کو

ختم کر دیا ہے لہذا موجودہ دور میں اندازاً اتنی ہی رقم اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنی ہوگی۔ کسی غریب مسلمان کو اس کی غربت سے نجات دلانی ہوگی۔

خطا قتل ہونے والا اگر مسلمان ہوتے ہوئے کفار کے درمیان رہائش پذیر تھا تو اس کی دیت ساقط ہو جاتی ہے لیکن کفارہ قائم رہتا ہے۔ یعنی اس نے ایک غلام آزاد ضرور کرنا ہے۔ تاکہ اس سے ضائع ہونے والی جان کا گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔

اگر مقتول ایسی قوم میں رہتا تھا جس کے ساتھ اہل اسلام کا لڑائی نہ کرنے کا عہد ہو چکا تھا تو پھر مقتول کے ورثاء کو دیت دی جائے گی اور قاتل کو ایک غلام بھی آزاد کرنا ہوگا۔

اس اہم ترین قانونی ضابطے میں مقتول کے ورثاء کو حق ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کے لیے قاتل کو معاف کر سکتے ہیں اور اگر نہ کریں تو دیت کی ادائیگی کے ذمہ دار قاتل کے قریبی رشتہ دار یعنی ورثاء کے علاوہ عصبے ہوں گے۔ دیت ہر حال میں ہوگی۔

اگر قتل خطا کا مرتکب کوئی ایسا مسلمان ہو جو کفارے کے طور پر غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ آسانی رکھ دی کہ وہ دو مہینے کے روزے پے در پے رکھے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اگر ان میں انقطاع ہوتا ہے تو اس کو پھر سے روزے رکھنے ہوں گے۔ یہ بھی منقول ہے کہ اگر روزے رکھنے کی اس میں طاقت نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے جیسا کہ ظہار کے کفارے میں ہے۔

قتل خطا کے بعد قتل عمد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ قاتل اس کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس کی لعنت بھی اس پر ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جہنم میں داخل کیا جانا ہی بہت بڑی سزا ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا، اس کا حال کیا ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانی جان کی کتنی اہمیت ہے۔ سنن ابن ماجہ (ص ۲۸۲) میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

تو کتنا پاک ہے اور تیری خوشبو کتنی پاک ہے، تو کتنا عظیم ہے اور تری حرمت کتنی عظیم ہے۔ لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ مومن کی حرمت (یعنی اس کے خون اور مال کی

حرمت) تیری حرمت سے زیادہ عظیم ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”باب ما جاء في تعظيم المومن“، (۳۲/۲) کے تحت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حسن غریب حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر مبارک پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اونچی آواز سے فرمایا:

اے وہ لوگو! جنہوں نے زبانی اسلام کا اقرار کیا لیکن ایمان ان کے دلوں میں ابھی داخل نہیں ہوا! تم مسلمانوں کو عار نہ دلایا کرو اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کی تلاش میں رہا کرو۔ پس جو کوئی اپنے مسلم بھائی کی پوشیدہ بات یا کام کی تلاش میں رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے رازوں کی تتبع کرے گا اور جس کے رازوں کی تتبع اللہ تعالیٰ کرے گا، وہ اس کو رسوا کر دے گا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندرونی حصے ہی میں کیوں نہ ہو۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن بیت اللہ یا کعبہ کی طرف دیکھ کر کہا: تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک از روئے حرمت تجھ سے زیادہ عظیم مومن ہے۔

بخاری (ص ۱۰۱۵) مسلم (۳۸۹) میں مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمان اپنی اپنی تلوار لے کر لڑائی کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔

ابوبکرؓ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے رسول! قاتل کے بارے میں بات سمجھ میں آتی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرنے کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا۔ لیکن مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ»

کیوں کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔

یعنی اگر اس کا بس چلتا تو اپنے بھائی کو وہ بھی قتل کر دیتا۔

صحیح بخاری کی کتاب الدیات (ص ۱۰۱۴، ۱۰۱۵) میں ہے کہ آپ نے اپنی امت کو حکم فرمایا:

«لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

میرے بعد پھر سے کافر نہ ہو جانا کہ بعض تمہارا بعض کی گردنیں مارتا پھرے۔

یعنی آپس میں خون خرابہ نہ کرنا۔ کیوں کہ مومنوں کا یہ کام نہیں۔

صحیح بخاری کتاب المغازی (ص ۲۲۲) میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار ٹھیک طرح سے نہ کیا۔ اَسْلَمْنَا کی بجائے انہوں نے صَبَانًا صَبَانًا کہہ دیا۔ جس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔ اپنے ہر ساتھی کے سپرد ایک ایک قیدی کر دیا۔ اگلے دن حکم دیا کہ ہر قیدی کو قتل کر دیا جائے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسا نہ کرنے دیا اور واپس آ کر جب رسول اللہ ﷺ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معاملے کی خبر دی تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر بارگاہ الہ میں عرض کیا:

اے اللہ! خالد نے جو کیا میں اس سے بری ہوں۔ دو مرتبہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کہا۔

زاد المعاد (۱۸۶/۲) کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جنہوں نے تمام مقتولوں کی دیت ادا کی۔ خطا کے طور پر ہونے والے قتل سے جب سید الانبیاء نے اپنی برات کا اعلان کر دیا تو جو مسلمان ہونے کے دعویدار عمداً ایسا کریں گے تو یقیناً ان کا معاملہ قرآنی اعلان کے مطابق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

○ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً﴾ میں مَا نافیہ تحریمی ونہی کا۔ كَانَ فعل ناقص۔ لِمُؤْمِنٍ جار مجرور۔ اَنْ ناصبہ۔ يَقْتُلَ فعل مضارع۔ مُؤْمِنًا مفعول۔ اِلَّا حرف استثناء۔ خَطَاً مستثنیٰ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حال ہے۔ دوسرا قول ہے کہ مفعول لہ جب کہ یہ بھی منقول ہے کہ یہ مصدر کی صفت ہے۔ جملے کا معنی ہے: کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ ناحق کہیں مومن کو قتل کرے مگر یہ کام اس سے خطا کے طور پر ہو جائے۔

○ ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ قَتَلَ فعل ماضی۔ مُؤْمِنًا مفعول۔ خَطَاً حال۔ تَحْرِيرُ باب تفعیل سے مصدر پر فاء جواب شرط۔ رَقَبَةُ مُؤْمِنَةٍ مرکب توصیفی۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے کسی مومن کو خطا کے طور پر قتل کر دیا اس کو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا۔

○ ﴿وَدِيَّةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا﴾ میں دِيَّةٌ باب وَدَى يَدِي وَدًيًا وَ دِيَّةٌ (لفيف مفروق) سے مصدر مُسْلَمَةٌ باب تفعیل سے مفعول مؤنث۔ إِلَى أَهْلِهِ جار مجرور۔ اِلَّا حرف استثناء۔ اَنْ ناصبہ۔ يَصَّدَّقُوا فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اور مقتول کے اہل کو حوالے کیا جانے والا خون بہا بھی ادا کرنا ہوگا۔ مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔

﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ جار مجرور۔ لَكُمْ بھی جار مجرور۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ جار مجرور۔ وَادِ حالیہ۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل۔ مُؤْمِنِ اسم فاعل تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے: اور مقتول اگر تمہاری دشمن قوم میں سے تھا اس حال میں کہ وہ خود مومن تھا تو ایک مومنہ گردن یعنی غلام آزاد کرنا ہوگا۔

﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ میں مِيثَاقٌ، وَثَقٌ يَثْقُ مثال واوی سے مصدر میسی۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ اگر اس قوم میں سے تھا جس کے اور تمہارے درمیان مضبوط عہد ہو چکا ہو تو مقتول کے اہل کے حوالے کی جانے والی دیت ادا کرنی ہوگی اور ایک مومنہ گردن بھی آزاد کرنی ہوگی۔

﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ﴾ میں فَمَنْ شرطیہ۔ لَمْ يَجِدْ نفی مجد، لَمْ کی وجہ سے فعل مضارع مجزوم۔ اگلا حصہ جواب شرط۔ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تشبیہ کے صیغے، مرکب توصیفی۔ تَوْبَةً حال۔ مِنَ اللَّهِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: پس جو کوئی غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے کے لیے دو مہینوں کے پے در پے یعنی لگا تار روزے رکھے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ میں كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور عَلِيمًا حَكِيمًا اس کی خبر۔ عَلِيمًا اور حَكِيمًا دونوں صفت مشبہ۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاءُ هُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ میں وَادِ عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ۔ يَقْتُلْ فعل مضارع۔ مُؤْمِنًا مفعول۔ مُتَعَمِدًا باب تفعیل سے اسم فاعل، حال۔ فَجَزَاءُ هُ کی فاء جواب شرط اور هُ ضمیر مَنْ يَقْتُلْ یعنی قاتل کی طرف راجع خَالِدًا حال۔ فِيهَا جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور جو کوئی کسی مومن کو عمدہ قتل کرے گا، تو اس کی سزا جہنم ہوگی جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

﴿وَعَصَبَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ﴾ میں غَضِبَ اور لَعَنَ دونوں فعل ماضی۔ لفظ اللہ ان کا فاعل۔ عَلَيْهِ اور لَعْنَهُ کی ضمیریں هُ قاتل کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا۔

﴿وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ میں وَادِ عاطفہ۔ أَعَدَّ فعل ماضی۔ لَهُ جار مجرور۔ عَذَابًا عَظِيمًا مرکب توصیفی (مفعول)۔ جملے کا معنی ہے: اور اس (قاتل) کے لیے اس نے عظیم عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۳۰

اے ایمان والو! جب تم زمین میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور تمہیں جو سلام کرے، اس سے یہ نہ کہو کہ تم ایمان والے نہیں ہو۔ تم دنیاوی زندگی کے اسباب تلاش کر رہے ہو حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہذا تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

تکلیف والوں (یعنی شرعی عذر والوں) کے علاوہ گھروں میں بیٹھے والے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو درجوں میں فضیلت سے نواز دیا ہے اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے گھروں میں بیٹھے والوں پر جہاد کرنے والوں کو اجر عظیم والی فضیلت عطا کر دی ہے۔

اپنی طرف سے ان کو درجات اور بخشش اور رحمت کی فضیلت سے بھی نوازا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۖ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ

خَمِيرًا ﴿٩٤﴾

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۖ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ۖ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾

دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾

تشریح:

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر (ص ۶۶۰) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا کہ جہاد کرنے والے مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے پاس پہنچی تو اس نے ان کو اسلامی طریقے کے مطابق سلام کہا لیکن مسلمانوں نے اس کو مسلمان نہ سمجھتے ہوئے قتل کر کے اس کی بکریوں پر قبضہ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ﴾ والی آیت نازل فرما دی اور اہل اسلام کو حکم دے دیا کہ نہ صرف مومن کو قتل کرنا تم پر حرام ہے بلکہ کسی ایسے شخص کا خون بہانا اور اس کے مال کو غنیمت بنانا جائز نہیں جو تمہیں اسلامی طریقے کے مطابق سلام کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے۔

سنن ابن ماجہ کے ابوب التفتن (ص ۲۸۱) میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر مشرکوں سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا جس نے مشرکوں سے زبردست قتال کر کے ان کو شکست دی۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ایک مشرک پر نیزے سے حملہ کیا، تو اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ نہیں اور میں مسلمان ہوں لیکن حملہ آور مسلمان نے اس کو نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ فرمایا کہ تو نے کون سا کام کیا ہے جس کی بنا پر ایسا کہہ رہا ہے؟ اس نے لا الہ الا اللہ کہنے والے کو قتل کرنے کا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس کا پیٹ پھاڑ کر اس کے دل کو نکال کر کیوں نہ دیکھا کہ اس نے لا الہ الا اللہ صدق دل سے کہا تھا۔ اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں اس کا دل نکال کر دیکھتا تو کیا مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جو اس نے کہا، تو نے اس کو قبول نہ کیا اور جو اس کے دل میں تھا تو نے اس کو نہ جانا۔ آپ یہ فرما کر خاموش ہو گئے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم نے اس کو دفن کر دیا لیکن صبح جو دیکھا اس کی لاش قبر کے باہر پڑی تھی، ہم نے اس کو پھر دفن کر دیا اور چند لڑکوں کو رات نگہبانی کی ذمہ داری سونپ دی، صبح ہوئی تو دیکھا، اس کی لاش پھر قبر سے باہر تھی، ہم نے سوچا شاید لڑکوں نے ذمہ داری ٹھیک سے نہیں نبھائی اور سو گئے ہوں گے۔ لہذا ہم نے اس کو پھر سے دفنانے کے بعد خود چوکیداری کی لیکن صبح کے وقت اس کی لاش قبر کے باہر تھی۔ لہذا ہم نے اس کو کسی پہاڑی شگاف میں پھینک دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ زمین اس سے برے برے لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی کہ تم کو دکھائے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی حرمت و تعظیم کیا ہے؟

اس روایت کو الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ابن جریر، ابن کثیر اور القرطبی نے بھی اپنی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ جو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دے، اس کا خون بہانا بھی حرام ہو جاتا ہے اگرچہ وہ مسلمانوں میں نہ رہا ہو۔ مسلمان اس سے ناواقف ہوں یا اس کے کافر ہونے کی ان کو خبر تو ہو لیکن اس کے مسلمان ہونے سے آگاہ نہ ہوں۔

صحیح بخاری کتاب الدیات (ص ۱۰۱۴) کی روایت ہے۔ المقداد بن عمرو الکندی بدری صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے رسول! اگر میرا کسی کافر سے ٹکراؤ ہو جائے اور ہم میں خوب لڑائی ہو، جس میں وہ میرے ہاتھ پر وار کر کے اس کو میرے جسم سے الگ کر دے، پھر ایک درخت کے پیچھے ہو کر کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے مسلمان ہو گیا۔ اس کے اس اقرار کے بعد کیا میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو قتل نہ کرو۔ مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے رسول! اس نے میرے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو کاٹ دیا آپ نے پھر بھی فرمایا: تم اس کو قتل نہ کرو، اگر تم اس کو قتل کرو گے تو وہ تمہاری اس جگہ ہو جائے گا جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس کی اس جگہ میں ہو جائے گے جہاں وہ مسلمان ہونے والی بات کہنے سے پہلے تھا، یعنی اس کو اگر قتل کرو گے تو تم کافر ہو جاؤ گے اور وہ مسلمان مقتول ہوگا۔

صحیح بخاری کی اسی کتاب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ بَيْنَ دِيْنِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا»

مومن ہمیشہ ہی اپنے دین کی وسعت میں رہتا ہے جب تک کسی حرام کردہ خون بہانے کا وہ مرتکب نہیں ہوتا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو حکم فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو تم سے کوئی اسلامی طریقے سے سلام کرے تو اس کو یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو، دنیا کے مال کے حصول کی خاطر اس کا خون بہادو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اپنے پاس بے حساب نعمتوں کی صورت میں بہت سی غنیمتیں جمع کر رکھی ہیں۔ ان کو اپنی زندگی کا مقصود و مطلوب بنا لو اور جو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دے اس کے بارے میں ضرور تحقیق کر لیا کرو کیوں کہ کفار میں رہتے ہوئے تم بھی پہلے مسلمان ہونے کو مخفی رکھا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ سلام کرنے والے مسلمان کا بھی یہی حال ہو۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر (ص ۶۲۰، ص ۳۹۷) میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کو «لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ» لکھوا رہے تھے کہ ابن ام

مکتوم ﷺ نے حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر میں جہاد کرنے کی استطاعت رکھتا تو ضرور جہاد کرتا۔ ناپید تھے لہذا اپنی مجبوری کا انہوں نے اظہار کر دیا۔ رحیم و کریم نے ان کی معذوری کا خیال رکھتے ہوئے اور ان کی نیت و جذبے کی قدر کرتے ہوئے رسول ﷺ پر نازل ہونے والی آیت میں غیر اولی الضرر کا اضافہ فرما دیا۔ زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوا تو آپ کی ران مبارک میری ران پر تھی یعنی آپ ﷺ نے انہیں اپنے بہت قریب بٹھایا ہوا تھا۔ وحی کے نزول کا آغاز ہوتے ہی میری ران پر آپ کی ران کا اتنا وزن پڑا کہ میں نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ وحی کے اختتام پر وہ بوجھ ہلکا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے گھروں میں بیٹھنے والوں پر مجاہدین کو فضیلت سے نوازتے ہوئے معذوروں اور مجبوروں کو بھی ان کی نیت اور جذبے کی وجہ سے مجاہدین میں شامل کر دیا۔

صحیح بخاری غزوہ تبوک (ص ۶۳۷) میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے جب مدینہ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک مدینہ میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو تم نے سفر کیا اور کسی وادی میں سے تمہارا گزر ہوا، وہ تمہارے ساتھ تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے رسول! اس حال میں کہ وہ مدینہ میں مقیم تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ میں رہتے ہوئے وہ تمہارے ساتھ تھے۔ یعنی تمہیں ملنے والے اجر و ثواب میں شریک تھے کیونکہ شرعی عذر نے ان کو غزوہ میں شامل ہونے سے روک لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی نیت اور جذبہ ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ سے ملنے والے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ مجاہدوں کو گھروں میں ٹھہرے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت تو دی لیکن اہل ایمان کو بھلائی سے نوازنے کا وعدہ بھی کر لیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی بخشش و رحمت سے نواز دے۔

حل لغات:

- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا﴾ میں يَأْيُهَا حرف ندا۔ الَّذِينَ آمَنُوا منادی۔ إِذَا شرطیہ۔ ضَرَبْتُمْ فعل ماضی۔ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مرکب جاری فَتَبَيَّنُوا فعل امر پر فاء جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو۔
- ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ میں لَا تَقُولُوا امر نہی۔ لِمَنْ کلام حرف جرا اور مَنْ موصولہ اَلْفَىٰ فعل ماضی۔ إِلَيْكُم جار مجرور۔ السَّلَام مفعول۔ لَسْتَ فعل ناقص۔ مُؤْمِنًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی: اور جو تم کو سلام کرے، اس کو نہ کہو کہ تو ایمان والا نہیں۔

﴿تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ﴾ تَبْتَغُونَ فعل مضارع۔ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اس کا مفعول۔ فَعِنْدَ اللَّهِ ظرف مکان۔ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ مرکب توصیفی جملے کا معنی ہے: تم دنیا کی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔

﴿كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا﴾ میں كَذَلِكَ اسم اشارہ پر کاف تشبیہ کا۔ كُنْتُمْ فعل ناقص مِنْ قَبْلُ جار مجرور اصل میں مِنْ قَبْلُ هَذَا الزَّمَانِ ہے۔ فَمَنَّ اللَّهُ ماضی پر فاء اظہار احسان کی۔ لفظ اللَّهُ اس کا فاعل۔ عَلَيْكُمْ علی حرف جر اور كُمْ ضمیر مخاطب کی فَتَبَيَّنُوا فعل امر۔ جملے کا معنی ہے: تم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا۔ لہذا تم تحقیق کر لیا کرو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ میں إِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللَّهُ اس کا اسم۔ كَانَ اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے کہ جو تم کرتے ہے۔

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ میں لَا نافیہ یَسْتَوِي فعل مضارع۔ الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اور الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ دونوں جملے اس کے فاعل۔ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ کی ضمیریں الْمُجَاهِدُونَ کی طرف راجع۔ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ مستثنیٰ۔ جملے کا معنی ہے: مومنوں میں سے تکلیف والوں کے علاوہ گھروں میں بیٹھنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔

﴿فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً﴾ میں فَضَّلَ فعل ماضی۔ لفظ اللَّهُ اس کا فاعل۔ الْمُجَاهِدِينَ مفعول۔ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ جار مجرور۔ دَرَجَةً مفعول ثانی یا مصدر یا حال یا تمیز ہونے کی بنا پر منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے گھروں میں بیٹھنے والوں پر درجوں کے اعتبار سے فضیلت سے نوازا ہے۔

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ میں كُلًّا مفعول اول (مقدم) اور الْحُسْنَى مفعول ثانی۔ وَعَدَ مثال وادی سے فعل ماضی۔ لفظ اللَّهُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے اجر و ثواب کا وعدہ کر رکھا ہے۔

﴿وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ میں وَاوِ عاطفہ۔ فَضَّلَ فعل ماضی۔ لفظ اللَّهُ فاعل۔ الْمُجَاهِدِينَ مفعول اول۔ عَلَى الْقَاعِدِينَ جار مجرور۔ أَجْرًا عَظِيمًا مرکب توصیفی مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ نے گھروں میں بیٹھے رہنے والوں پر جہاد کرنے والوں کو بہت عظیم اجر کی

فضیلت عطا کر دی ہے۔

﴿دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً﴾ میں واؤ عاطفہ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً اور رَحْمَةً اللہ کے فضل کی تفصیل ہونے کی بنا پر منصوب۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ میں واؤ عاطفہ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور غَفُورًا رَّحِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۳۱

بے شک وہ لوگ کہ فرشتے ان کی روحيں قبض کرتے ہیں۔ جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔ وہ جواباً کہتے ہیں۔ ہم زمین میں کمزور و مغلوب تھے۔ فرشتے ان سے کہتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ پس وہی ہیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جگہ لوٹنے کی ہے۔

سوائے ان کمزور و مغلوب مردوں، عورتوں اور بچوں کے کہ جو کوئی کارروائی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ نکلنے کی کوئی راہ پاتے ہیں۔

پس وہی ہیں کہ جن کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بہت سی جگہیں اور کشادگی پائے گا اور اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٩﴾

وَمَنْ يَّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ

کرتے ہوئے نکلے اور موت اس کو پالے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس کا اجر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾

تشریح:

ابوداؤد کتاب الجہاد (ص ۳۸۵) میں سمرۃ بنتیہؓ بن جندب سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ»

جو مشرکوں سے ملا جلا رہے اور انہی کے ساتھ رہے تو وہ بھی انہی جیسا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو اس کے بعد جو کفار کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمان ہونے کے دعویدار تھے، ان کے انجام سے اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر (ص ۶۶۱) میں ابو الاسود سے مروی ہے کہ ان کو ابن عباسؓ نے بتایا کہ مسلمانوں میں ایسے بھی لوگ تھے جو مشرکوں میں رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان کی تعداد بڑھاتے تھے۔ ان میں سے کسی پر تیر پھینکا جاتا یا تلوار سے حملہ کیا جاتا جس سے وہ قتل ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں ﴿ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ والی آیت نازل فرما دی۔ یعنی وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ ایسے لوگوں کی موت کے وقت فرشتے ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کی طرف ہجرت کیوں نہ کی؟ مشرکوں میں مقیم ہوتے ہوئے ان کی تعداد میں اضافہ کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کا ساتھ دیتے رہے۔ حالانکہ تمہارا فرض تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیتے اور موت تمہیں اس حال میں آتی کہ تم حقیقی مسلمان ہوتے۔ سورۃ ال عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ﴿١٠٢﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈر جاؤ جس طرح ڈینے کا حق ہے اور موت تمہیں اس حال میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔

ظاہر ہے کہ مشرکوں میں رہتے ہوئے لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیتے ہوئے جو مر جائے یا قتل ہو جائے تو وہ ان نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے کر رکھا ہے۔

مشرکوں کے ساتھ رہنے والوں سے جب فرشتے سوال کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کمزور تھے۔ مشرکوں میں سے نکلنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا عذر قبول نہیں ہوتا اور ان سے کہا جاتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی؟ تم اس میں ادھر ادھر ہو جاتے یعنی کفار کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ لہذا ان کے لیے اعلان کر دیا گیا کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو یقیناً لوٹنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہونے کے ناطے ظاہر و پوشیدہ سے آگاہ ہے، اس لیے اس نے ان کا بھی ذکر فرما دیا جو واقعی مکہ میں کمزور و مغلوب تھے اور ہجرت کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ بخاری (ص ۶۶۱) ہی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ ان کے لیے دعا کیا کرتے تھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عشاء کی نماز پڑھتے تو سَمِعَ اللہَ لِمَنْ حَمِدَهُ کہنے کے بعد اور سجدہ میں جانے سے پہلے بارگاہ الہ میں عرض کیا کرتے:

اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے، اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! مومنوں میں سے جو کمزور ہیں ان کو نجات دے۔ مضر قبیلے پر عذاب میں سختی فرما۔ ان کو ایسی تھپ سالی میں مبتلا کر جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آئی۔

تفسیر ابن کثیر میں ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ ہی کی طرف چہرہ مبارک کیے ہوئے ہاتھ اٹھا کر مذکورہ افراد کے لیے دعا کی۔ تفسیر ابن جریر کی روایت کے مطابق آپ یہ دعا ظہر کی نماز کے بعد مانگا کرتے تھے۔ درمنثور (۲۰۶/۲) میں منقول ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو واقعہ کمزور و مغلوب تھے، ان کے لیے دعائیں کی جاتی تھیں لیکن جن کی نیتوں میں کھوٹ تھا ان کو جہنم کی وعید سنا دی گئی اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے ہجرت کی، اسلامی ریاست کے استحکام میں بھرپور کردار ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا اور آخرت میں دیئے جانے والے اجر و ثواب کی بشارت دے دی۔ اصل بات نیت کی ہے۔

صحیح بخاری کی پہلی حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

« إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مِّمَّا نَوَىٰ ، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَىٰ دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَىٰ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ »

بے شک عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لیے ہوگی، وہ اس کو پالے گا یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر

تھی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے سمجھی جائے گی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔
یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہجرت کا ثواب اس کو نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی کہ جو کوئی اللہ اور رسول ﷺ کی طرف ہجرت کرتا ہے اور اپنی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے اور وہ اپنے رب حقیقی سے جا ملتا ہے۔ تو اس کو اس کی نیت کے مطابق پورا پورا اجر مل جاتا ہے۔

مفسرین نے اس سلسلے میں نقل کیا کہ جب ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ والی آیت نازل ہوئی تو ایک بیمار شخص نے کہا: اگرچہ میں بیمار ہوں، لیکن میں مال دار ہوں۔ ہجرت کے لیے مطلوبہ اسباب بھی رکھتا ہوں، لہذا مجھے ہجرت کرنی چاہئے۔ جب سامان سفر تیار ہو گیا اور اس کو تنعم تک پہنچایا گیا تو اس کی موت واقع ہو گئی۔ امام القرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اس کی موت پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اگر وہ ہم تک پہنچ جاتا تو اس کو پورا اجر مل جاتا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔ چون کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی درگزر کرنے، بہت ہی رحم کرنے اور بخشنے والا ہے لہذا نیک نیتی کے تحت ہونے والے کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ وعدے کے مطابق اجر و ثواب سے نواز دیتا ہے اور ہجرت کرنے والوں کو زمین میں ہر طرح کی کشادگی اور محفوظ جگہیں عطا کر دیتا ہے۔

امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف ابن العربی البتونی ۵۴۳ھ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں ہجرت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت فرض تھی۔ جس کی فرضیت فتح مکہ پر ساقط ہو گئی۔ لیکن اس کی دوسری اقسام پر قیامت تک عمل ہوتا رہے گا۔ جیسے اہل بدعت کی زمین سے نکلنا۔ انہوں نے ابن القاسم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا۔

”لَا يَجِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُقِيمَ بَدَلَهُ سَبَّ فِيهَا السَّلَفُ“

کسی ایک کے لیے اس شہر میں رہنا حلال نہیں جس میں اسلام لانے میں سبقت لے جانے والوں کو گالی دی جائے۔

امام ابن العربی کا کہنا ہے کہ اس جگہ سے بھی نکلنا چاہئے کہ جہاں حرام کا غلبہ ہو۔ کیوں کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مسلم ممالک کی مسلم آبادی کی اکثریت کی آج کل خواہش و کوشش یہ

ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح طلب رزق کی لیے غیر مسلم ممالک کا رخ کیا جائے۔ جنہوں نے اپنے اپنے ملک میں بنیادی تعلیم حاصل کی ہوتی ہے۔ ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ ان پر سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے جس کے تحت ان کا فرض بنتا ہے کہ اپنے ملک و قوم اور اپنے دین کی خدمت کریں۔ رزق اتنا ہی ملنا ہے کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب میں لکھ دیا ہے۔ اہل اسلام کے اعلیٰ علم و ہنر والے، اسلام دشمن قوتوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ مسلم ممالک کے سرمایہ کا زیادہ حصہ غیر مسلم ممالک کے بینکوں کے ذریعے طاغوتی معیشت کا سہارا بنا ہوا ہے۔ غیر مسلم ممالک کی وفاداری کا حلف اٹھا کر ان کی شہریت لے کر وہ اسلام کی خدمت کیسے کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الظَّالِمِينَ انْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ﴾ میں إِنَّ مثبہ بفعل۔ الَّذِينَ موصولہ۔ تَوَفَّيْ فعل ماضی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فعل مضارع ہے اور اسکی پہلی تاء گری ہوئی ہے۔ الظَّالِمَةُ اس کا فاعل۔ عربی گرامر کے مطابق جب فعل اور فاعل میں فاصلہ ہو جائے تو فعل مذکر اور مونث دونوں طرح سے آ سکتا ہے۔ الظَّالِمِي انْفُسِهِمْ مرکب اضافی ہونے کے وجہ سے ظالِمِي کی نون گری ہوئی ہے اور حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ قَالُوا فعل ماضی۔ فِيمَ اصل میں فِيمَا یعنی فی حرف جر اور ما استفہامیہ۔ كُنْتُمْ فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: ”بے شک وہ لوگ کہ فرشتے ان کی روچیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔“

○ ﴿قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ میں قَالُوا فعل ماضی۔ كُنَّا بھی فعل ماضی لیکن جمع متکلم۔ مُسْتَضْعَفِينَ (اسم مفعول) كُنَّا کی خبر۔ فِي الْأَرْضِ جار مجرور مُسْتَضْعَفِينَ کے متعلق۔ جملے کا معنی ہے: وہ کہتے ہیں، ہم تو زمین میں کمزور و مغلوب تھے۔

○ ﴿قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا﴾ میں قَالُوا فعل ماضی۔ ہمزہ استفہامیہ۔ لَمْ نفی جحد۔ تَكُنْ فعل مضارع۔ أَرْضَ اللَّهِ مرکب اضافی تَكُنْ کا اسم۔ وَاسِعَةً اس کی خبر۔ فَتُهَاجِرُوا فِيهَا جواب استفہام۔ جملے کا معنی ہے: فرشتوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔

○ ﴿فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ میں أُولَٰئِكَ اسم اشارہ مبتدا پر فاء تعقیب و سبب کی۔ مَأْوَاهُمُ جَهَنَّمُ اس کی خبر۔ وَاء عاطفہ۔ سَاءَتْ فعل ماضی۔ مَصِيرًا تفسیر ہونے کی بنا پر منصوب۔

جملے کا معنی ہے: پس وہی لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔

﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً﴾ میں **إِلَّا** حرف استثناء **الْمُسْتَضْعَفِينَ** مشتق منقطع۔ **مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ** اس کا بیان۔ **لَا نَافِيَه**۔ **يَسْتَطِيعُونَ** فعل مضارع۔ **حِيلَةً** اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: مگر وہ کمزور و مغلوب مرد، عورتیں اور بچے جو کسی کارروائی کی طاقت نہیں رکھتے۔

﴿وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾ میں **وَإِوَ** عاطفہ۔ **لَا نَافِيَه**۔ **يَهْتَدُونَ** فعل مضارع۔ **سَبِيلًا** اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور نہ ہی نکلنے کی وہ کوئی راہ پاتے ہیں۔

﴿فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ﴾ میں **فَأُولَٰئِكَ** اسم اشارہ۔ **عَسَى** فعل مقارب۔ **لَفْظُ اللَّهِ** اس کا اسم۔ **أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ** اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: پس انہی کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے گا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَفْوًا غَفُورًا﴾ میں **وَإِوَ** عاطفہ۔ **كَانَ** فعل ناقض۔ **لَفْظُ اللَّهِ** اس کا اسم۔ **عَفُورًا** اور **غَفُورًا** دونوں مبالغے کے صیغے اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعِمًا كَثِيرًا وَوَسْعَةً﴾ میں **وَإِوَ** عاطفہ۔ **مَنْ** شرطیہ۔ **يُهَاجِرْ** فعل مضارع۔ **فِي سَبِيلِ اللَّهِ** مرکب جاری۔ **يَجِدْ** فعل مضارع جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم۔ **فِي الْأَرْضِ** جار مجرور۔ **مُرَاعِمًا كَثِيرًا وَوَسْعَةً** مفعول۔ **رَاعِمًا** **يُرَاعِمُ** سے اسم مفعول۔ **كَثِيرًا وَوَسْعَةً** دونوں مصدر۔ جملے کا معنی ہے: اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں قیام کرنے کی بہت سی جگہیں اور کشادگی پائے گا۔

﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ﴾ **وَإِوَ** عاطفہ۔ **مَنْ** شرطیہ۔ **يَخْرُجْ** فعل مضارع۔ **مِنْ بَيْتِهِ** اور **إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ** جار مجرور۔ **مُهَاجِرًا** حال۔ **ثُمَّ** حرف عطف۔ **يُدْرِكُهُ** فعل مضارع کی ضمیرہ **مِنْ** کی طرف راجع۔ **الْمَوْتُ** فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے اور راستے میں اس کو موت پالے۔

﴿فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ میں **قَدْ** پر فاء جواب شرط۔ **وَقَعَ** فعل ماضی۔ **أَجْرُهُ** اس کا فاعل۔ **عَلَى اللَّهِ** جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ غَفُورًا رَحِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۳۲

اور جب تم زمین میں سفر کو نکلو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے۔ بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

اور جب آپ ان میں ہوں اور آپ ان کو نماز پڑھانے لگیں تو ان میں سے ایک جماعت کو چاہئے کہ آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور ان کو چاہئے کہ اپنا اسلحہ اٹھائے رکھیں۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو ہٹ کر تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت، جس نے نماز نہ پڑھی تھی، وہ (ان کی جگہ آ کر) آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور وہ اپنے بچاؤ کا بندوبست کیے رہیں اور اپنا اسلحہ پکڑے رکھیں۔ کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تاکہ وہ تم پر ایک زبردست حملہ کریں، البتہ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یہ کہ تم اپنا اسلحہ رکھ دو لیکن اپنے بچاؤ کی تیاری پوری رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ خِفَتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿١٠١﴾

وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۗ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ ۚ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرَضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٠٢﴾

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بہت سی آسانیوں سے نوازا ہے۔ ان میں سے بہت بڑی آسانی یہ ہے کہ سفر کرتے ہوئے نمازوں کو قصر کیا جاسکتا ہے۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصر ہا (۲۴۱/۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

« إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ عَلَى الْمُسَافِرِ رَكْعَتَيْنِ ، وَعَلَى الْمُقِيمِ أَرْبَعًا ، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةٌ »

اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی زبان کے ذریعے نماز مسافر پر دو رکعتیں اور مقيم پر چار رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی۔

امام القرطبی رحمہ اللہ نے «وَإِذَا ضَرَبْتُمْ» کا معنی سَافَرْتُمْ کیا ہے یعنی اور جب تم سفر کرو۔ یعنی اس سے مراد صرف جہادی سفر ہی نہیں بلکہ عام معمولات کے تحت ہونے والے تمام جائز سفر مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ موطا امام مالک کے باب (قصر الصلاة في السفر) میں ابن شہاب نے خالد بن اسید کے اہل میں سے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ اس نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ قرآن میں حضر اور خوف کی نماز کا ذکر ہم تو پاتے ہیں لیکن سفر کی نماز کا ذکر نہیں پاتے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو جواب دیا: اے بھتیجے! بیشک اللہ عزوجل نے ہماری طرف محمد ﷺ کو بھیجا اور دین کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے تھے، یقین کرو کہ ہم ویسا ہی کر رہے ہیں جیسا ان کو کرتے دیکھا۔

صحیح مسلم (۲۴۱/۱) میں یعلیٰ بن امیہ سے مروی ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ سورة النساء کی آیت کہ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کفار تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر تم نماز قصر کرو۔ اب جب کہ لوگ امن میں ہو گئے ہیں تو قصر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ امیر المؤمنین نے کہا: جس بات پر تجھے تعجب ہو رہا ہے مجھے بھی ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

« صَدَقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَأَقْبِلُوا صَدَقَتَهُ »

یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تم پر کیا۔ لہذا اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

صحیح مسلم (۲۴۲/۱) میں ہی حفص بن عاصم سے مروی ہے کہ میں بیمار ہوا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما میری عیادت کو آئے تو میں نے ان سے سفر میں قصر نماز کے ساتھ نوافل پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا مگر میں نے آپ کو فرضوں کے ساتھ نفل پڑھتے ہوئے نہ دیکھا۔ اگر میں نے فرض

نمازوں کے ساتھ نفل بھی پڑھنے ہوتے تو میں نمازوں کو پورا پڑھتا۔

صحیح بخاری کے ابواب (تقصیر الصلاة، ص ۱۴۷) اور صحیح مسلم (۲۴۳/۱) میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے۔ رسول اللہ ﷺ دو دو رکعت ہی پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آ گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ تو انہوں نے کہا: دس دن۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مغرب کی نماز آپ تین ہی رکعت پڑھا کرتے تھے۔ خیال رہے کہ اس زمانے میں سفر پیدل، گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں پر کیا جاتا تھا اور حالات و واقعات کے مطابق سفر میں نمازیں قصر کی جاتی تھیں۔ موجودہ دور میں جب شہر بہت زیادہ پھیل گئے ہیں تو اس کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جانے والا مسافر نہیں کہلائے گا۔ بلکہ سفر وہی ہوگا جو ایک شہر سے دوسرے شہر تک کیا جائے گا جیسا کہ تفسیر القرطبی سے منقول ہے۔

بخاری مسلم میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں منیٰ میں ان کے ساتھ دو دو رکعتیں ہی پڑھیں، پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پوری نماز پڑھنی شروع کر دی۔

سنن ابی داؤد باب الصلوٰۃ بمنیٰ (ص ۲۷۰) میں اس کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے مکہ میں مقیم ہونے کا ارادہ کر لیا تھا۔

امام الزہری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اعراب (بدوؤں) کو تعلیم دینے کے لیے چار رکعتیں پڑھیں۔ تفسیر القرطبی میں ابن جریج سے اس کی وضاحت یوں ہوتی ہے کہ منیٰ میں مسجد خیف میں ایک اعرابی نے ان سے کہا: امیر المؤمنین! پہلے سال جب سے میں نے آپ کو دو رکعت پڑھتے دیکھا، تب سے دو رکعتیں پڑھ رہا ہوں۔ اس کی بات سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ لوگوں میں کم عقل والے خیال کریں گے نماز کی رکعتیں دو ہی ہیں۔ لہذا انہوں نے نماز پوری پڑھنی شروع کر دی۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی سفر میں پوری نماز پڑھا کرتی تھیں۔ بخاری مسلم کی روایت ہے، امام زہری نے عروہ سے پوچھا: عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز پوری کیوں پڑھتی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرح وہ بھی تاویل کرتی ہیں۔

امام القرطبی رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں اس کی بڑی اچھی وضاحت نقل کی ہے۔

”إِنَّهَا أَخَذَتْ بِرُخْصَةِ اللَّهِ لِتَرَى النَّاسَ أَنَّ الْإِتْمَامَ لَيْسَ فِيهِ حَرَجٌ وَإِنْ كَانَ

غَيْرُهُ أَفْضَلُ۔“

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی رخصت کے مطابق عمل کیا تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ پوری نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ قصر کرنا اس سے افضل ہے۔

قصر کرنے کی مدت میں کئی اقوال ہیں۔ اگر مسافر کہیں مقیم ہونے کا ارادہ نہ رکھتا ہو لیکن بعض وجوہات کی بنا پر وہ قیام کرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کے قصر نماز پڑھتے رہنے پر سب کا اتفاق ہے۔ جب کہ عام حالات میں ایک دن رات سے انیس دن تک قصر نماز پڑھنے کا ذکر ہوا ہے۔

صحیح بخاری (ص ۶۱۵) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ میں انیس دن قیام فرمایا اور آپ دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے کہ ہم انیس دن نماز قصر کرتے تھے اور جب قیام زیادہ ہو جاتا تو پوری پڑھا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت میں دس دن کے قیام کا ذکر ہے۔ وہ حجتہ الوداع والا سفر تھا جس میں آپ کا قیام مکہ میں دس دن ہوا۔ امام قرطبی نے امام مالک، امام شافعی اور امام لیث رضی اللہ عنہم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسافر جب قیام کی نیت چار دنوں کی کرے تو وہ پوری نماز پڑھے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام ثوری رضی اللہ عنہ کے مطابق جب پندرہ دن کے قیام کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھی جائے۔ مسافر اگر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کے ساتھ پوری کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مسافروں کو اس سہولت سے بھی نوازا کہ سفر کے دوران دو نمازوں کو جمع کر لیا جائے۔ صحیح بخاری (ص ۱۳۹) اور صحیح مسلم (۱/۲۳۵، ۲۳۶) کی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو جمع کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سفر میں اگر جلدی ہوتی تو مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج کے ڈھلنے سے پہلے جب سفر کا آغاز کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

جامع الترمذی (۹۹/۱) اور ابو داؤد (ص ۱۷۲) میں اس کی مزید وضاحت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے یوں ہوتی ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ ﷺ سفر کا آغاز سورج کے ڈھلنے سے پہلے کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ دونوں (اکٹھی) پڑھتے اور اگر سورج ڈھلنے کے بعد سفر کرتے تو عصر کو اس کے وقت سے پہلے کر کے ظہر سے ملا کر دونوں اکٹھی پڑھتے۔ اسی طرح اگر سورج کے غروب ہونے سے پہلے سفر شروع کر

دیتے تو مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ پڑھتے اور اگر سورج غروب ہونے کے بعد سفر کا پروگرام بننا تو عشاء کو اس کے وقت سے پہلے مغرب کے ساتھ اکٹھا پڑھتے۔

اگر سفر جہادی ہو اور دشمن کے حملے کا خطرہ ہو تو اس کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمایا کہ امام اپنے ساتھیوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کرے۔ ایک جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور دوسری جماعت اس دوران اپنے اسلحہ کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کے لیے تیار کھڑی رہے اور جب پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ چکے تو محافظت کرنے والی ان کی جگہ چلی جائے اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور پہلی رکعت پڑھنے والی محافظت کی ڈیوٹی ادا کرے۔ پھر دونوں جماعتیں اپنی اپنی دوسری رکعت پڑھ لیں۔ اگر لشکر بہت بڑا ہو تو اس کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے اسی اصول کو اپنایا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جس پہلو کو زیادہ اجاگر فرمایا ہے وہ مسلمانوں کا اپنے بچاء کا بندوبست کرنا ہے۔ کیوں کہ کفار کی ہمیشہ ہی خواہش رہی ہے کہ اہل اسلام پر غالب آ جائیں۔ لہذا اہل اسلام کا فرض ہے کہ ان کے عزائم کو خاک میں ملائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ کفار کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نماز خوف کا ذکر سورة البقرہ کی آیت ۲۳۹ میں بھی یوں ہوا ہے کہ اگر تمہیں دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ ہو یا لڑائی کا میدان گرم ہو تو اس وقت سواری پر یا پیدل چلتے ہوئے بھی نماز ادا ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی شرط بھی ختم ہو جاتی ہے اور اگر پھر بھی نماز کا موقع نہ ملے تو بعد میں پڑھی جاسکتی ہے۔

صحیح بخاری (غزوة الخندق ص ۵۹۰) میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ خندق والے دن سورج غروب ہونے کے بعد کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں تو عصر کی نماز ہی نہیں پڑھ سکا اور سورج غائب ہونے والا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے بھی نہیں پڑھی۔

چنانچہ ہم آپ کے ساتھ وادی بطنان میں اترے اور آپ ﷺ نے وضو کیا اور ہم نے بھی کیا۔ پھر آپ نے عصر کی نماز سورج کے غروب ہونے کے بعد پڑھائی اور اس کے بعد مغرب کی پڑھائی۔

یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ نماز ایسا فریضہ ہے جو سفر اور خوف کی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی واقع نہ ہونے دے۔ اللہ تعالیٰ اس کی محافظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ میں واو عاطفہ۔ اِذَا شرطیہ۔ ضَرَبْتُمْ فعل ماضی۔ فی الْأَرْضِ جار مجرور۔ فَلَيْسَ فعل ناقص پر فاء جواب شرط۔ عَلَيْكُمْ جار مجرور۔ جُنَاحٌ فعل ناقص کا اسم۔ اَنْ مصدریہ۔ تَقْصُرُوا فعل مضارع۔ مِنَ الصَّلَاةِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور جب تم سفر کے لیے زمین میں نکلو تو نماز قصر کرنے پر تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

﴿إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اِنْ شرطیہ مستغنی عن الجزاء خِفْتُمْ فعل ماضی۔ اَنْ ناصبہ۔ یُفْتِنُ فعل مضارع اَنْ کی وجہ سے منصوب۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی اس کا مفعول۔ الَّذِينَ موصولہ۔ کَفَرُوا اس کا صلہ۔ جملے کا معنی ہے: اگر تمہیں ان سے خطرہ ہو جنہوں نے کفر کیا۔

﴿إِنَّ الْكُفْرَيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ الْكُفْرَيْنِ اس کا اسم۔ كَانُوا اپنے متعلقات سے ل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک کفار تمہارے کھلے واضح دشمن ہیں۔

﴿وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ میں واو عاطفہ۔ اِذَا شرطیہ۔ كُنْتَ فعل ناقص۔ فِيهِمْ اور لَهُمْ جار مجرور۔ اَقَمْتَ فعل ماضی کی فاء ربط کی۔ الصَّلَاةَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور جب آپ ان میں ہوں اور آپ ان کو نماز پڑھانے لگیں۔

﴿فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ﴾ میں فَلْتَقُمْ کی فاء جواب شرط۔ لام امر کا۔ تَقُمْ اصل میں تَقُومُ فعل مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ لام امر کی وجہ سے حرف علت واو گری ہوئی ہے اور آخر میں جزم آگئی ہے۔ طَائِفَةٌ اس کا فاعل۔ مِنْهُمْ جار مجرور۔ مَعَكَ کی ضمیر کاف رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع۔ واو عاطفہ لِيَأْخُذُوا فعل امر غائب۔ اَسْلِحَتَهُمْ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو کر اور ان کو چاہئے کہ اپنا اسلحہ پکڑے رکھیں۔

﴿فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ﴾ میں فَإِذَا سَجَدُوا شرط۔ فَلْيَكُونُوا فعل امر غائب پر فاء جواب شرط۔ مِنْ وَرَائِكُمْ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور آپ ﷺ کے ساتھ والی جماعت جب سجدہ کر چکے تو وہ ہٹ کر تمہارے پیچھے ہو جائیں۔

﴿وَلْيَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾ میں لِيَأْتِ اور لِيَأْخُذُوا دونوں فعل امر غائب۔ طَائِفَةٌ أُخْرَى فاعل۔ لَمْ يُصَلُّوا نفی مجد لِم۔ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی، اس کو چاہئے کہ بیٹنے والوں کی جگہ پر

آ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنے بچاؤ کا بندوبست اور اپنا اسلحہ تیار رکھیں۔

﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً﴾ میں وَدَّ فعل ماضی۔ الدِّین موصولہ۔ کَفَرُوا صلہ۔ لَوْ حرف تمنایا مصدری بمعنی اَنْ۔ تَغْفُلُونَ فعل مضارع۔ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ جار مجرور۔ سِلَاح کی جمع أَسْلِحَة اور مَتَاع کی جمع أَمْتِعَة۔ فَيَمِيلُونَ فعل مضارع پر فاء جزائیہ۔ عَلَيْكُمْ جار مجرور۔ مَيْلَةً وَاحِدَةً مرکب توصیفی بطور مبالغہ۔ جملے کا معنی ہے: وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اپنایا وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ۔ تاکہ وہ ایک زبردست حملہ تم پر کریں۔

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ﴾ میں وَاوِ عاطفہ۔ لَا نفي جنس کا۔ جُنَاح بمعنی اِثم۔ عَلَيْكُمْ جار مجرور۔ اِنْ شرطیہ۔ كَانَ اور كُنْتُمْ افعال ناقص۔ أَذًى مصدر۔ مَرِيضٌ کی جمع مَرْضَى۔ اِنْ ناصبہ۔ تَضَعُوا فعل مضارع۔ أَسْلِحَتَكُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو جاؤ، یہ کہ تم اپنا اسلحہ رکھ دو۔

﴿وَاخْذُوا حِذْرَكُمْ﴾ میں وَاوِ عاطفہ۔ اخْذُوا فعل امر۔ حِذْرُكُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اپنے بچاؤ کا بندوبست کیے رہو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ أَعَدَّ فعل ماضی۔ لِلْكَافِرِينَ جار مجرور۔ عَذَابًا مُهِينًا مرکب توصیفی (أَعَدَّ کا مفعول) جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۳۳

جب تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے لیٹے کرتے رہو۔ پھر تمہیں جب اطمینان ہو جائے تو نماز قائم (کرنے کے تقاضے پورے) کرو۔ بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔

اور دشمن قوم کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔ اگر ایسا

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ﴿۱۰۳﴾

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۚ إِنَّ

تَكُونُوا تَالِمُونَ ۚ فَإِنَّهُمْ يَالِمُونَ كَمَا
تَالِمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ
مَالًا يَرْجُونَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا
حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

کرنے میں تم (بے آرا می کی) تکلیف محسوس کرتے
ہو تو (کوئی بات نہیں) تمہاری طرح ان کو بھی تکلیف
ہوتی ہے۔ جب کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کی امید رکھتے
ہو جس کی امید وہ نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی
جاننے والا حکمت والا ہے۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے اور بندیاں اس کا ذکر کرتے رہیں اور کسی بھی جگہ یا موقع پر
اس کے ذکر سے غافل نہ ہوں۔ اسی لئے اس نے سورة الاحزاب میں حکم دیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾﴾
اے ایمان والوں اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔
سورة الجمعة میں تاجروں سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ
كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾﴾

جب جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ یعنی تجارت کے لے جہاں جانا چاہتے ہو چلے
جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ تاکہ تم اپنے مقصد میں
کامیاب ہو جاؤ۔

یہاں رزق حلال کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل قرار دیا ہے۔ تجارت پیشہ لوگ فرائض کی ادائیگی کرنے کے ساتھ
جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں تو وہ عبادت ہی میں ہوتے ہیں۔
سورة ال عمران میں عقل والوں کی صفت اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے۔

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾

جو اللہ تعالیٰ کا ذکر قیام و قعود کی حالت میں اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے کرتے رہتے ہیں اور زمین
اور آسمانوں کی تخلیق میں غور فکر کرتے رہتے ہیں (اور بارگاہ الہ میں عرض کرتے ہیں): اے ہمارے

رب! تو نے ان کی تخلیق، باطل (بے مقصد) نہیں کی۔ تو پاک ہے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں غور و فکر کرنا بھی ذکر الہی کی ایک صورت ہے۔ کیوں کہ جیسے جیسے انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں غور و فکر کرتا ہے، ویسے ویسے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے آگاہ ہو جاتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ جو اس کو یاد کرتا ہے وہ بھی اس کو یاد رکھتا ہے۔ سورة البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (132)

پس مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔ یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا درحقیقت اس کا شکر کرنا ہے۔ جو اس کا ذکر نہیں کرتا وہ ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے بارگاہ الہ میں عرض کیا:

”كَيْفَ اَشْكُرُكَ؟ قَالَ لَهُ رَبُّهُ: تَذْكُرْنِي وَلَا تَنْسَانِي فَاِذَا ذَكَرْتَنِي فَقَدْ شَكَرْتَنِي فَاِذَا نَسَيْتَنِي فَقَدْ كَفَرْتَنِي۔

اے میرے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ ان کے رب نے فرمایا: مجھے یاد کرتے رہو اور مجھے بھولو مت۔ جب مجھے یاد کرتے یعنی میرا ذکر کرتے رہو گے تو میرا شکر کرتے رہو گے اور جب مجھے بھول جاؤ گے تو سمجھو کہ تم نے میرا انکار کر دیا۔

ذکر الہی کا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کا بہترین علاج ہے، اس سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ سورة الرعد میں اہل ایمان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ اٰمَنُوا وَتَطْمِئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (28)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

سورة الانفال کے الفاظ ہیں:

﴿اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ اِنِّي مُبْدِكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفَيْنِ﴾ (9)

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمِئِنَّ بِهٖ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿10﴾

جب تم اپنے رب سے مدد کرنے کی فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن کر تمہیں یقین دلایا کہ میں پے در پے نازل ہونے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے لئے یہ بشارت تھی اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور یاد رکھو کہ مدد صرف اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غلبے اور حکمت والا ہے۔

سورة الانفال ہی میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿45﴾﴾

اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ دشمن کی کسی جماعت سے ہو جائے تو اس کے خلاف ڈٹ جاؤ اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یعنی کامیابی تمہارے پاؤں چوم لے۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے ذکر الہی نہیں کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے انجام سے بھی سورة طہ میں آگاہ کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى ﴿124﴾﴾
 قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿125﴾ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ﴿126﴾﴾

اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا، اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالاں کہ میں بینا تھا؟ ارشاد ہو گا کہ اسی طرح میری آیات تیرے پاس آئیں اور تو ان کو بھول گیا۔ اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا۔

یہاں ذہن میں ضرور خیال آئے گا کہ دنیا کے انسانوں کی اکثریت اللہ کا ذکر نہیں کرتی۔ اس کے باوجود دنیا کی تمام نعمتوں سے وہ مالا مال ہے بلکہ دنیا پر اسی کا راج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء سے خطاب فرماتے ہوئے سورة طہ ہی میں خود جواب دیا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَمَدَّنْ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ﴾

وَرَزَقَ رَبِّكَ خَيْرًا وَأَبْقَى ﴿١٣١﴾

اور آپ اپنی نظریں ان کے مختلف لوگوں کی طرف نہ لگائیں جن کو ہم نے دنیا کی آرائش سے نواز رکھا ہے، تاکہ ہم اس کے ذریعہ ان کو آزمائیں، اور تیرے رب کا رزق ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ ﴿لَا تَمْدَنَّ عَيْنَيْكَ﴾ عربی کا ایسا جملہ ہے جو کسی کو لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ امت محمدیہ پر واضح کر دیا کہ کفار کو ملنے والی تمام نعمتیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی آزمائش کا سبب ہیں اور یہ دنیا میں دھوکے کا سامان ہوتا ہے۔

صحیح بخاری کتاب النکاح (ص ۷۸۱، ۷۸۲) کی ایک طویل حدیث کا حصہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کر رکھا تھا اور آپ ﷺ ایک بالا خانہ میں مقیم تھے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ایک کھر درے بورے پر لیٹے ہوئے تھے۔ بورے پر کوئی چادر وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے بورے کے نشان آپ کے پھلو پر نمایاں تھے۔ چڑے کا سر ہانہ تھا جس میں پتے بھرے ہوئے تھے۔ اسی پر آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بالا خانے کا جائزہ لیا تو اس میں تین چمڑوں کے علاوہ ان کو کچھ نظر نہ آیا۔ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے رسول! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر رزق کی فراخی کر دے۔ رومیوں اور فارسیوں پر کتنی وسعت کر دی گئی ہے اور ان کو دنیا کی تمام نعمتیں ملی ہوئی ہیں۔ حالاں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میری یہ بات سن کر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا:

«أَوْ فِي هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ إِنَّ أَوْلِيكَ قَوْمٌ عَجِلُوا طَيْبًا تَهُمُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا»

اے ابن الخطاب! کیا ابھی تک تو اس بارے میں شک میں ہے۔ بے شک یہ وہ قومیں ہیں جن کو دنیا کی زندگی میں بہترین نعمتیں جلدی دے دی گئی ہیں۔

سورة القصص میں بیان ہونے والا قارون کا قصہ اس کی بہترین وضاحت ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

﴿وَاتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءَ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ﴾ (القصص: ۷۶)

اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے کہ جن کی چابیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتی تھیں۔

لیکن اس کی بد نصیبی یہ تھی کہ ملنے والے مال کو وہ اللہ تعالیٰ کا احسان ماننے اور اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے

وہ کہتا تھا۔

﴿ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ﴾

بے شک میرے پاس جو علم ہے، اس کی وجہ سے مجھے یہ مال حاصل ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی خود ہی فرمایا:

﴿ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی بستی والوں کو ہلاک کیا جو اس سے زیادہ قوت و مال والے تھے۔

چنانچہ اس کا بھی وہی انجام ہوا جو اس سے پہلے والوں کا ہوا۔
ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبَدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴾

پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کرنے والی نہ تھی اور نہ وہ اپنے آپ کو بچانے والوں میں سے ہوسکا۔
سورۃ القصص ہی میں مزید وضاحت یوں ہوتی ہے:

﴿ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾

اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ تم عقل کیوں نہیں کرتے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم فرمایا کہ نماز خوف سے فارغ ہوتے ہی یا دشمن کے حملے سے بے خوف ہونے پر اپنے رب سے باقاعدہ نمازوں کے ذریعے ناطہ جوڑ لو۔ کیوں کہ یہ ایسا فریضہ ہے جو شرعی عذر کے بغیر کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوتا۔

اسلام دشمن قوتوں کے عزائم سے بھی غافل نہیں ہوتا۔ کہیں ان سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو ان کا پیچھا کرتے رہنا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں تمہیں تکلیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تمہارے دلوں میں یہ خیال بھی

نہ آئے کہ شاید ایسا کرنے سے دشمن امن اور چین میں رہے گا۔ بلکہ اپنے بچاؤ کے لئے وہ تم سے بھی زیادہ مشکلات کا شکار ہوگا۔ پھر سب سے بڑی کامیابی والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی میں کوشاں رہنے پر جس اجر و ثواب کی تم امید رکھتے ہو، اس کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں اور تمہارے درجات تو ہر نماز کے ساتھ بلند ہوتے رہتے ہیں۔

صحیح بخاری (باب فضل صلوٰۃ الجماعة، ص ۸۹) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آدی کی باجماعت پڑھی گئی نماز اس کے گھریا بازار میں اکیلے پڑھنے والی نماز سے پچیس گنا اجر میں بڑھا دی جاتی ہے۔ جب وہ اچھی طرح وضو کر کے باجماعت نماز پڑھنے کے لئے نکلتا ہے تو اس کے ہر قدم اٹھانے پر اس کا ایک درجہ بڑھا دیا جاتا ہے اور ایک گناہ گرا دیا جاتا ہے۔ وہ جب تک نماز پڑھنے کے بعد نماز والی جگہ میں رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں: اے اللہ عزوجل! اس پر رحم فرما، اللہ! اس کو اپنی رحمتوں سے نواز دے، اور مسجد میں آ کر جب وہ نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو وہ نماز میں شامل ہی سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ میں اِذَا حرف شرط پر فاء ربط کی۔ قُضِيَتِ فعل ماضی۔ الصَّلَاةُ اس کا مفعول۔ اُذْكُرُوا فعل امر پر فاء جواب شرط کی۔ لفظ اَللَّہُ مفعول۔ قِيَامًا وَقُعُودًا دونوں مصدر اور عَلَىٰ جُنُوبِكُمْ جار مجرور متعلق اِصْطِجَاعًا (مجذوف) ہو کر تینوں حال ہونے کی بنا پر منصوب۔ جملے کا معنی ہے: پھر تم جب نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے لیٹے کرتے رہو۔

﴿فَإِذَا أَطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ اِذَا حرف شرط پر فاء عاطفہ۔ اِطْمَأْنَنْتُمْ فعل ماضی۔ اَقِيمُوا فعل امر پر فاء جواب شرط۔ الصَّلَاةُ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور جب تم اطمینان میں ہو جاؤ تو نماز قائم کرنے کے تقاضے پورے کرو۔

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ الصَّلَاةُ اس کا اسم اور كَانَتْ اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر، جس میں كَانَتْ فعل ناقص۔ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ جار مجرور۔

كِتَابًا مَّصْدُورًا مَوْقُوتًا اسم مفعول صفت - جملے کا معنی ہے: بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ﴾ میں واو عاطفہ۔ لَا تَهِنُوا فعل نہی۔ مثال واوی سے باب وَهَنَ يَهِنُ وَ هِنًا۔ فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ مرکب جاری میں ابْتِغَاءِ ابْتَغَى يَبْتَغِي ناقص یائی سے مصدر۔ جملے کا معنی ہے: اور دشمن قوم کا پیچھا کرنے میں سست نہ ہو جانا۔

﴿إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ تَكُونُوا فعل مضارع کی نون حرف اِنْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ تَأْلَمُونَ اور يَأْلَمُونَ بھی فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور جمع مذکر غائب کے صیغے۔ إِنَّهُمْ کی فاء جواب شرط۔ كَمَا میں کاف، حرف جرّ تشبیہ کا۔ جملے کا معنی ہے: اگر بے آرامی کی تکلیف تمہیں ہوتی ہے تو تمہاری طرح ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

﴿وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ﴾ میں تَرْجُونَ اور يَرْجُونَ دونوں فعل مضارع۔ مِنَ اللَّهِ جار مجرور۔ مَا موصولہ۔ لَا نافیہ۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ سے جو امید تم رکھتے ہو، وہ امید نہیں رکھتے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ میں واو عاطفہ كَانَ فعل ناقص۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا اسم اور عَلِيمًا حَكِيمًا اس کی خبریں۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

۳۳

بے شک ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔

اور اللہ سے بخشش طلب کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اور نہ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا کریں جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والا گناہگار ہو۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَكُنَ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٦﴾

وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ
مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ
مَالًا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ
بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾

هَآئِنْتُمْ هَؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ
وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾

وہ لوگوں سے تو ڈرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں
ڈرتے حالاں کہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ
راتوں میں ان باتوں کے بارے میں خفیہ مشورے
کرتے ہیں جن پر اللہ رضی نہیں ہوتا اور جو وہ کرتے
ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

یہ تم ہی ہو جنہوں نے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی
میں جھگڑا کیا۔ لیکن قیامت کے روز اللہ کے سامنے
ان کی طرف سے جھگڑا کون کرے گا یا ان کا کون
وکیل ہوگا؟

تشریح:

سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے ہوئے قرآن حکیم
سے راہنمائی لینی ہے کیوں کہ یہ کتاب سراسر حق ہے۔ چنانچہ آپ اپنی زندگی مبارک میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے
مطابق عمل کرتے رہے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اسی اصول کو اپنایا۔ ظاہر ہے کہ اللہ
تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون سے بڑھ کر عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا کوئی اور قانون نہیں
ہو سکتا۔

صحیح بخاری (ص ۱۰۶۳، ۱۰۶۴) اور صحیح مسلم (۷۴۲) میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
اپنے گھر کے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی۔ آپ ﷺ نے باہر نکل کر فرمایا:
میں ایک انسان ہوں، جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ ایک شخص زیادہ
جست باز اور چرب زبان ہو اور اس کی باتیں سنکر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں جب کہ وہ اس کا حق
دار نہ ہو۔ لہذا وہ سمجھ لے کہ اس کو سچا گمان کر کے میں نے جو دیا ہے، وہ جہنم کا ٹکڑا ہے۔ اس کو اختیار
ہے چاہے لے لے یا چھوڑ دے۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے جو دیا
ہے وہ نہ لے۔ کیوں کہ میں نے اس کو جہنم کا ٹکڑا دیا ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کے باب میں واضح کیا ہے۔

”فَإِنَّ قَضَاءَ الْحَاكِمِ لَا يُجِلُّ حَرَامًا وَلَا يُحَرِّمُ حَلَالًا۔“

بے شک حاکم کا فیصلہ کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔

یعنی ظاہری شواہد کو پیش نظر رکھتے ہوئے حاکم اگر ایسا فیصلہ کرتا ہے جس سے حق دار کا حق سلب ہو جاتا ہے اور جس کا حق نہ تھا وہ اپنی چرب زبانی سے فیصلہ اپنے حق میں کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس سے جو کچھ اس کو حاصل ہوتا ہے، وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اسلام میں باطل طریقے سے کسی مسلمان بھائی کا مال کھانا جائز نہیں۔

سورة النساء ہی میں ارشاد ہوا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ (29)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ تمہارے لئے اسی صورت میں حلال ہوگا جب باہمی رضا مندی سے تجارتی لین دین کے ذریعہ ملے۔ اسی لئے جھگڑے کا فیصلہ کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ قرآنی پیغام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہنچا دیا کرتے تھے تاکہ حق دار اپنے حق سے محروم نہ ہو جائے۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مسند احمد (۳۲۰۶) میں مروی ہے کہ دو انصاری ورثے کا ایک قضیہ آپ ﷺ کے پاس لائے جس پر ایک زمانہ گزر چکا تھا اور دونوں کے پاس اپنے حق کو ثابت کرنے کی کوئی گواہی نہ تھی۔ آپ نے ان سے وہی کچھ فرمایا جس کا ذکر بخاری مسلم کے حوالے سے ہو چکا ہے۔ جب دونوں انصاری بزرگوں نے آپ کی بات سنی تو دونوں رونے لگ گئے اور دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں اپنا حق اپنے بھائی کو دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

ایسا نہ کرو بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے تو دونوں ٹھیک ٹھیک تقسیم کر کے قرعہ اندازی کے ذریعے اپنا اپنا حصہ لے لو اور آپس میں تقسیم کے بارے کوئی غلطی ہونے پر ایک دوسرے کو معاف کر دو۔

سنن ابی داؤد (ص ۵۰۵) کی روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہارے درمیان اپنی سوچہ بوجھ سے یہ فیصلہ کر رہا ہوں۔ اس بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔

یہاں آپ ﷺ کے اس فیصلہ سے مسلمان قاضیوں کو یہ گنجائش بھی مل گئی کہ جب ان کو قرآن و سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی معاملے میں راہنمائی نہ ملے تو وہ اپنی رائے انتہائی دیانت کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں لیکن

فیصلے کی بنیاد قرآن و سنت کے اصولوں کے تابع ہونی چاہئے۔ اس میں ذاتی خواہشات کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے۔

سورة ص میں حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب ہوا۔

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَصِلُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (62)

”اے داؤد! ہم نے آپ علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں۔ کیونکہ وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں، ان کے لئے اس بنا پر سخت عذاب ہوگا کہ وہ حساب والے دن کو بھول گئے۔

لہذا ہر مسلمان قاضی یا فیصلہ یا حاکم کا فرض ہے کہ کسی بھی معاملے میں فیصلہ کرتے ہوئے یاد رکھے کہ ایک دن اس کا بھی حساب ہونا ہے۔

ان آیات کے شان نزول میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب التفسیر (۱۵۰۶۲) میں بنو ابیرق کا لمبا قصہ نقل کیا ہے جس میں قتادہ بن النعمان رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت سے ہی فاقہ مست چلے آ رہے تھے اور مدینہ کے اکثر لوگوں کا کھانا جو اور کھجوریں ہوتی تھیں۔ جو صاحب ثروت ہوتا وہ شام سے آنے والے قافلے والوں سے میدہ خرید کر اپنے لئے مخصوص کر لیتا۔ باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے۔ شام سے جب ایک قافلہ آیا تو میرے چچا رفاعہ بن زید نے بھی ایک بوجھ میدے کا ان سے خرید لیا اور اسے اپنے بالا خانے میں محفوظ کر دیا۔ جہاں اس کے ہتھیار، زرہیں اور تلواریں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ چوروں نے رات میں نقب لگا کر غلہ اناج نکال لیا اور اسلحہ بھی لے گئے۔ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور چوری کا واقعہ سنا دیا۔ ہم نے جب اپنے طور پر معلومات حاصل کیں تو معلوم ہوا کہ رات بنو ابیرق کے گھر میں چوٹھا گرم ہوا اور ہمیں بتایا گیا کہ وہ تمہارا ہی چرایا ہوا اناج ہوسکتا ہے۔ جب پوچھ گچھ ہوئی تو بنو ابیرق نے کہا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے۔ حالاں کہ ہم جانتے تھے کہ لبید بن سہل نیک صالح مسلمان ہے۔ جب لبید رحمہ اللہ نے بنو ابیرق کی بات سنی تو تنگی تلوار لئے بنو ابیرق کے پاس آئے اور ان سے کہا: میری چوری ثابت کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ انہوں نے ان پر لگایا گیا الزام واپس لے کر ان کی برات کر دی۔ ہم نے مزید تحقیق کی تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق ہی نے کی

ہے۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر چوری کا ذکر کرو۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کر دیا۔ میں نے یہ بھی عرض کر دیا کہ وہ ہمارا اسلحہ ہمیں واپس کر دیں اناج وغیرہ کی ہمیں ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں عنقریب اس معاملے کی تحقیق کروں گا۔ جب بنو امیرق کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اُسی بن عروہ نامی ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ بنو امیرق صلاح و اسلام والے لوگ ہیں۔ قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا ان پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں۔ حالاں کہ ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ حضرت قتادہ کا کہنا ہے کہ میں جب دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چوری کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ تم صلاح و اسلام والے گھرانے پر بغیر ثبوت اور گواہی کے چوری کا الزام لگا رہے ہو۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر میں پریشانی کی حالت میں واپس آیا اور سوچ رہا تھا کہ بہتر یہی تھا کہ میں آپ سے چوری کا ذکر ہی نہ کرتا اور اپنے مال سے دست بردار ہو جاتا۔ چچا رفاعہ سے جب واپس آ کر آپ کے ارشاد کی خبر دی تو انھوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگار ہے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سورة النساء کی مذکورہ آیات نازل فرمادیں۔ یعنی بنو امیرق کی چوری ثابت ہو گئی اور آپ کو خیانت کے مرتکب ہونے والے گناہ گاروں کی حمایت سے منع کر دیا گیا۔ ساتھ ہی استغفار کا بھی آپ کو حکم مل گیا۔

ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنو امیرق سے چوری شدہ اسلحہ واپس دلوایا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے چچا بوڑھے انسان تھے اور بینائی بھی ان کی کمزور تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ جاؤ بیٹا اس اسلحہ کو اللہ تعالیٰ کے نام پر خیرات کر دو۔ اس سے پہلے میں اپنے چچا کے اسلام کے بارے میں کچھ بدگمانی کا شکار تھا۔ لیکن اس دن مجھے یقین ہو گیا کہ ان کا اسلام صحیح ہے اور وہ بکے مسلمان ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں پر بھی واضح کر دیا کہ ان کے منافقانہ پوشیدہ مشوروں سے اللہ تعالیٰ پوری طرح آگاہ ہے۔ کوئی معاملہ اس کے علم سے باہر نہیں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو بھی بتا دیا گیا کہ اگر دنیا میں ان کی حمایت کرتے ہو اور حق تک پہنچنے کی پوری کوشش نہیں کرتے۔ تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی حمایت کون کرے گا جس سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکے گی اور نہ اس کے سامنے کوئی کسی کا وکیل بنے گا۔ بلکہ ہر شخص کو اپنی نجات کی فکر ہوگی۔

ان آیات میں ان وکلاء کے لئے زبردست زجر و توبخ ہے کہ جو مال کے حصول کی خاطر مجرموں کو ملنے والی

سزا سے ان کو بچاتے ہیں اور حق دار کو حق سے محروم کرانے میں مدد و معاون بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے عمل سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ میں اِنَّا اصل میں اِنَّا ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے ایک نون گر گئی ہے۔ اَنْزَلْنَاهُ فعل ماضی جمع متکلم۔ اِلَيْكَ جار مجرور۔ اَلْكِتَابُ مفعول۔ بِالْحَقِّ بھی جار مجرور۔ لِتَحْكُمَ فعل مضارع پر لام کئی کا۔ بَيْنَ النَّاسِ مرکب اضافی۔ بِمَا کا ما موصولہ۔ اَرَاكَ اللّٰہ میں لفظ اللّٰہ فاعل۔ اَرٰی فعل ماضی اور کاف ضمیر مفعول۔ جملے کا معنی ہے: بے شک حق کے ساتھ ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا۔
- ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ میں لَا تَكُنْ فعل نہی۔ لِلْخَائِنِينَ جار مجرور۔ خَصِيمًا فعل ناقص کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔
- ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ﴾ میں اسْتَغْفِرْ فعل امر اور لفظ اللّٰہ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور آپ اللہ تعالیٰ سے بخش طلب کریں۔
- ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللّٰہ اس کا اسم اور كَانَ فعل ناقص اپنی خبر کے ساتھ مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔
- ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ﴾ میں لَا تُجَادِلْ فعل نہی۔ عَنْ حرف جر۔ الَّذِينَ موصولہ۔ يَخْتَانُونَ فعل مضارع۔ اَنْفُسَهُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے۔ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑانا نہ کریں جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں۔
- ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل لفظ اللّٰہ اس کا اسم۔ لَا نافیہ۔ يُحِبُّ فعل مضارع۔ مَنْ موصولہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ خَوَّانًا مبالغے کا صیغہ اور أَثِيمًا صفت مشبہ۔ جملے کا معنی ہے: بیشک اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا جو بہت ہی خیانت کرنے والا گنہگار ہو۔
- ﴿يَسْتَحْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَحْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ﴾ میں يَسْتَحْفُونَ فعل مضارع (باب استفعال)۔ مِنَ النَّاسِ اور مِنَ اللّٰہ جار مجرور۔ لَا نافیہ۔ هُوَ مَعَهُمْ سے پہلے واو حالیہ۔ جملے کا معنی ہے: وہ لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

﴿إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ﴾ میں اِذْ ظرفیہ۔ یُبَيِّنُونَ فعل مضارع (باب تفعیل)۔ مَا موصولہ۔ لَا نافیہ۔ یَرْضَى فعل مضارع۔ مِنَ الْقَوْلِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: جب وہ راتوں میں ان باتوں کے بارے میں خفیہ مشورے کرتے ہیں جن کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا﴾ میں كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللَّهُ اس کا اسم۔ بِمَا کا موصولہ۔ يَعْمَلُونَ فعل مضارع۔ مُحِيطًا (أَحَاطَ يُحِيطُ سے اسم فاعل) خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور جو وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

﴿هَآئِنتُمْ هَآؤِلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ میں هَآئِنتُمْ ضمیر مرفوع منفصل مخاطب پر تہ تنبیہ کی اور هَآؤِلَاءِ جمع اسم اشارہ۔ پہلا حصہ مبتدا اور دوسرا اس کی خبر۔ جَادَلْتُمْ فعل ماضی۔ عَنْهُمْ اور فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: یہ تمہیں لوگ ہو کہ جنہوں نے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں جھگڑا کیا۔

﴿فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ میں مَنْ استفہامیہ فاء تعقیب کی۔ يُجَادِلُ فعل مضارع۔ لفظ اللَّهُ اس کا مفعول۔ عَنْهُمْ جار مجرور۔ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مرکب اضافی ظرف زمان۔ جملے کا معنی ہے: قیامت کے روز ان کے طرف سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی حمایت میں جھگڑا کون کرے گا؟

﴿أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾ اَمْ حرف عطف۔ مَنْ استفہامیہ۔ يَكُونُ فعل مضارع ناقص۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور۔ وَكِيلًا فعل ناقص کی خبر۔ وَكَلَّ يَكْلُ مثال وادی سے صفت۔ جملے کا معنی ہے: یا ان کی وکالت کرنے والا کون ہوگا؟



اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو اللہ تعالیٰ کو بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا پائے گا۔

اور جو کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو اس کا بوجھ یقیناً وہ اپنے اوپر ہی ڈالتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءً أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١١٠﴾

وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾

حکمت والا ہے۔

اور جو کوئی غلطی یا گناہ کمالائے پھر وہ کسی بے گناہ پر اسے تھوپ دے تو وہ بے شک بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت آپ کو حق سے ہٹانے کا قصد ضرور کر لیتی حالاں کہ وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور آپ کو اس کی تعلیم دی جو آپ جانتے نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر عظیم فضل ہے۔

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمُ بِهِ بَرِيئًا فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾

تشریح:

صحیح بخاری کتاب التوحید (ص ۱۱۰) اور صحیح مسلم کتاب التوبة (۲/۳۵۶) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَمَّا خَلَقَ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ وَهُوَ يَكْتُبُ عَلَى نَفْسِهِ وَهُوَ وَضَعَ عِنْدَهُ عَلَى الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي»
جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کی تو اس کو اپنی کتاب میں لکھا اس حال میں کہ وہ اپنے نفس پر لازم کر رہا تھا اور اس نے لکھی گئی کتاب کو اپنے پاس عرش پر رکھا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔

بخاری و مسلم کی دوسری روایت کے مطابق

«إِنَّ اللَّهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي»

جب اللہ تعالیٰ اپنے پروگرام کے مطابق تخلیق کر چکا تو اس نے اپنے پاس عرش پر لکھ دیا کہ بے شک

میری رحمت میری غضب پر سبقت لے گئی۔

سورة الانعام میں اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا:

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾ (54)

تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو لکھ لیا کہ جو کوئی جہالت کی وجہ سے کوئی برا کام کرے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور (اپنی) اصلاح کرے بوجہ شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ سورة ال عمران میں متقین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ فَمَا لَهُ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ (135) أُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴾ (136)

www.KitaboSunnat.com

اور وہ لوگ جب کوئی فحاشی کا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو بخشنے والا کون ہے؟ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہوتا ہے اس پر ڈٹے نہیں رہتے اس حال میں کہ وہ جانتے ہوتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن کی جزاء ان کے رب عزوجل کے پاس بخشش اور ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور عمل کرنے والوں کا بہترین اجر ہوگا۔

یہاں واضح کر دیا گیا ہے کہ انسان کتنا ہی متقی کیوں نہ ہو لیکن اس سے فحاشی کے کام کا ہونا یا اپنی جان پر ظلم کرنے کا احتمال ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اس میں تعلیم دی گئی کہ کوئی بھی اپنے بارے میں یہ خیال نہ کرے کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ گناہوں سے محفوظ ہو گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی گناہوں سے پاک ہونے کا طریقہ بھی سمجھا دیا گیا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کو چاہئے کہ فوراً اپنے رب عزوجل کی طرف رجوع کرے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے گناہ کی معافی مانگے۔ جو گناہ اس سے ہوا ہے، اس پر مصر نہ رہے بلکہ ایسی توبہ کرے جس میں یہ اقرار ہو کہ وہ پھر ایسا کام نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ گناہوں کو بخشنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے؟ توبہ کرنے والے کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ اس کا رب ہی اس کے گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ ایسے تابع ہونے والوں کو اللہ

تعالیٰ نے بشارت دے دی کہ نہ صرف ان کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے بلکہ ان کا ٹھکانا ایسی جنت میں بن جائے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کا یہ ٹھکانا عارضی نہیں ہوگا بلکہ دائمی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرنے والوں کی یہ بہترین جزاء ہوگی۔

مسند احمد کی پہلی جلد کی دوسری حدیث ہے: ص ۹ اور ص ۱۰ میں بھی منقول ہے اور امام ابو داؤد نے بھی اپنی سنن کی کتاب الصلوٰۃ کے باب الاستغفار میں نقل کیا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ اس سے جتنا چاہتا مجھے نفع دیتا۔ جب کوئی اور رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس کو قسم دے کر پوچھتا کہ آیا اس نے آپ سے اسی طرح سنا۔ جب وہ قسم کھا کر کہہ دیتا کہ اس نے ایسے ہی سنا ہے تو میں اس کی تصدیق کر دیتا۔ بے شک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سچ کہا، انہوں نے نبی کریم رؤف رحیم کو فرماتے سنا۔

« مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا فَيَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فَيَسْتَغْفِرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا غُفِرَ لَهُ »

جب کوئی آدمی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے، اللہ عزوجل سے بخشش طلب کرتا ہے تو اس کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔

مسند احمد کی دوسری روایت میں رَجُلٍ کی بجائے مُسْلِمٍ اور تیسری روایت میں عَبْدٍ مُؤْمِنٍ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں مسلم مومن بندے کی بات ہو رہی ہے۔

جامع الترمذی کتاب القیلمۃ (۸۶/۲) ابن ماجہ کتاب الزہد (۳۱۳) دارمی کتاب الرقاق (ص ۳۶۶) مسند احمد (۱۹۸/۳) میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ »

سب بنی آدم خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

صحیح بخاری کتاب الدعوات (ص ۹۳۳) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً »

اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے بخش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

صحیح مسلم باب الاستحباب الاستغفار (۲/۳۴۶) کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَيُّهَا النَّاسُ! تُؤْبُوا إِلَى اللَّهِ فَإِنِّي أَنُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ »
اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کیا کرو، بے شک میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

سورة النساء کی مذکورہ آیت مبارکہ میں اسی اہم ترین بات کو اجاگر کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وضاحت فرمادی کہ جو کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوتا ہے، اس کے گناہوں کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہنے اور اسی کی طرف رجوع کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ بھی یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

بنو ائیرق کے حوالے سے اس بات کو بھی اجاگر کر دیا گیا کہ خطایا قصداً گناہ کا مرتکب ہونے والا کوئی شخص اگر اپنا کارنامہ کسی دوسرے پر تھوپ دے تو یہ بھی گناہ اور بہتان کا بہت بڑا بوجھ ہوگا جس کو اس نے خود اٹھانا ہے اور اس کا حساب دینا ہوگا۔ بنو ائیرق نے لبید رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اپنی برأت کی تھی حالاں کہ وہ خود چور تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے ان کی بات کو صحیح تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن احکم الحاکمین نے ان کی فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا اور اپنے فضل کے طور پر سید الانبیاء ﷺ کو بتا دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ حق سے آپ کو آگاہ نہ کرتا تو قریب تھا کہ ایک جماعت آپ ﷺ کو حق سے دور کر دیتی۔ اگرچہ وقتی طور پر انہوں نے جھوٹ اور بہتان بازی سے اپنے دفاع کی کوشش کی جس سے انہوں نے اپنا ہی نامہ اعمال خراب کیا اور خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا، اس سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب و حکمت اور جو کچھ آپ کو سکھایا (جس کا آپ کو علم نہ تھا۔) اس کو اپنا عظیم فضل قرار دیا۔ کیونکہ اسی کتاب و حکمت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے گمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کو راہ حق پر لگایا، صدیوں سے بت پرستی اور جاہلانہ رسم و رواج میں غرق رہنے والوں کو ان کے حقیقی خالق و مالک کے سامنے جھکایا۔ جو ایک دوسرے کا خون بہایا کرتے تھے، ان کو آپس میں دینی بھائی بنایا۔ جس معاشرے میں ہر قسم کی برائی پائی جاتی تھی، اس کو دنیا کا مثالی معاشرہ بنا دیا۔ جو بیٹیوں سے نفرت کرتے ہوئے ان کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے ان کے دلوں میں بیٹیوں کی محبت کی شمع کو روشن فرمایا۔ بیٹیوں کی اچھی پرورش کرنے اور شادی کرنے پر جنت کی بشارت دی۔ بیویوں سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی۔ ماں باپ کی نافرمانی کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ٹھہرایا۔ اولاد کی اچھی تربیت کرنے کو والدین پر فرض کیا۔ قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور معاشرے کے محتاج لوگوں کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ اس کی مخلوق کے حقوق کی ادائیگی پر خاص زور دیا۔ اچھائی کو اپنانے اور برائی سے روکنے کا ہر

مسلمان کو پابند کیا۔ سورۃ التوبۃ میں مومنوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ہم درد و دوست ہیں۔ آپس میں اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائے سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہی ہیں کہ اللہ عنقریب ان پر رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم میں بھی یہ خوبیاں پیدا کرے۔

حل لغات:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ یَعْمَلْ، يَظْلِمُ اور يَسْتَغْفِرُ تینوں فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے، شرط ہونے کی بنا پر مجزوم۔ سُوءًا، نَفْسَهُ اور لفظ اللہ مفعول۔ واو، اور ثُمَّ حرف عاطفہ۔ ان میں سے ثُمَّ ایسا حرف ہے جو اپنے معطوف علیہ کے حکم میں اشتراک و ترتیب اور مہلت چاہتا ہے۔ يَجِدِ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (جملہ جواب شرط) میں يَجِدُ فعل مضارع۔ لفظ اللہ مفعول۔ غَفُورًا رَّحِيمًا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے یا پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔ تو اللہ تعالیٰ کو بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا پائے گا۔

﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ﴾ میں إِنَّمَا مفعول تک جملہ شرطیہ اور إِنَّمَا کلمہ حصر پر فاء جواب شرط۔ يَكْسِبُهُ کی ضمیر اِنَّمَا کی طرف راجع۔ عَلَى نَفْسِهِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور جو گناہ کا کام کرتا ہے، اس کا بوجھ یقیناً وہ اپنے اوپر ہی ڈالتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ میں خَطِيئَةً سے مراد وہ گناہ جو غیر ارادی طور پر ہو جائے یا وقتی طور پر عقل پر پردہ پڑ جائے۔ جب کہ اِنَّمَا میں ارادہ و قصد ہمیشہ شریک رہتا ہے۔ اس کا مرتکب ہونے والا جانتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے۔ يَرْمِي فعل مضارع ناقص یائی کی بیا شرط ہونے کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ بَرِيئًا فاعیل کے وزن پر مفعول قَدْ تحقیق کا اور اس پر فاء جواب شرط کی۔ اِحْتَمَلَ فعل ماضی باب افعال۔ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا مفعول میں بُهْتَانًا اور اِنَّمَا مصدر۔ جب کہ مُبِينًا، أَبَانَ يُبِينُ سے صفت۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے خطا کے طور پر یا عمداً گناہ کا کام کیا پھر کسی بے گناہ پر اس کو تھوپ دیا، اس نے بہتان لگانے اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھایا۔

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ﴾ میں لَوْلَا حرف شرط۔

فَضْلُ اللَّهِ مَرْكَبٌ أَضَافِي - عَلَيْكَ جَارٌ مَجْرُور - رَحْمَتُهُ بَيْحٌ مَرْكَبٌ أَضَافِي - جَمْلے کا یہ حصہ شرط اور اگلا حصہ جواب شرط ہے - لَهْمْتُ فَعْلٌ مَاضٍ پَر لَام جَوَابِ شَرْطٍ کا - طَائِفَةٌ فَاعِلٌ - مِنْهُمْ جَارٌ مَجْرُور - اَنْ نَّاصِبہ - يُضِلُّوْكَ کی کاف ضمیر مخاطب کی اور يُضِلُّوْا فَعْلٌ مَضَارِعٌ کی نون اَنْ نَّاصِبہ کی وجہ سے گری ہوئی ہے - جملے کا معنی ہے: اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت آپ کو ضرور حق سے ہٹانے کا قصد کر لیتی -

○ ﴿وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِوْكَ مِنْ شَيْءٍ﴾ میں مَا دونوں جگہ نافیہ - يُضِلُّوْنَ اور يَصْرِوْنَ دونوں فعل مضارع - يَصْرِوْنَ کی ضمیر کاف مخاطب کی - إِلَّا حرف استثناء - مِنْ شَيْءٍ اگرچہ جار مجرور ہے - لیکن یہ نصب کے محل میں ہے یعنی لَا يَصْرِوْكَ شَيْئًا جملے کا معنی ہے: اور حالاں کہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے -

○ ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ میں أَنْزَلَ فَعْلٌ مَاضٍ - لَفْظُ اللَّهِ اس کا فاعل عَلَيْكَ جَارٌ مَجْرُور - الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ مَفْعُول - وَادَّ عَاطِفٌ عَلَّمَ فَعْلٌ مَاضٍ کے ساتھ کاف ضمیر مخاطب کی - مَا مَوْصُولہ - لَمْ نَفِي جَد - تَكُنْ اَصْلٌ مِّنْ تَكُونُ ہے - لَمْ کی وجہ سے نون پر جزم آئی تو وادَّ اور نون دونوں ساکن ہونے کی بنا پر وادَّ گر گئی - تَعْلَمُ فَعْلٌ مَضَارِعٌ - جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور آپ کو اس کی تعلیم دی جو آپ نہیں جانتے تھے -

○ ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ میں كَانَ فَعْلٌ نَاقِصٌ - فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ اس کا اسم اور عَظِيمًا اس کی خبر جملے کا معنی ہے: اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے -



ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں خیر نہیں مگر جس نے صدقہ کرنے یا اچھائی کو اپنانے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دیا اور کوئی یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرے گا تو ہم اس کو عنقریب عظیم اجر عطا کریں گے -

اور جو رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے گا اس کے بعد

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّبُوهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ
جَهَنَّمَ ۚ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہے اور مومنوں کی راہ
کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو اس کی
اختیار کردہ راہ پر ہی لگا دیں گے پھر اس کو جہنم میں
ڈال دیں گے اور جہنم لوٹنے کی بہت ہی بری جگہ
ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ
مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ
يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک
کیا جائے، اس کے علاوہ گناہ پر جس کو چاہے معاف
کر دیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً
بہت دور کی گمراہی میں کھو جاتا ہے۔

تشریح:

اگرچہ یہاں بات ان ہی لوگوں کے بارے میں ہو رہی ہے جو رات میں لوگوں سے ڈرتے ہوئے ایسے خفیہ
مشورے کیا کرتے تھے جن پر اللہ راضی نہیں ہوتا اور ان کا مقصد اپنے کیے ہوئے برے اعمال کو بے گناہوں پر
تھوپ کر اپنے آپ کو بچانا تھا۔ لیکن اس بات کو قیامت تک اہل اسلام کے لئے دینی اصول بنادیا گیا ہے اور نہ
صرف راتوں کو بلکہ ہمیشہ ہی ہر جگہ اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے، کہ بخویٰ جب بھی ہو تو اچھی
باتوں اور اچھے کاموں کے لئے ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نبوی کا معنی (السِّرِّ بَيْنَ الْإِثْنَيْنِ) یعنی دو آدمیوں کے درمیان پوشیدہ اور
راز کی بات کرنا ہے جس سے دوسرے لوگ آگاہ نہ ہو پائیں۔ اسی سے لوگوں کی باہمی سرگوشی کو تَنَاجَى الْقَوْمُ
کہا جاتا ہے۔

سورة المجادلة میں ارشاد ربانی ہے:

﴿الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْأَلَمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءَ وَكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِيْ
أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا پھر وہ اسی کی

طرف لوٹتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور وہ گناہ وزیادتی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے کے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ پھر آپ کے پاس آکر اس انداز میں سلام کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلامتی کا تحفہ نہ دیا تھا اور وہ اپنے نفسوں میں کہتے ہیں کہ جو ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ ان کو جہنم ہی کافی ہوگی جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْأَلْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبَيِّنَاتِ وَالتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ ﴿6﴾

اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ وزیادتی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے کے بارے میں سرگوشی نہ کرو۔ بلکہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں سرگوشی کرو اور اس اللہ سے ڈر جاؤ جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

﴿إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ﴿10﴾

بے شک سرگوشی شیطان کی طرف سے ہے تاکہ وہ اہل ایمان کو غمزدہ کرے حالاں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

یہودیوں کا معمول تھا کہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے خلاف خفیہ مشوروں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے خلاف برے پروگرام بنایا کرتے تھے اور وہ یہ بھول جایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان کی شرارتوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے بڑی کوشش کی کہ وہ گناہ اور زیادتی سے باز آجائیں اور حق کو قبول کرتے ہوئے خفیہ مشوروں کو ترک کر دیں۔ لیکن اپنی حیثانہ عادت کی بنا پر وہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر ڈٹے رہتے تھے اور آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرتے کہ جو ان کے لئے مناسب نہ ہوتا تھا۔ ان کی جہالت نے ان کی عقلوں پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں برائی کو اپناتے ہوئے کہتے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہمیں عذاب کیوں نہیں کرتا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے ہر انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اچھائی کو اپنائے یا اس کو ٹھکراتے ہوئے برائی میں غرق ہو جائے۔ لیکن مرنے کے بعد اس کے اعمال کے مطابق اس نے جزایا سزا پائی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کی جاہلانہ سوچ و فکر کا جواب یہ دیا کہ جب جزا و سزا کا وقت آئے گا تو ان کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جہنم سے بری جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہود اور منافقوں والی سرگوشی سے اہل اسلام کو منع کر دیا اور ایسی سرگوشی کی اجازت دی کہ جس میں نیکی اور تقویٰ کا پروگرام بنایا جاتا ہو۔ جس میں گناہ و زیادتی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا شائبہ تک نہ ہو۔ بلکہ نیکی کے کاموں کو ایسے کرنے کی بات ہو کہ جس سے لوگوں کو خبر نہ ہو اور وہ کام صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لئے ہوں۔ جس میں غریبوں اور مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے برائی کو مٹانے اور اچھائی کو عام کرنے اور مسلمانوں میں کہیں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کو دور کرنے کا پروگرام طے پائے۔ ایسی سرگوشی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم کی بشارت دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے جن تین باتوں میں نجویٰ کی اجازت دی ہے۔ اگر ان کو دینی تعلیم کے مطابق اپنا لیا جائے تو معاشرے کا ہر بگاڑ دور ہو جائے گا اور چند ہی سالوں میں یہ دنیا کا بہترین معاشرہ بن جائے گا۔

معاشرے کے بگاڑ کے عموماً تین ہی سبب ہوتے ہیں۔ پہلا سبب غربت ہوتی ہے جب ساری دولت سمٹ کر چند امیروں کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے اور وہ اس کو اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل پر خرچ کرتے ہیں۔ غریبوں کو اس میں شریک کرنے کا اس کے ہاں کوئی تصور نہیں ہوتا۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ غریب مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

دوسرا سبب اچھائی کو ترک کر دینا ہوتا ہے اور اس میں بھی امیروں کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔ اپنی مجبوریوں اور ضرورتوں کی بنا پر غرباء بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔

تیسرا سبب باہمی لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔ جب قوم مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے تو اختلاف کا ظاہر ہونا لازم ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی جب اخلاقی اقدار میں ضعف واقع ہو جاتا ہے اور معاشی تنگی اور مختلف آزمائشوں کے سبب لوگوں میں صبر کی سطح پست ہو جاتی ہے۔ تو لڑائی جھگڑوں کے امکانات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اسباب کا سد باب صدقہ، معروف اور اصلاح بین الناس سے کیا ہے۔ غربت کا خاتمہ اسلام نے صدقات سے کیا۔ حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں لوگ زکوٰۃ لینے کی بجائے زکوٰۃ دینے والے بن گئے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ معاشرے کی ہر برائی ختم کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کے افراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے تھے۔

صحیح بخاری کتاب الادب (ص ۸۹۰) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ (۱/۳۲۵) میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ »

ہر بھلائی صدقہ ہوتی ہے۔

ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ والی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا۔ ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ اگر وہ صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ پائے تو پھر کیا کرے۔ آپ نے فرمایا: وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام یعنی محنت مزدوری کرے اپنے نفس کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کیا کرے۔ آپ نے فرمایا: اس کو چاہئے کسی حاجت والے مظلوم کی مدد کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر عرض کیا۔ اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا: اس کو چاہئے خیر اور بھلائی کے کام کا لوگوں کو حکم دے۔ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو وہ لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے رک جائے۔ ابو ہریرہ کی روایت کے الفاظ ہیں۔ کلمہ طیبہ صدقہ ہوتا ہے۔

آپ کے ارشاد مبارک کے مطابق ہر مسلمان اگر کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو کسی کے لئے تکلیف کا باعث بھی نہ بنے۔ تو معاشرے میں امن وامان کا معاملہ ہمیشہ بگاڑ سے محفوظ رہے گا۔ اس کے باوجود پھر بھی کہیں مسلمانوں میں اختلاف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کا طریقہ بھی سورۃ الحجرات میں سمجھا دیا ہے۔

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ [10]

بے شک سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تفسیر القرطبی کی روایت ہے، ابو ایوب انصاری سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ صدقہ نہ بتاؤں کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان صلح کراؤ کہ جب وہ فساد کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ جب ایک دوسرے سے دور ہونے لگیں تو ان کو ایک دوسرے کے قریب کرو۔

جائز نجوی کا ذکر کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ قرآنی ہدایت کے آجانے کے باوجود جو بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے باز نہیں آئے گا اور مومنوں کی راہ سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق اس کو اس کی اختیار کردہ راہ ہی پر لگا دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ اس کی ہدایت کو ضرور اپنائے۔ لہذا جو اس کی ہدایت کو ٹھکراتا ہے تو اس کی موت واقع ہوتے ہی اس کو اس

کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے اور جہنم کو اس کا ٹھکانا بنا دیا جاتا ہے۔

سورة النساء میں دو مرتبہ ارشاد ہوا کہ اللہ شرک کے علاوہ جس کا چاہے ہر گناہ معاف فرمائے گا۔ لیکن شرک ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ اگر شرک مرنے سے پہلے توبہ نہیں کرتا اور اس کی موت شرک پر ہو جاتی ہے تو پھر وہ اللہ کی بخشش سے محروم رہتا ہے۔ شرک کا مرتکب ہونے والا ایسی گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کو رحمت خداوندی سے بہت دور رکھتی ہے۔ شیطان کا بہکاؤ اس کو صراطِ مستقیم پر آنے سے روکے رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا میں اس کی زندگی کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور شیطان اس کو جہنم میں دھکا دے کر منہ موڑ لیتا ہے۔ اس وقت اس کو مدد کرنے والا کوئی نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بہکاوے سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

○ ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجُوهُمْ إِلَّا مَنَ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ میں لانی جنس کا۔ فی اور مِنْ حروف جر۔ نَجُوهُمْ کی ضمیر ہُمْ بنو امیرق کی طرف راجع۔ نَجْوَى مصدر۔ اِلَّا حرف استثناء۔ مَن موصولہ۔ اَمَرَ فعل ماضی۔ بِصَدَقَةٍ کی باء حرف جر کی وجہ سے صَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں خیر نہیں مگر جس نے صدقہ کرنے یا اچھائی کو اپنانے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دیا۔

○ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَفْعَلْ فعل مضارع۔ ذَلِكَ اسم اشارہ۔ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ مشارالیہ۔ ابْتِغَاءَ اور مَرْضَاتِ دونوں مصدر سَوْفَ پر فاء جواب شرط۔ نُؤْتِيهِ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع اور نُؤْتِي فعل مضارع۔ أَجْرًا عَظِيمًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور جو کوئی یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کرے گا۔ تو ہم عنقریب اس کو عظیم اجر عطا فرمائیں گے۔

○ ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يُشَاقِقُ فعل مضارع (باب مفاعلة) لفظ الرَّسُولُ مفعول۔ مِنْ حرف جر۔ مَا موصولہ۔ تَبَيَّنَ فعل ماضی (باب تَفَعُّل) لَهُ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع۔ الْهُدَى مصدر۔ وَادَّعَا طے۔ يَتَّبِعْ فعل مضارع۔ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اس کے لئے ہدایت کے واضح ہونے کے بعد کی اور مومنوں کی راہ کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کی۔

○ ﴿نُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ﴾ میں نُؤَلِّهِ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع۔ نُؤَلِّ فعل مضارع جمع متکلم

اور تَوَلَّى فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ نُضِلَّ کی بھی ضمیرہ مَنْ کی طرف راجع اور نُضِلَّ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: تو ہم اس کو اسی راہ پر لگا دیتے ہیں کہ جو وہ اختیار کرتا ہے پھر اس کو جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔
 ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ میں سَاءَتْ فعل ماضی۔ مَصِيرًا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ بہت ہی بری جگہ لوٹنے کی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ میں إِنَّ مشبہ فعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ اگلے جملہ اس کی خبر۔ جس میں لَا نافیہ۔ يَغْفِرُ فعل مضارع۔ أَنْ ناصبہ۔ يُشْرَكَ فعل مضارع مجہول کے آخر میں زبر اَنْ ناصبہ کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ کی ضمیرہ اللہ کی طرف راجع۔ مَا موصولہ۔ ذَلِكَ اسم اشارہ۔ لِمَنْ موصولہ پر لام حرف جر۔ يَشَاءُ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ نہیں بخشا یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ جس کے لئے چاہے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔
 ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يُشْرِكْ فعل مضارع۔ بِاللَّهِ جار مجرور۔ قَدْ حرف تحقیق پر فاء جواب شرط۔ ضَلَّ فعل ماضی۔ ضَلَالًا بَعِيدًا مرکب توصیفی اس کا بیان۔ جملے کا معنی ہے: اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو وہ بہت دور کی گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۳۷

وہ اللہ کے علاوہ عورتوں کو ہی پکارتے ہیں اور وہ نافرمان سرکش کو ہی پکارتے ہیں۔
 اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس نے کہا کہ تیرے بندوں میں سے مقرر شدہ حصہ میں ضرور لے کر رہوں گا۔
 اور ان کو ضرور گمراہ کرتا رہوں گا اور ان کو باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور ان کو حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان کاٹیں چیریں اور ان کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی تخلیق کو تبدیل کریں اور جو اللہ کے علاوہ شیطان کو دوست بنائے گا تو وہ واضح گھائے میں ہو جائے گا۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾
 لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا تَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾
 وَلَا ضِلَّتْهُمْ وَلَا مَنِيتْهُمْ وَلَا مَرَّتْهُمْ فَلَيَئِيَّتْ كَنْ إِذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرَّتْهُمْ فَلَيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ﴿١١٩﴾

وہ ان سے وعدے کرتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے
حالاں کہ شیطان صرف ان سے دھوکے فریب کا وعدہ
کرتا ہے۔

وہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ اس سے
بھاگ کر کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل
کیے ان کو ہم عنقریب ایسی جنتوں میں داخل کریں گے
کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ
رہیں گے، اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچی
بات کہنے والا کون ہے۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾

أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يَجِدُونَ
عَنْهَا مَخِيضًا ﴿١٢١﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَ
اللَّهُ حَقًّا ۖ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ
قِيلًا ﴿١٢٢﴾

تشریح:

تفسیر ابن کثیر میں الضحاک رحمہ اللہ کے حوالے سے منقول ہے کہ مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں
ہیں، ان کا کہنا تھا کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کرتی ہیں اور انہوں نے ان کو
رب بنایا ہوا تھا ان کی لڑکیوں جیسی تصویریں بنا کر ان کی عبادت کا حکم دیتے اور ان کی تقلید کرتے اور ان کو اللہ کی
لڑکیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے کہ ہم ان کی ہی عبادت کرتے ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق وہ لات عزی اور منات کو اِنَاثًا کہا کرتے تھے۔ تفسیر القرطبی میں۔

مروی ہے۔

”كَانَ لِكُلِّ حَيٍّ صَنَمٍ يَعْبُدُونَهُ وَيَقُولُونَ اُنْثَىٰ بِنَىٰ فُلَانٍ۔“
ہر قبیلے کا ایک بت ہوتا تھا۔ جس کی وہ عبادت کرتے اور کہتے تھے۔ فلاں قبیلے کا یہ انْثَىٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ باطلہ کا رد اس طرح فرمایا:

﴿الْكُفْرَ الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ﴾ ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ
سَمِيَتْهُمَا أَنْتُمْ وَأَبَاكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا
تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾

تمہارے لیے لڑ کے اور اس کے لئے لڑکیاں۔ پھر تو یہ بڑی میڑھی تقسیم ہوئی۔ یہ تو وہ نام ہیں کہ جو تم نے خود اور تمہارے باپوں نے رکھے ہیں۔ حالاں کہ اللہ نے اس کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ تم تو اپنے گمانوں کی اتباع کر رہے ہو اور اس کی کہ جو تمہارے نفس پسند کرتے ہیں۔ جب کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔

سورة الزخرف میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ إِنَاءً أَشْهَدُوا خَلَقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُونَ﴾ (19) وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿20﴾ أَمْ اتَّيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿21﴾

اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ رحمن کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا۔ کیا وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے؟ عنقریب ان کی شہادت لکھی جائے گی۔ پھر ان سے اس کے بارے میں سوال ہوگا اور انہوں نے کہا۔ اگر رحمن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ ان کو اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ ایسے ہی انکل بچو مار رہے ہیں یا اس سے پہلے ہم نے ان کو کوئی کتاب دی تھی کہ جس کو وہ تھامے ہوئے ہیں۔

سورة النحل میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ان معبودوں کی حقیقت یوں بیان فرمائی کہ جن کو وہ پکارا کرتے تھے۔

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿20﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (21)

اور جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں۔ وہ کچھ بھی تخلیق نہیں کرتے، بلکہ خود تخلیق کیے جاتے ہیں۔ مردہ ہیں۔ زندہ نہیں، ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔

یہاں مِنْ دُونِ اللَّهِ سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک واضح کر دیا کہ اس کی مخلوق میں سے اس کے علاوہ جب بھی کسی کو پکارا جائے تو وہ شرک ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورة المؤمن (الغافر) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار سنوں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔ عنقریب وہ ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وضاحت

کردی کہ اس کو پکارنا درحقیقت عبادت ہے اور نہ پکارنے والوں کا انجام جہنم کا ایندھن بنایا جانا ہے۔ اہل عرب اسلام سے پہلے اُنْثٰی یا اِنَاثًا کے طور پر جنہیں پکارا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ درحقیقت شیطان، سرکش نافرمان کو ہی پکارتے تھے۔ کیوں کہ اسی نے ان کے لئے ایسا کرنا مزین کر رکھا تھا۔ شیطان ہی نے نوح علیہ السلام کی قوم میں بت پرستی کو رائج کیا تھا۔ وہی تھا کہ جو پہلی قوموں کی تباہی اور بربادی کا سبب بنا کرتا تھا اور اس کی یہی کوشش تھی کہ اہل مکہ بھی دعوت حق کو قبول نہ کریں۔ بلکہ دعوت دینے والے ہی کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل حق کی مدد فرمائی اور اس کے مذموم عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت بھیجتے ہوئے اس کے ارادوں سے اپنی مخلوق کو آگاہ فرمایا کہ اس نے اللہ کی عزت کی قسم کھا کر بارگاہ الہ میں ڈھٹائی کے ساتھ اعلان کیا تھا۔ سورۃ ص کے الفاظ ہیں:

﴿لَا غُيُوبَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ (83)

تیرے مخلص بندوں کے سوا باقی تمام کو میں ضرور گمراہ کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ﴾ (84) لَا مَلْنَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (85)

حق ہی غالب آنے والا ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ تجھ سے اور ان میں سے جو تیری اتباع کریں گے۔ تم سب سے جہنم کو ضرور بھروں گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ الحج کی آیت ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى﴾ کی تفسیر میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو آواز دے گا اور وہ لبیک وسعدیک کہتے ہوئے جواب دیں گے۔ اونچی آواز میں ان سے کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ نکالیں۔ وہ عرض کریں گے۔ اے میرے رب! جہنم کے لئے کتنا حصہ نکالوں؟ ارشاد ہوگا۔ ہر ہزار میں سے نو سو نواوے۔ پس اس وقت حاملہ اپنا حمل گرا دے گی، بچے بوڑھے ہو جائیں گے آپ لوگوں کو دیکھیں گے تو ایسے معلوم ہوگا کہ وہ نشے میں ہیں۔ حالاں کہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا آپ کی مجلس میں حاضر صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات بڑی بھاری ثابت ہوئی اور ان کے چہروں کا رنگ بدل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: وہ حصہ یا جوج ماجوج میں سے ہوگا۔ یعنی تم میں سے صرف ایک ہوگا اور تم لوگوں میں ایسے ہو کہ جیسے سفید بالوں والے بیل پر چند سیاہ بال ہوں یا سیاہ بیل کے بالوں میں چند سفید بال ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم جنت میں داخل ہونے والوں کی ایک چوتھائی ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر اللہ اکبر کہا۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: تم اہل جنت کا آدھا حصہ ہو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

شیطان نے جب اللہ کے سامنے یہ کہا کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر دوں گا۔ تو سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جواب کا ذکر یوں فرمایا:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾﴾

بے شک میرے حقیقی بندوں پر تیرا کوئی اختیار نہیں ہوگا مگر جو گمراہوں میں سے تیری اتباع کرنے والے ہوں گے۔ اور ان تمام سے جہنم کا ہی وعدہ ہے۔

یعنی ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ لہذا شیطان کی گمراہی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان حقیقی معنوں میں اللہ کا بندہ بن جائے۔ اگر اللہ کا بندہ نہیں بنے گا تو شیطان کی چالوں اور فریب کاریوں کا شکار ہو کر اپنی آخرت تباہ کر لے گا۔

شیطان نے اہل مکہ کو اپنے پروگرام کے مطابق بہکایا اور ان کو ایسے کاموں میں الجھایا جس سے وہ اللہ سے دور ہو گئے۔ اسی کی مزین کردہ گمراہی کو اپناتے ہوئے اپنے جانوروں کے کان کاٹنا، چھیدا، چیرا کرتے، ان کو بتوں کے ناموں پر چھوڑ دیا کرتے اور اپنی مرضی سے حلال یا حرام کر دیتے۔ بَجِيرَة، سَائِبَة، وَصِيْلَة اور حَامَة خود اپنے جانوروں کے یہ نام رکھ کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کر دیتے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کا پول کھولا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ اس کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنانا سراسر گھاٹے والی بات ہے اور شیطان کے وعدے اور اس کا باطل امیدیں دلانا بھی دھوکہ و فریب ہے، لہذا جو اس کی اتباع کرتا ہے، اس کے کہنے پر حق کو ٹھکراتا اور مشرکانہ کاموں میں لگا رہتا ہے، وہ جہنم میں داخل ہو کر وہاں سے چھٹکارا نہیں پائے گا۔ اگر وہ کوشش کرے گا کہ کوئی جائے پناہ مل جائے تو اس میں کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ اس کے برعکس جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے بھلائی کے کاموں میں زندگی بسر کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنتی باغوں کا مالک بنا دے گا۔ اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ ہمیں شیطان کے جال سے محفوظ رکھے اور جنتی باغوں میں داخل فرمائے۔

حل لغات:

﴿إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا﴾ میں دونوں جگہ اِنْ نافیہ

بمعنی مَا يَدْعُونَ فعل مضارع۔ مِنْ دُونِهِ جار مجرور۔ إِلَّا حرف استثناء۔ شَيْطَانًا مَرِيدًا مشتق۔ شَيْطَانًا، شَطَنَ يَشْطُنُ شَطْنًا سے مشتق ہے اور یہ ہر بری روح۔ سرکش، نافرمان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ انسان ہو یا جن ہو یا جانور ہو۔ یہ ابلیس کی صفت ہے کیوں کہ اس نے اللہ کے حکم کو سجدہ نہ کیا۔ مَرِيدًا فاعیل کے وزن پر صفت ثانی ہے کیونکہ اس نے اللہ کی اطاعت نہ کی۔ اِنَانًا سے مراد اسلام سے پہلے اہل مکہ کے بت تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد مردے تھے۔ جب کہ یہ بھی قول ہے کہ اہل مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ جملے کا معنی ہے: وہ نہیں پکارتے تھے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے تھے مگر سرکش نافرمان شیطان ابلیس کو۔

﴿لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا تَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ میں لَعَنَ فعل ماضی۔ ہضمیر شیطان کی طرف راجع مفعول۔ لَفْظُ اللَّهِ فاعل۔ لَا تَتَّخِذَنَّ فعل مضارع واحد متکلم پر لام تاکید کا اور آخر میں نون ثقیلہ۔ مِنْ عِبَادِكَ جار مجرور۔ نَصِيبًا مَفْرُوضًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس نے کہا۔ تیرے بندوں میں سے مقرر شدہ حصہ ضرور لے کر رہوں گا۔

﴿وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَنِيَّتْهُمْ وَلَا مَرْتَهُمْ فَلْيَبْتَئِكُنْ أَذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرْتَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ میں لَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَنِيَّتْهُمْ وَلَا مَرْتَهُمْ فعل مضارع واحد متکلم کے صیغوں پر لام تاکید کی اور نون ثقیلہ ان کی ہضمیریں مشرکوں کی طرف راجع مفعول۔ فَلْيَبْتَئِكُنْ اور فَلْيَغْيِرَنَّ فعل مضارع جمع مذکر غائب پر لام تاکید کی اور نون ثقیلہ۔ ان دونوں پر فاء جزائیہ۔ أَذَانَ الْأَنْعَامِ اور خَلْقَ اللَّهِ مرکب اضافی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا اور ان کو باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور ان کو حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان قطع کرتے اور چیرتے رہیں اور ان کو یہ حکم بھی دوں گا کہ وہ اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرتے رہیں۔

﴿وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَتَّخِذُ فعل مضارع۔ الشَّيْطَانَ مفعول۔ وَلِيًّا حال۔ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مرکب جاری۔ قَدْ حرف تاکید پر فاء جواب شرط۔ خَسِرَ فعل ماضی۔ مُّبِينًا اسم فاعل۔ مرکب توصیفی خَسِرَ کا بیان۔ جملے کا معنی: جس نے اللہ کے علاوہ شیطان کو دوست بنایا۔ وہ واضح نقصان میں ہوا۔

﴿يَعِدُّهُمْ وَيَمْنِيَّتْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾ میں يَعِدُ فعل مضارع مثال واوی اور يَمْنِيَّتْ ناقص یائی۔ دونوں کی ضمیریں ہُمْ۔ مشرکوں کی طرف راجع مفعول۔ الشَّيْطَانُ فاعل۔ إِلَّا حرف

استثناء۔ غُرُورًا متنی۔ جملے کا معنی ہے: وہ ان سے وعدے کرتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ سراسر فریب دھوکا ہے۔

○ ﴿أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُجَدُّونَ عَنْهَا مَحِيضًا﴾ ﴿أُولَٰئِكَ اسْم اشارہ۔ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ مشارالیه۔ لَا نافیہ۔ يُجَدُّونَ فعل مضارع۔ مَحِيضًا مصدر میمی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: وہی لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

○ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ ﴿میں الَّذِينَ موصولہ۔ آمَنُوا وَعَمِلُوا فعل ماضی۔ نُدْخِلُ۔ فعل مضارع کی ضمیر هُمْ مفعول۔ سین جب فعل مضارع پر آئے تو معنی مستقبل قریب میں کر دیتا ہے۔ جَنَّاتٍ ظرف مکان۔ تَجْرِي فعل مضارع۔ مِنْ تَحْتِهَا جار مجرور۔ الْأَنْهَارُ۔ فاعل۔ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

○ ﴿وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا﴾ ﴿جملہ حالیہ کا معنی ہے: اس حال میں کہ یہ وعدہ حق ہوگا۔

○ ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ ﴿میں مَنْ استفہامیہ۔ أَصْدَقُ فعل تفضیل۔ مِنَ اللَّهِ جار مجرور۔ قِيلًا مصدر تمیز۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ حق بات کہنے والا کون ہے۔



اصل حقیقت نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں کے مطابق (بلکہ) جو برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ مرد یا عورت میں سے ایمان والا ہوتے ہوئے جو نیکی کا کام کرے گا پس وہی جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شکاف برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِبْهُ وَلَا يُجَدُّ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ
لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
حَنِيفًا ۖ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ
خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾

اور از روئے دین اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے چہرے کو نیکی کرتے ہوئے اللہ کے لئے فرماں بردار بنادیا اور اس نے ایک طرف رہنے والے ابراہیم کے طریقے کی اتباع کی اور ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا۔

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا

تشریح:

ان آیات کی شان نزول کے بارے میں تفاسیر میں منقول ہے کہ یہود و انصاریٰ نے دعویٰ کیا:

”لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ مِنَ“

جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو ہم میں سے ہوگا۔

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کا ذکر کرتے ہوئے اس کا جواب بھی ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا

بَرَّهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ

رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

اور انہوں نے کہا کہ جنت میں وہی داخل ہوگا جو یہودی یا نصرانی ہوگا یہ ان کی اپنی باطل امیدیں اور

خیالات فاسدہ ہیں آپ کہہ دیں اگر تم سچے ہو تو اس بارے میں اپنی ٹھوس دلیل لاؤ، بلکہ جس نے اپنا

چہرہ اللہ کے لئے فرماں بردار بنایا اور احسان کا راستہ اپنایا پس اسی کے لئے اس کے رب کے پاس

اجر ہوگا اور اس پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ ممکن ہوگا۔

سورة البقرة میں ہی ان کے بارے میں یہ بھی فرمان ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۖ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلَفَ

اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ

خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہم کو گنتی کے چند دن آگ چھوئے گی، آپ کہہ دیں کیا تم نے اللہ کے پاس کوئی عہد کر رکھا ہے؟ (اگر کر رکھا ہے) تو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کو ہرگز نہیں توڑے گا۔ بلکہ تم اللہ کے بارے میں وہ کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کیوں نہیں! جس نے کوئی برائی کمائی اور اس کی برائی نے اس کو گھیر لیا پس وہی جہنمی ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر ابن کثیر کے مطابق قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ہونے والی ایک گفتگو میں اہل کتاب نے فخریہ طور پر کہا کہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہوئے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے موجود تھی لہذا ہم تم سے زیادہ اللہ کے نزدیک ہیں۔ مسلمانوں نے کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ کے نزدیک ہیں کیوں کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ﷺ ہیں اور ہماری کتاب پہلی تمام کتابوں کے بارے میں فیصلہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گفتگو پر ﴿لَيْسَ بَأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ الخ آیات نازل فرما دیں اور انہی کے ذریعے قریش مکہ کے دعویٰ کی بھی نفی کر دی گئی جب انہوں نے کہا کہ مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اور قیامت کے واقع ہونے کے بعد کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا بلکہ دنیا ہی میں اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں فیصلہ کن اعلان فرما دیا کہ جزایا سزا کا دار و مدار ہر انسان کے عمل پر ہوگا جو کوئی برے عمل کا مرتکب ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا اور جو نیک عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

سورة الزلزال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿١٧﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿١٨﴾﴾

پس جو کوئی رائی کے دانے برابر بھلا عمل کرے گا قیامت کے روز اس کو دیکھے گا اور جوئی کوئی رائی کے دانے کے برابر بُرا عمل کرے گا وہ بھی قیامت کے روز اس کو دیکھے گا۔

یعنی نامہ اعمال میں ہر قسم کے اچھے اور برے عمل لکھے ہوئے ہوں گے اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔

مسند احمد (۱۱) میں مروی ہے کہ ابوبکر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءً.....﴾ آیت کے نازل ہونے کے بعد کیسے فلاح و صلاح ہوگی؟ جب کہ ہمارے ہر برے عمل کی ہمیں سزا ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ابوبکر! اللہ تجھے معاف کرے۔ کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم رنجیدہ و غم زدہ نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں اور قسم کے مصائب نہیں پہنچتے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ایسا تو ہوتا ہے، آپ نے فرمایا:

﴿فَهُوَ مَا تُجْزَوْنَ بِهِ﴾

پس یہ وہی ہیں جو تمہیں سزا دی جاتی ہے وہی برے اعمال کا کفارہ ہوتی ہے۔
مسند احمد (۲/۱) کی روایت میں اس کی وضاحت یوں ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءً يُجْزَ بِهِ فِي الدُّنْيَا﴾

جو شخص دنیا میں کوئی برا عمل کرتا ہے اس کی سزا دنیا ہی میں اس کو دی جاتی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! قرآن میں سب سے زیادہ سخت وعید والی آیت میں جانتی ہوں، آپ نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ انہوں نے سورة النساء کی یہ آیت ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءً.....﴾ پڑھ دی۔ آپ نے فرمایا: مومن بندے کو مختلف پریشانیوں اور مصیبتوں کی صورت میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہی اس کی سزا ہوتی ہے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

اے عائشہ! بندے کو بخار چڑھے، کوئی تکلیف پہنچے یا اس کو کانٹا چبھے، یہاں تک کہ جیب میں کچھ ڈال کر نکالنا چاہئے، لیکن چند لمحوں کے لئے اسے نہ ملے، اس وقتی پریشانی کا بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ بے شک مومن اپنے گناہوں سے ایسے صاف ہو کر نکلتا ہے جیسا کہ بھٹی میں سے سونا بالکل خالص ہو کر نکلتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءً يُجْزَ بِهِ﴾ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بڑی بھاری ثابت ہوئی، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

﴿سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، فَإِنَّ فِي كُلِّ مَا يُصَابُ بِهِ الْمُسْلِمُ كَفَّارَةٌ حَتَّى الشُّوْكَهَ يُشَاكُهَا، وَالنَّكْبَةُ يَنْكُبُهَا﴾

راہ راست پر اور قریب قریب رہو۔ بے شک مسلمان کو پہنچائی گئی ہر تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو لگنے والا کانٹا اور پہنچنے والی تکلیف بھی کفارہ ہی ہوتی ہے۔

اس کے برعکس کفر و شرک میں غرق ہونے والوں کا معاملہ دنیا میں ڈھیل کے طور پر شاید نہ بگڑے لیکن آخرت میں ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا اور نہ اپنے لئے وہ کوئی دوست اور مددگار پائیں گے۔ ڈھیل کی بھی ایک مدت ہوتی ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو پھر کفار اور مشرکوں کا انجام دینا میں بھی عبرت ناک ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور پہلی قوموں کا ہوا۔ سورة سبا میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَافِرَ﴾ (۱۷)

یہ سزا ہم نے ان کو ان کے کفر کے سبب دی اور ناشکروں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بشارت بھی دے دی کہ ان میں سے جو بھی نیک عمل کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت ان کی جزا جنت ہے اور ان کے کسی بھی نیک عمل کے بارے میں ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو اس کی بندگی (عبادت) کا حق ادا کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس سلسلہ میں جو نمونہ قائم کیا اس کے مطابق عمل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے اچھا اور کون ہو سکتا ہے کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا، سید الانبیاء سے سورة النحل میں ارشاد فرمایا:

﴿اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ﴾ (123)

آپ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی اتباع کریں۔

ابن ابی حاتم کے حوالے سے تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی میزبانی کیا کرتے تھے۔ ایک دن مہمان کی تلاش میں نکلے لیکن کوئی مہمان نہ ملا، واپس آئے تو گھر کے اندر ایک شخص کو کھڑا پایا، اس سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! میری اجازت کے بغیر تجھے میرے گھر میں کس نے داخل ہونے دیا، اس نے جواباً کہا: اس کی اجازت سے جو اس گھر کا حقیقی رب ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ملک الموت ہوں، میرے رب نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کی طرف بھیجا ہے کہ اس کو بشارت دوں کہ اللہ نے اس کو خلیل بنالیا ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس کے بارے میں تو مجھے بتائے گا تو وہ جتنا بھی دور رہتا ہوگا میں اس کے پاس جا کر اسی کا ہمسایہ بن جاؤں گا یہاں تک کہ موت ہم میں جدائی ڈال دے۔ فرشتے نے کہا: وہ آپ ہی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: مجھے یہ بتاؤ کہ اس نے مجھے خلیل کیوں بنایا؟ فرشتے نے کہا: إِنَّكَ تُعْطِي النَّاسَ وَلَا تَسْأَلُهُمْ آپ لوگوں کو دیتے ہیں، ان سے مانگتے نہیں۔

تفسیر القرطبی میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے جبریل (علیہ السلام) سے سوال کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل کیوں بنایا؟ انہوں نے جواب دیا: وہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلیل وہ ہوتا ہے جو اللہ کے لئے دوستی کرتا ہے اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی رکھتا ہے۔ سنن ترمذی (۴۲۲) کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ دیکھے وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے اور ہر

شے نے بالآخر اسی کی طرف لوٹا ہے لہذا ہر انسان کو چاہئے کہ حقیقی مالک کے سامنے حاضر ہوتے ہوئے شرمندہ ہونے سے بچا رہے، کیوں کہ ہر شے کا وہی احاطہ کئے ہوئے ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی شرمندگی سے محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿لَيْسَ بِأَمَانِيَّتِكُمْ وَلَا أَمَانِيَّ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ لَيْسَ فعل ناقص - أَمَانِيَّ أُمْنِيَّةٌ کی جمع دونوں جگہ حرف جرباء کی وجہ سے مجرور - کُمْ ضمیر مخاطب کی - جملے کا معنی ہے: اصل حقیقت نہ تو تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں کے مطابق۔
- ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَجْزَ بِهِ﴾ میں مَنْ شرطیہ - يَعْمَلُ فعل مضارع - سُوءٌ مفعول - يُجْزَ فعل مضارع مجہول کا الف (جواصل میں ی تھا) جواب شرط ہونے کی بنا پر گر گیا ہے - بہ کی باء بدلے کی اور ہ ضمیر مَنْ کی طرف راجع - جملے کا معنی ہے: جو برا عمل کرے گا، اس کی سزا وہ دیا جائے گا۔
- ﴿وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ میں وَاوِ عاطفہ لَا نافیہ، يَجِدُ فعل مضارع بھی جواب شرط ہونے کے وجہ سے مجزوم لہٰ اور مِنْ دُونِ اللَّهِ جار مجرور - وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا مفعول - جملے کا معنی ہے: اور وہ اپنے لئے نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار۔
- ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ فَهْكَ أَوْ أَنْتَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ میں أَنْتَى تک یہ جملہ بھی شرط اور وَهُوَ مُؤْمِنٌ اس کا حال - جملے کا معنی ہے: اور جو مرد یا عورت اہل ایمان ہوتے ہوئے نیک عمل کرے گا۔
- ﴿فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظَلَّمُونَ نَقِيرًا﴾ أُولَٰئِكَ اسم اشارہ پر فاء جزائیہ يَدْخُلُونَ فعل مضارع - الْجَنَّةُ مفعول - وَاوِ - عاطفہ - لَا نافیہ يُظَلَّمُونَ فعل مضارع مجہول - نَقِيرًا مفعول - جملے کا معنی ہے: پس وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے ٹکاف برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔
- ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ میں مَنْ استفہامیہ - أَحْسَنُ فعل تفضیل - دِينًا تمييز - مِمَّنْ اصل میں مِنْ یعنی جار مجرور ہے - أَسْلَمَ فعل ماضی - وَجْهَهُ مفعول - لِلَّهِ بھی جار مجرور - وَهُوَ مُحْسِنٌ حال - جملے کا معنی ہے: اور از روئے دین اس سے اچھا کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے چہرے کو اللہ کا فرماں بردار بنادیا ہو اور وہ اللہ کی بندگی اچھی طرح کرنے والا ہو۔
- ﴿وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ میں اتَّبَعَ فعل ماضی - مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ مفعول - حَنِيفًا حال - جملے کا معنی ہے: اور اس نے ایک طرف رہنے والے ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی اتباع کی ہو۔

- ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اتَّخَذَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ فاعل۔ إِبْرَاهِيمَ مفعول۔ خَلِيلًا بیان۔ جملے کا معنی ہے: اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا۔
- ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ میں لِلَّهِ کلام اور فِی حروف جر۔ مَا موصولہ۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔
- ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ میں كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ بِكُلِّ شَيْءٍ مرکب جاری۔ مُّحِيطًا خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔



اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں قرآن کی جو آیات تم پر پڑھی جاتی ہیں جن کو تم ان کا مقرر کردہ حق نہیں دیتے ہو اور ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں بھی اور یہ کہ تم یتیموں کے لئے عدل و انصاف کا نظام قائم کرو اور جو بھی بھلائی کا کام تم کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رخی کا خطرہ محسوس کرے تو میاں بیوی دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ وہ آپس میں کسی سمجھوتے کے تحت صلح کر لیں۔ اور صلح کرنا ہی بہتر ہے۔ کیوں کہ حرص و طمع تمام نفسوں میں موجود رہتی ہے۔ اور اگر تم احسان کرو اور متقی بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۚ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمِّي النِّسَاءَ الَّتِي لَا تُولَدْنَ لَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلَدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَمَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۚ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

اور بیویوں کے درمیان انصاف کرنے کی استطاعت تم ہرگز نہیں رکھو گے خواہ تم اس کے کتنے ہی حریص ہو پس تم ایک بیوی کی طرف بالکل ہی مائل ہو کر دوسری کو لٹکنے والی شے کی طرح نہ چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت ہی وسعت والا حکمت والا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِؕ وَاِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾

وَاِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَّاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾

تشریح:

امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر جامع البیان میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وراثت میں سے حصہ وہی مرد پاتا جو بالغ ہوتا۔ چھوٹے لڑکے اور عورت کو وراثت میں سے کوئی حصہ نہ دیا جاتا جب سورة النساء کی وراثت والی آیت نازل ہوئی تو لوگوں پر وہ بھاری ثابت ہوئی چنانچہ انہوں نے کہا چھوٹا لڑکا وراثت میں حصہ پائے حالانکہ مال کمانے اور اس کی حفاظت کرنے میں اس کا کوئی کردار نہیں ہوتا اور عورت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ دونوں وراثت میں سے اسی طرح حصہ پائیں گے جس طرح وہ مرد پاتا ہے جس نے مال کمانے اور اس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری ادا کی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ان کو امید تھی کہ آسمان سے کوئی نیا حکم نازل ہوگا۔ جب ان کی توقع کے مطابق نیا حکم نازل نہ ہوا تو انہوں نے کہا اگر معاملہ اسی طرح رہا تو اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہو جائے گا۔ لہذا اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا جائے۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمادیں اور سورة النساء کی یتیم لڑکیوں کے بارے میں ابتدائی آیات کی طرف توجہ کرنے کا حکم دے دیا۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر (ص ۶۶۱) میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی ایسی یتیم لڑکی ہو کہ اس کا ولی و وارث بھی وہی ہو اور اس کے مال میں بھی شریک ہو اور وہ چاہتا ہو کہ یتیمہ سے نکاح کر لے۔ اسی بنا پر کسی اور جگہ اس کی شادی نہ ہونے دیتا ہوتا کہ کوئی اس کے مال میں شریک نہ بن جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

تفسیر ابن کثیر میں یہ بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ولی و وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے اور وہ خوب صورت بھی نہ ہوتیں تو ان سے نکاح کی رغبت نہ رکھتے اور اگر مال دار اور حسن و جمال والی ہوتیں تو ان سے نکاح کی رغبت رکھتے۔ لیکن ان کے مہر اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے۔ اور جو مال دار خوش شکل نہ ہوتیں تو ان کا کسی اور سے بھی نکاح نہ ہونے دیتے۔ بسا اوقات ان کی موت واقع ہو جاتی اور ان کے مال کھا جاتے۔

یہ سب جہالت کی باتیں تھیں جن سے اسلام نے روک دیا اور عورتوں کے حقوق کو تحفظ دیا۔ یتیموں کی دیکھ بھال اچھی طرح کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ جو بھی نیکی کا کام کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا پورا علم ہوگا۔ اسلام میں اگرچہ ایک وقت میں مرد کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن ان کے درمیان عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی شرط بھی موجود ہے۔ اہل ایمان مردوں کو واضح الفاظ میں بتا دیا گیا کہ انسان ہونے کے ناطے اگر تم اپنی بیویوں کے درمیان انصاف کرنے کی کوشش بھی کرو گے تو بھی اس میں کامیاب نہیں ہو پاؤ گے۔ اسی سورت کے آغاز میں ارشاد ہوا ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ (3)

اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو یا جس کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوں۔ نا انصافی سے بچنے کے لئے یہی قریب ترین بات ہے۔

اسلام کی اس تعلیم سے اچھی تعلیم کیا ہو سکتی ہے؟ آج کل یورپ اور مغربی دنیا میں شادی کا تصور ویسے ہی معدوم ہوتا چلا جا رہا ہے اپنے آپ کو مہذب کہنے کا دعوے دار انسان خود ہی جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر فخر کر رہا ہے۔ جب کہ اسلام کا حکم ہے کہ اگر کسی کے دو بیویاں ہیں تو اس کو ایک کی طرف ہی مائل نہیں ہو جانا چاہئے۔ بلکہ دونوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں رہنا چاہیے یہ الگ بات ہے کہ ان دو بیویوں میں سے ایک زیادہ عمر والی ہو جائے یا کسی اور وجہ سے خاوند ان دونوں میں سے ایک کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے تو جس کو طلاق ملنے والی ہو یا جس کا خاوند اس سے قلع تعلق پر آجائے تو وہ خاوند کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے حقوق سے خود دست بردار ہو جائے ایسی صورت میں میاں بیوی پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس میں بھی بڑی حکمت کا پہلو یہ ہے کہ خاوند کے گھر میں اس کا جو تحفظ ہو رہا ہے اس سے وہ محروم نہ ہو جائے اور اس کے خاوند سے اس کا رشتہ قائم رہے۔

جامع الترمذی ابواب التفسیر (ص ۱۰۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سودة بنت العتہؓ کو خطرہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے۔ لہذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: آپ مجھے طلاق نہ دیں۔ بلکہ اپنی زوجیت میں ہی رہنے دیں اور بیوی ہونے کے ناطے میرا جو حق ہے وہ عائشہؓ کو دے دیں۔ آپ نے ان کی خواہش کے مطابق ان کو طلاق نہ دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا

يَنْهَمَا صُلْحًا ﴿۱﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

الاستیجاب (ص ۷۳۶) اور الاصابۃ (۸/۱۱۷) میں یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا مجھے اس کی حرص نہیں جو بیویوں کو اپنے خاوندوں سے ہوتی ہے بلکہ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے روز آپ کی بیوی کی حیثیت سے اٹھائی جاؤں۔

تفسیر القرطبی، تفسیر ابن جریر اور المستدرک (۲/۳۰۸) میں مروی ہے کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی بیوی جب عمر رسیدہ ہو گئی تو انہوں نے ایک جوان لڑکی سے شادی کر لی اور اس کو اپنی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ جو پہلی بیوی کو گوارا نہ تھا۔ لہذا انہوں نے اس کو ایک طلاق دے دی۔ جب عدت گزرنے لگی تو انہوں نے اس کو اختیار دیا، چاہے تو الگ ہو جائے یا خاوند کی چاہت کے احترام میں دوسری بیوی کی موجودگی میں ہی گزر اوقات کا ارادہ کر لے تو اس سے رجوع کر لیا جائے گا۔ پہلی بیوی نے صبر کرنے کو ترجیح دیتے ہوئے رجوع کروالیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ چنانچہ رافع رضی اللہ عنہ نے دوسری طلاق دے دی۔ عدت گزرنے کا وقت آیا تو پہلے جیسے معاہدہ کے تحت رجوع ہو گیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ نفسوں میں طمع و حرص موجود رہتی ہے۔ لیکن میاں بیوی کے درمیان ہونے والے سمجھوتے کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیتے ہوئے تلقین کی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو۔

سنن ابی داؤد کتاب النکاح (ص: ۲۹۰) اور جامع الترمذی کتاب النکاح (۱/۱۶۹) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں کے درمیان انصاف نہ کرے تو قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا آدھا حصہ ساقط ہوگا۔

سنن ابی داؤد اور ترمذی ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان صحیح طور پر انصاف کیا کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی بارگاہ الہی میں عرض کیا کرتے تھے:

اے اللہ! یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں ہے۔ مجھے اس پر ملامت نہ کرنا جو میرے بس میں نہیں۔

میاں بیوی کے درمیان جب ایسا اختلاف پیدا ہو جائے جس پر کوئی سمجھوتہ ممکن نہ ہو تو اس وقت جدائی ہی بہترین حل ہوتا ہے۔ اگرچہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ لیکن دونوں کی بہتری کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے امید دلائی کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں کو اپنی عظیم وسعت کے ذریعہ ایک دوسرے سے ویسے ہی بے نیاز کر دے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی حکمت و وسعت والا ہے اور وہی اچھے ہوئے معالات کو سنوارنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو قرآن حکیم کی تعلیم کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی

توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ میں واو عاطفہ يَسْتَفْتُونَ فعل مضارع (بات استفعال) کاف ضمیر مخاطب

کی مفعول۔ فی النِّسَاءِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ عورتوں کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں۔

﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ قُل فعل امر۔ يُفْتِي فعل مضارع۔ کُم ضمیر مخاطب کی۔ لفظ اللّٰهُ فاعل۔ فِيهِنَّ

جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں تمہیں بتاتا ہے۔

﴿وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمَّى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ﴾ میں ما موصولہ۔

يُتْلَى فعل مضارع مجہول (مادہ ت ل و) عَلَيْكُمْ، فی الْكِتَابِ، فی يَتِمَّى النِّسَاءِ تینوں جار مجرور۔ الَّتِي

موصولہ۔ لَا نافیہ۔ تُوْتُونَ فعل مضارع۔ هُنَّ ضمیر یتامی النِّسَاءِ کی طرف راجع۔ ما موصولہ۔ کُتِبَ فعل

ماضی مجہول۔ لَهُنَّ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور قرآن کی وہ آیات جو تم پر یتیم لڑکیوں کے بارے میں

پڑھی جاتی ہیں، جن کو تم وہ نہیں دیتے کہ جو ان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔

﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ میں تَرْغَبُونَ فعل مضارع۔ أَنْ ناصبہ یا مصدریہ۔ اسی کی وجہ سے

تَنْكِحُونَ کی نون گری ہوئی ہے۔ هُنَّ ضمیر یتیم لڑکیوں کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور تم ان سے

نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ﴾ الْمُسْتَضْعَفِينَ (مادہ ض ع ف) الْمُسْتَضْعَفُ (باب استفعال سے

اسم مفعول) کی جمع۔ الْوُلْدِ کی جمع الْوُلْدَانِ۔ جملے کا معنی ہے: اور کمزور بچوں کے بارے میں۔

﴿وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ﴾ میں أَنْ ناصبہ۔ تَقُومُوا فعل مضارع منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اور یہ

کہ تم یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف کے نظام کو قائم کرو۔

﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ میں مَا شرطیہ۔ تَفْعَلُوا فعل مضارع۔ إِنَّ حرف مشبہ

بفعل کی فاء جواب شرط۔ لفظ اللّٰهُ اس کا اسم۔ کان اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی

ہے: اور جو بھی تم بھلائی کا کام کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔

﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا﴾

إِنْ شرطیہ۔ خَافَتْ فعل ماضی۔ امْرَأَةٌ اس کا فاعل۔ نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا اس کے مفعول۔ لَا نفی جس کی۔ فاء

جواب شرط۔ أَنْ ناصبہ۔ يُصْلِحَا فعل مضارع، تنبیہ کی نون اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ صُلْحًا مفعول

بہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا قطعی اعراض کا خطرہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اگر وہ آپس میں کسی بات پر صلح کر لیتے ہیں۔

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ جملہ معترضہ کا معنی ہے: اور صلح کر لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

﴿وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ میں أُخْضِرَتِ فعلی ماضی مجہول، الْأَنْفُسُ نائب فاعل۔ الشُّحُّ مفعول۔

جملے کا معنی ہے: اور طمع و حرص نفسوں میں موجود رہتی ہے۔

﴿وَأَنْ تَحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ میں إِنَّ شرطیہ تَحْسِنُوا اور تَتَّقُوا دونوں

فعل مضارع۔ اِنَّ حرف مشبہ بفعل کی فاء جواب شرط۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور کان اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم احسان کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ میں لَنْ نفی تاکید کی اور یہ حرف جب مضارع

پر آتا ہے تو معنی کو مستقبل نفی تاکید میں کر دیتا ہے۔ تَسْتَطِيعُوا فعل مضارع کی نون اعرابی اسی کی وجہ

سے گری ہوئی ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ تَعْدِلُوا فعل مضارع۔ لَوْ حرف تنہا۔ حَرَصْتُمْ فعل ماضی۔ جملے کا معنی

ہے: تم ہرگز بیویوں کے درمیان انصاف کرنے کی استطاعت نہیں پاؤ گے اگرچہ تم اس کی حرص رکھتے ہو گے۔

﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُوا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ میں فَلَا تَمِيلُوا فعل نہی۔ كُلَّ الْمِيلِ مرکب اضافی

مفعول۔ فَتَدْرُوا جواب نہی الْمُعَلَّقَةِ باب تفعیل سے اسم مفعول (مَوْنُث) پر کاف تشبیہ کا۔ جملے کا معنی

ہے: پس تم نے ایک ہی کی طرف بالکل مائل ہو کر دوسری کو اس طرح چھوڑ نہیں دینا کہ وہ بیچ میں لٹکنے

والے کی مثل ہو جائے۔

﴿وَأَنْ تَصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ میں اِنْ شرطیہ تَصْلِحُوا و تَتَّقُوا دونوں فعل

مضارع اِنَّ حرف مشبہ بفعل پر فاء جواب شرط اور لفظ اللہ اس کا اسم۔ كَانَ اپنے متعلقات سے مل کر اس کی

خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم اصلاح کرو اور پرہیز گار بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

﴿وَأِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ يَتَفَرَّقَا

فعل مضارع۔ يُغْنِ جواب شرط ہونے کی وجہ سے اس کی یاء گری ہوئی ہے۔ لفظ اللہ فاعل۔ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ

مفعول۔ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور وَاسِعًا حَكِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اگر میاں

بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو دوسرے سے اپنی وسعت کے ساتھ بے نیاز کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی

ہی وسعت و حکمت والا ہے۔

۴۰

اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور ہم نے ان کو وصیت کی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور تمہیں بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اگر تم نے انکار کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اللہ غنی اور تعریف کیا گیا ہے۔

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی از روئے وکیل کافی ہے۔

اگر وہ چاہے اے لوگو! تو تم کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

جو کوئی دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا بھی ثواب موجود ہے اور اللہ بڑا ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰتٰوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ اتَّقُوْا اللّٰهَ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿١٣٢﴾ اِنْ يَشَآءْ يُدْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ ہی کے لیے ہے یعنی وہی حقیقی طور پر اس کا خالق و مالک ہے۔ سورۃ آل عمران میں اس کی وضاحت اس نے خود ہی فرمائی ہے۔

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ﴿١٨٩﴾
آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی ہر شئی پر قدرت رکھنے والا ہے۔
سورۃ الفتح میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿لِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (4)

اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔
سورة آل عمران ہی میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

﴿وَلِلَّهِ مِيرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (180)

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنے حقیقی مالک و خالق اور قادر مطلق ہونے کی خبر دی تاکہ اس کی مخلوق اس کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ دیکھے، اسی کو پکارے، اسی کی بندگی کرتی رہے۔ اس کی اطاعت کرتے ہوئے زندگی گزارے۔ اسی سے ڈرتے ہوئے برائی سے بچتی رہے اور نیکی کے کاموں میں لگی رہے اور یاد رکھے کہ اس کا کوئی عمل رب العالمین سے پوشیدہ نہیں۔ اگر کوئی اس کے باوجود سرکشی اور نافرمانی کو اپناتا ہے، غیر اللہ کے ڈر اور خوف سے رب حقیقی سے دور ہو جاتا ہے، خود گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف اس سے بلکہ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔

سورة لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (12)

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور اس کو حکم دیا کہ وہ اللہ کا شکر کرے اور اس پر واضح کر دیا کہ جو شکر کرتا ہے تو شکر کرنے کا فائدہ اسے ہی ہوتا ہے اور جو کفر کا مرتکب ہوتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی و حمید ہے۔

سورة فاطر میں اعلان ہوتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا﴾ (39)

وہی ہے کہ جس نے تمہیں زمین میں خلافت سے نوازا یعنی حکمران بنایا۔ پس جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا اور کفار کو ان کا کفر ان کے رب کے پاس ناراضگی ہی میں زیادہ کرے گا اور ان کا کفر ان کو خسارے میں ہی بڑھائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا سورۃ ابراہیم کے الفاظ ہیں:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝۷﴾

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝۸﴾

اور تمہارے رب نے جب اعلان فرمایا اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اپنی نعمتوں سے مزید ضرور مالا مال کر دوں گا اور اگر تم نے کفر کیا تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تم اور جو زمین میں ہیں سب مل کر کفر کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی و حمید ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں کفر سے مراد اللہ کی طرف سے ملنے والے احکام کو ٹھکراتے ہوئے طاعت کی پیروی کرنا ہے اور شکر سے مراد اللہ کی بندگی کرتے ہوئے اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے کوشاں رہنا ہے۔ ہر کام اور معاملے میں اس کو یاد رکھنا ہے۔ اسی کے حکم کے مطابق صاحب تقویٰ بن جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم تقویٰ کی بجائے کفر کو اپناؤ گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے کیوں کہ انجام کار تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ کیوں کہ ہر انسان کو ملنے والی زندگی نے ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ پھر ہر ایک نے اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پانا ہے اور جو لوگ اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے تمام معاملات اللہ کے خوف کے تابع کر لیں گے غیر اللہ کے خوف سے بے نیاز ہو کر مشکلات کا مقابلہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کا وکیل بن جائے گا اور مشکلات میں ان کی نصرت فرمائے گا۔ ان کی پریشانیوں کو دور کر کے چین اور سکون سے نواز دے گا۔ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝۵۲﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرتا رہے گا اور اسی کے خوف کے تحت برائیوں سے بچتا رہے گا پس وہی لوگ کامیاب ہونے والے یعنی نجات پانے والے ہوں گے۔ زبانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہنے سے بات نہیں بنتی۔ بلکہ عملی طور پر اسلامی تعلیم کو اپنانے ہی سے معاملہ سیدھا ہوتا ہے اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

مسند احمد (۵۴/۶) سنن النسائی کتاب قیام اللیل (ص ۱۹۱) میں ابن عامر سے مروی ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا:

«أَنْبِئْنِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ أَلَسْتُ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ بَلَى قَالَتْ فَإِنَّ خُلُقَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنُ.»

مجھے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے بارے میں بتائیں۔ انہوں نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔ میں نے کہا جی ہاں پڑھتا ہوں۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا۔ یعنی آپ کا پورا عمل قرآنی تعلیم کے مطابق تھا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل اسلام کے لیے جو بھی حکم نازل ہوتا سب سے پہلے آپ ہی اس پر عمل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کے بارے میں گواہی دے دی۔ سورة القلم کے الفاظ ہیں:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤﴾

اور بے شک آپ عظیم خلق پر ہیں۔

سورة المومنون اور سورة الفرقان میں مومنون اور عباد الرحمن کی صفات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ اسلام کے ہر دعوے دار کا فرض ہے کہ دعویٰ کرنے سے پہلے دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کا ذکر فرمایا ہے کیا وہ اس میں موجود ہیں۔

سورة الاحزاب میں اہل ایمان سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝٢١﴾

بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لیے بہترین ثابت ہوگا جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

آج کل ہمارا معاملہ بہت ہی بگڑ چکا ہے۔ اکثریت نام کی مسلمان ہو چکی ہے۔ غیر اسلامی رسم و رواج کا غلبہ خطرناک حد کو چھو رہا ہے۔ اسلامی حیا اور غیرت کو کچلنے کی طاغوتی کوشش پورے عروج پر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متقی بننے کا حکم دیتے ہوئے ضمانت دی کہ وہ ایسے لوگوں کی کارسازی کرے گا۔ اس کے باوجود جو آخرت سنوارنے کی بجائے دنیا سنوارنے کے خواہشمند ہوں گے تو اللہ ان کی خواہش کو بھی پورا کر دے گا لیکن آخرت کے اجر و ثواب سے وہ محروم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورة ال عمران میں فرمایا ہے:

وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَنُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ فَنُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي

الشَّكِرِينَ ۝١٤٥﴾

اور جو دنیا کے ثواب کا ارادہ رکھتا ہے ہم دنیا میں سے اس کو دے دیتے ہیں اور جو آخرت کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو اس میں سے دے دیتے ہیں اور عنقریب ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

سورة الشوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ﴾ (20)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کے لیے اس کو زیادہ کر دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کو اس میں سے دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔
سورة البقرة میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّ النَّاسَ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ﴾ (200)

لوگوں میں سے وہ بھی ہے کہ جو کہتا ہے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں ہی سب کچھ عطا کر دے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

مذکورہ آیات کے ذریعے دنیا کے طلبگاروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ رب العالمین کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے۔ لہذا صرف دنیا کے ثواب کی طلب رکھنا دانشمندی نہیں۔ کیوں کہ دنیا کا معاملہ تو انسان کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ آخرت کا معاملہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہوگا۔ لہذا ہر انسان کو دنیا کے ساتھ اپنی آخرت کو سنوارنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ دنیا کی زندگی میں ہر انسان اپنے نصیب کے مطابق رزق پاتا ہے لیکن آخرت نیک اعمال ہی سے سنورتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حق ادا کرنا پڑتا ہے۔

سورة ال عمران میں اہل ایمان سے خطاب ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (102)

اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈر جاؤ کہ جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور موت تمہیں اس حال میں آنی چاہیے کہ تم اللہ کی فرماں برداری کر رہے ہو۔

تقویٰ سے نہ صرف آخرت سنورتی ہے بلکہ دنیا میں بھی متقی کے لیے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر تم متقی نہیں بنو گے تو مالک کل ہونے کے ناطے وہ تمہیں فنا کر کے دوسروں کو لائے گا جو اس کی اطاعت گزاری کا حق ادا کریں گے۔ سورة فاطر میں اس کا اعلان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (15) **﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ﴾** (16) **﴿وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾** (17)

اے لوگو! تم سب اللہ کے فقیر ہو اور صرف اللہ ہی بے پروا اور تعریف کیا گیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو

تمہیں مار کر نئی مخلوق لے آئے اور یہ کام اللہ کے لیے مشکل نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ہر شئی پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس کے لیے ایسا کرنا کبھی بھی مشکل نہیں ہو سکتا۔ عقلمند انسان وہی ہے کہ جو دنیا کی بجائے اپنی آخرت کو بہتر اور خوشگوار بنانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ انتہائی بے وقوف وہ ہے کہ جو دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اپنے رب کو بھول جاتا ہے۔ سمیع و بصیر سے بے خوف ہو کر اپنی آخرت برباد کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی سوچ اور ایسے عمل سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

○ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ میں لِلّٰهِ جار مجرور۔ ما موصولہ۔ فِي السَّمٰوٰتِ اور فِي الْاَرْضِ بھی جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جزمین میں ہے یعنی وہی ان کا خالق و مالک ہے۔

○ ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِیْنَ اٰتٰوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ اَنْ اتَّقُوْا اللّٰهَ﴾ میں واو عاطفہ۔ حرف تحقیق قَدْ پر لام تاکید کا۔ وَصَّيْنَا فعل ماضی جمع متکلم (باب تفعیل، مادہ (وص ی) الَّذِیْنَ موصولہ۔ اُوْتُوا فعل ماضی مجہول۔ اَلْكِتٰبِ مفعول مِنْ قَبْلِكُمْ جار مجرور۔ اُوْتُوا الْكِتٰبِ مِنْ قَبْلِكُمْ جملہ فعلیہ الَّذِیْنَ کا صلہ۔ واو عاطفہ۔ اِیَّاكُمْ کی ضمیر کُم مخاطب کی اور اِیَّا ایسا کلمہ ہے جو ضمیر منصوب منفصل کے تلفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ جب ضمیر منصوب اپنے عامل پر مقدم ہو یا اس پر کسی کلمہ کا عطف ڈالا جائے تو اس کو لایا جاتا ہے۔ جیسے یہاں عطف ڈالا گیا ہے۔ اَنْ مصدریہ اتَّقُوا فعل امر۔ لفظ اللّٰہ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم نے وصیت کی ان کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور تمہیں بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔

○ ﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ میں واو عاطفہ۔ اِنْ شرطیہ۔ تَكْفُرُوْا فعل مضارع مجرور۔ فَاِنَّ سے فِي الْاَرْضِ تک جزاء شرط۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جزمین میں ہے۔

○ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللّٰہ اس کا اسم اور غَنِيًّا حَمِيْدًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ غنی اور تعریف کیا گیا ہے۔

○ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا﴾ كَفٰی فعل ماضی۔ بِاللّٰهِ جار مجرور۔ وَكِیْلًا تیز۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جزمین میں ہے اور از روئے وکیل اللہ ہی کافی ہے۔

﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ﴾ میں اِنْ شرطیہ یَشَأْ فعل مضارع مجزوم۔ يُذْهِبْ بھی فعل مضارع (باب افعال) کُمْ ضمیر مخاطب کی مفعول۔ اَيُّهَا حرف ندا۔ اَلنَّاسُ منادی۔ واو عاطفہ۔ یَأْتِ بھی فعل مضارع مجزوم۔ بِآخَرِينَ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے، اے لوگو! اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لَفْظُ اَللّٰهُ اس کا اسم۔ عَلَىٰ حرف جر۔ ذَٰلِكَ اسم اشارہ قَدِيرًا خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ اس پر قدرت رکھنے والا ہے۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ يُرِيدُ فعل مضارع۔ ثَوَابُ الدُّنْيَا مرکب اضافی مفعول۔ فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے: جو شخص دنیا کے ثواب کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ میں كَانَ فعل ناقص۔ لَفْظُ اَللّٰهُ اس کا اسم۔ سَمِيعًا بَصِيرًا اس کی خبریں۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ بڑا ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

۳۱

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر جم جانے والے اور اللہ کی (رضا حاصل کرنے کی) خاطر گواہی دینے والے بن جاؤ خواہ تمہیں اپنے یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی ایسا کرنا پڑے۔ اگر وہ شخص امیر یا فقیر ہو تو بھی اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ تعلق والا ہے۔ پس تم خواہش کی پیروی کرتے ہوئے عدل کو نہ چھوڑنا اور اگر تم زبانوں کو دبا کر بیان میں کجی پیدا کرو یا اعراض کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ
أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ؕ
إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ
بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ
تَعْدِلُوا ۖ وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ
اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳۵﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر بھی جو اس سے پہلے اس نے نازل کی اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یومِ آخرت کا انکار کرے وہ یقیناً دور کی گمراہی میں گم ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ * وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾

تشریح:

اسلام میں عدل و انصاف سے انحراف کی قطعاً اجازت نہیں۔ بلکہ اہل ایمان کو قرآن حکیم میں حکم دیا گیا کہ ہر حال میں نظامِ عدل کو قائم رکھنا ہے۔ جس کے پاس بھی کوئی فیصلہ طلب معاملہ آتا ہے اس نے اللہ سے ڈرتے ہوئے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ اگر کسی کو کسی معاملے میں گواہی دینی پڑے تو اس نے بھی خدا خونی کے تحت صحیح گواہی دینی ہے۔ کسی رشتہ داری یا دوستی کی حمایت نہیں کرنی، اگر گواہی اپنے ہی خلاف یا والدین کے خلاف دینی پڑے تو بھی دنیا کی پروا کیے بغیر حق کو واضح کر دینا ہے۔ فیصلہ کرتے وقت یا گواہی دیتے ہوئے کسی کی امیری یا غریبی کو بھی پیش نظر نہیں رکھنا کیوں کہ عموماً امیر آدمی اپنے مال کے زور پر فیصلے اپنے حق میں کروانے کے عادی ہوتے ہیں۔ لہذا اہل ایمان کا فرض ہے کہ ان کے دباؤ میں نہ آئیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہوئے حق بات کہہ دیں۔ بعض اوقات کسی کی غریبی انسانی ہمدردی کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون ہمدردی کے لائق ہے۔ فیصل یا گواہ کو صرف عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کوشاں رہنا چاہیے، اگر کسی سے کوئی دشمنی ہے تو بھی عدل و انصاف کو پامال نہیں ہونا چاہیے۔

سورة المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۖ اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو بلکہ عدل کرو۔ اس لیے کہ وہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈر جاؤ۔ بے شک جو تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔

دنیا میں ہمیشہ معمول رہا ہے کہ کسی قوم پر غالب آنے والے، مغلوب کے بارے میں عدل و انصاف نہیں کرتے، عدل کا ترازو ان کے اپنے حق میں بھاری ہو جاتا ہے، اسلام ہی دنیا کا واحد دین ہے جس میں مغلوب قوم پر کسی بھی صورت میں ظلم کی اجازت نہیں دی گئی۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء نے ہمیشہ قرآنی تعلیم کے مطابق فیصلے کیے۔

مسند احمد (۳/۳۶۷) اور موارد الظمان الی زوائد ابن حبان (ص ۲۱۲) میں چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مروی ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو اہل خیبر کی درخواست پر خیبر کی زمین ان کے پاس اس شرط پر رہنے دی گئی کہ وہ اس میں کھیتی باڑی کریں گے اور اس کی پیداوار کا آدھا حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کریں گے، جب پھل کے اتارنے کا وقت آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ پھل کا اندازہ لگا کر آدھا یہود کو دیں اور آدھا مدینہ لے آئیں۔ زوائد ابن حبان کی روایت کے مطابق عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس ہر سال آتے اور اندازہ کر کے پھل کا آدھا حصہ ان کو دے دیا کرتے تھے۔

اہل خیبر نے ایک موقع پر ان کی سخت گیری کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی اور ان کو رشوت دینے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

اے اللہ کے دشمنو! تم مجھے حرام کھلاؤ گے۔ اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس ان کی طرف سے آیا ہوں جو مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں، جب کہ تم میرے نزدیک بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہو لیکن تم سے میری یہ نفرت اور رسول اللہ ﷺ سے میری انتہائی محبت مجھے اس پر قطعاً آمادہ نہیں کرے گی کہ میں تم سے ناانصافی کروں۔

مسند احمد کے الفاظ ہیں تمہارا حصہ بیس ہزار وسق بنتا ہے، اگر چاہو تو وہ لے لو اگر تم نہیں لیتے تو میں لے لیتا ہوں۔ یعنی ان کو اختیار دے دیا کہ تقسیم کردہ جس حصے سے وہ چاہیں لے لیں۔ اسلام کے دشمنوں کے الفاظ تھے۔

«بِهَذَا قَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ»

اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چند سالوں تک جاری رہا لیکن جب انہوں نے پھر سے سرکشی کا مظاہرہ کیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک گھر کی چھت سے نیچے گرا دیا تو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔

اسلام میں اتنی بھی اجازت نہیں کہ فیصل یا گواہ دونوں میں سے کوئی ایک زبان کو دبا کر گفتگو اس انداز میں

کرے جس سے سننے والے کو مغالطہ لگے اور حق کو پانے اور صحیح فیصلے تک پہنچنے میں دشواری ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا، سورة الانعام کے الفاظ ہیں:

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (132)

اور جب بات کرو تو عدل و انصاف والی کیا کرو، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔
سورة الاحزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُضْلِلْهُ لَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور بات سیدھی ٹھیک ٹھیک کیا کرو۔ ایسا کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔

سورة الشوریٰ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے اعلان کرایا:

﴿أُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ (15)

مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی بھی موقع پر کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں کی بلکہ آپ ﷺ نے عموماً مغلوب دشمن کو معاف کر دیا اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ اس کی دشمنی محبت میں تبدیل ہو گئی۔ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کو معاف کرنا اس کی بہترین مثال ہے۔ حالانکہ اہل مکہ نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو ظلم کیے تھے، اُن کا بدلہ لینے کا آپ کو حق تھا لیکن رحمۃ للعالمین ہونے کے ناطے آپ نے درگزر کرنے کو ترجیح دی۔

تفسیر ابن جریر اور تفسیر القرطبی میں سدی سے مروی ہے کہ ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ﴾ والی آیت نبی کریم ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب آپ ﷺ کے پاس دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے ان میں سے ایک مالدار اور دوسرا فقیر قسم کا تھا۔ آپ ﷺ کی طبیعت میں غریب فقیر کی طرف کچھ میلان پیدا ہوا اور آپ ﷺ سوچ رہے تھے کہ غریب فقیر انسان مالدار صاحب ثروت پر ظلم نہیں کر سکتا۔ ظاہر و باطن سے باخبر رہنے والے رب العالمین نے آپ اور تمام اہل ایمان کو اپنے نفس کی خواہش کی اتباع کرنے کی بجائے عدل و انصاف کرنے کا حکم دے دیا اور واضح کر دیا کہ وہی امیر اور غریب کے معاملے کو زیادہ سمجھنے والا ہے۔ حاکم اور قاضی کا کام حقائق کے مطابق فیصلہ

کرنا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الہ میں عرض کیا اے میرے رب! تو نے زمین میں جو سب سے قلیل شئی رکھی ہے، وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے سب سے قلیل شئی جو زمین میں رکھی ہے وہ عدل ہے لیکن تجھے کسی مالدار کی مالدار یا کسی فقیر کی فقیری اس بات سے نہ روکے کہ جو حق تو جانتا ہے، اس پر گواہی نہ دے۔ کیوں کہ تجھ پر یہی حق ہے کہ حق پر گواہی قائم کر دے۔

سنن الدارقطنی (۲۰۵/۲) میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو کوئی لوگوں..... دوسری روایت کے مطابق مسلمانوں..... کے درمیان فیصلہ کرنے کی آزمائش میں ڈال گیا، اس کو چاہیے کہ ان کو بٹھانے، ان کی طرف اشارہ کرنے اور دیکھنے میں بھی عدل کرے۔ ان میں سے ایک پر زیادہ آواز بھی بلند نہ کرے۔ یعنی دونوں کے درمیان ہر حال میں برابری قائم رکھے۔

اسلام کے نظام عدل کی عظمت کا اندازہ اسی ایک روایت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں کسی فریق کو دوسرے فریق پر کسی بھی طور پر ترجیح یا فوقیت دینے کی اجازت نہیں، تو ایسے نظام میں دانستہ نا انصافی کا پہلو کیسے غالب آسکتا ہے؟

نظام عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بھی حکم دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے اس کتاب کی تصدیق بھی کرنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی۔ اس سے ہر ایمان والے پر واجب ہو جاتا ہے کہ جو کچھ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اس کو حق اور سچ سمجھتے ہوئے تسلیم کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ اس کی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان رکھنے کے ساتھ مومنوں پر یہ بھی فرض ہے کہ اس سے پہلے جو کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں ﷺ کو دیں ان پر بھی ایمان رکھا جائے۔ یعنی جس اصل صورت میں ان کا نزول ہوا ان کو حق مانا جائے۔ اہل کتاب کے پاس اس وقت ان کی جو کتابیں موجود ہیں ان کے بارے میں ان کے اپنے محققین کا کہنا ہے کہ ان میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے اور ان میں سے کوئی بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کرتا ہے وہ بہت دور کی گمراہی میں کھو جاتا ہے۔ خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اپنی ہی آخرت برباد کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی گمراہی سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ میں **يَا أَيُّهَا** حرف ندا۔ **الَّذِينَ** آمنوا منادی۔ **كُونُوا** فعل امر حاضر۔ **قَوَّامِينَ** قوام کی جمع (مبالغہ کا صیغہ)۔ **بِالْقِسْطِ** جار مجرور۔ **شُهَدَاءَ** شہید کی جمع فعلیل کے وزن پر اسم فاعل۔ **لِلَّهِ** جار مجرور **لَوْ** اگرچہ شرط اور **رَجَا** کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اپنے ماقبل جملہ کی تائید و وجوب کے لیے آیا ہے۔ **عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ** جار مجرور۔ **الْوَالِدِينَ** اور **الْأَقْرَبِينَ** کا عطف **أَنْفُسِكُمْ** پر۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! عدل و انصاف پر جم جانے والے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اگرچہ تمہیں اپنے خلاف یا والدین اور قریبیوں کے خلاف ہی ایسا کرنا پڑے۔

﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهَمَّا﴾ میں **إِنْ** شرطیہ۔ **يَكُنْ** فعل مضارع (ناقص)۔ **غَنِيًّا** أَوْ **فَقِيرًا** اس کی خبر **فَاللَّهُ** **أُولَىٰ** بہما کی فاء جواب شرط۔ **أُولَىٰ** فعل تفضیل۔ **بِهِمَا** کی ضمیر **غَنِيًّا** او **فَقِيرًا** کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اگر وہ شخص غنی یا فقیر ہو تو بھی اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ تعلق والا ہے۔

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا﴾ میں **لَا تَتَّبِعُوا** فعل نہی۔ **الْهَوَىٰ** مفعول۔ **أَنْ** ناصبہ۔ **تَعْدِلُوا** فعل مضارع منصوب۔ جملے کا معنی ہے: پس تم خواہش کی پیروی کرتے ہوئے انصاف کو چھوڑ نہ دینا۔

﴿وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ میں **وَإِنْ** شرطیہ۔ **تَلَوْا** أَوْ **تَعْرِضُوا** دونوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر کے صیغے۔ دونوں کی **نُون** اعرابی **إِنْ** شرطیہ کی وجہ سے گری ہوئی ہیں۔ **فَإِنَّ** حرف مشبہ بفعل کی فاء جواب شرط۔ **لَفْظُ اللَّهِ** اس کا اسم۔ **كَانَ** اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم زبانوں کو دبا کر شہادت میں کجی پیدا کرو یا اس سے اعراض کرو تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي مِنْ قَبْلُ﴾ میں **يَا أَيُّهَا** حرف ندا۔ **الَّذِينَ** موصول۔ **آمَنُوا** فعل ماضی اس کا صلہ۔ دونوں مل کر **مَنَاوِي**۔ **آمَنُوا** فعل ماضی اس کا صلہ۔ دونوں مل کر **مَنَاوِي**۔ **بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ** میں **بِ** حرف جر۔ **لَفْظُ اللَّهِ** (مجرور) معطوف علیہ **وَإِلَىٰ** حرف عطف، **رَسُولِ** معطوف۔ **الْكِتَابِ** بھی معطوف۔ **الَّذِي** دونوں جگہ موصولہ۔ **نَزَّلَ** اور **أَنْزَلَ** دونوں فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ پہلا باب تفعیل اور دوسرا باب افعال سے۔ **مِنْ قَبْلُ** اصل میں **مِنْ قَبْلُ** **هَذَا الزَّمَانِ** تھا۔ **هَذَا الزَّمَانِ** کو حذف کر کے **قَبْلُ** کے آخر میں ضمہ دے

دیا گیا۔ ایسے مقطوع الاضافہ ظرف کو نحویوں کی اصطلاح میں غایت کہا جاتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اس سے پہلے نازل کی۔

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلِكَّتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ میں واو عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ۔ يَكْفُرُ فعل مضارع مجزوم۔ بِاللَّهِ جار مجرور پر مَلِكَّتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کا عطف۔ قَدْ حرف تحقیق، فاء جواب شرط۔ ضَلَّ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ ضَلَالًا بَعِيدًا اس کا بیان۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کیا، بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں گم ہوا۔

۴۲

بے شک جو لوگ ایمان لائے۔ پھر انہوں نے کفر کیا۔ پھر ایمان لائے۔ پھر کفر کیا۔ پھر کفر میں اور زیادہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا اور نہ ان کو سیدھی راہ اختیار کرنے کی توفیق سے نوازے گا۔

آپ منافقوں کو بشارت دے دیں، بے شک ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں، حالانکہ ساری کی ساری عزت اللہ ہی کے لیے (یعنی اسی کے پاس) ہے۔ اور اس نے کتاب میں نازل کر دیا ہے کہ کسی مجلس میں جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھے رہو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور گفتگو میں نہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾

بَشِيرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ * أَيْبَتُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَتَعَدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ * إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ *

إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنْفِقِينَ وَالْكَافِرِينَ
فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا (140)

لگ جائیں۔ (اگر تم وہاں بیٹھے رہو گے تو) تم یقیناً
ان کی مثل ہو جاؤ گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب
منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

تشریح:

منافق کا معاملہ بڑا عجیب ہوتا ہے۔ چوں کہ وہ مضبوط ایمان کی نعمت سے محروم ہوتا ہے اس لیے وہ عموماً
تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ اپنے ظاہری ایمان سے وہ مسلمانوں کے قریب رہ کر اپنے مفاد کے حصول میں کوشاں
رہتا ہے اور اسلام سے دشمنی رکھنے والوں کو اپنی حمایت و معاونت کا یقین دلاتا رہتا ہے۔ لہذا اسلام کو قبول کر کے
چھوڑنے اور پھر اس میں داخل ہو کر نکلنے والے شیطانی عمل میں اپنی زندگی گزار کر جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے
اور اپنے رب حقیقی سے اپنے اعمال کی جزا پانے کا وقت آتا ہے تو اس کا جو حال اس وقت ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ
نے ان آیات میں اس کی خبر دے دی ہے کہ وہ منافقوں کافروں کے گناہوں کو معاف نہیں کرے گا بلکہ ان کے
لیے دردناک عذاب ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور بہت ہی مہربان ہے لیکن منافقت اور کفر کے درمیان
دھکے کھانے والوں اور اپنی طرف سے اہل ایمان اور اپنے رب کو دھوکے دینے والوں کو وہ معاف نہیں کرتا۔
منافقوں کا ہمیشہ ہی یہ معمول رہا ہے کہ دکھاوے کے طور پر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور مسلمانوں کے
ساتھ رہتے ہیں لیکن ان کی دوستی کفار سے ہوتی ہے۔ وہ ان میں عزت پانے میں مصروف رہتے ہیں اور یہ بھول
جاتے ہیں کہ اصل عزت تو اللہ کے پاس ہوتی ہے اور اس کو پانے کے لیے اسی کے بنائے ہوئے قانون کے تابع
رہنا پڑتا ہے اس کی نازل کردہ کتاب کو حق اور سچ مانتے ہوئے اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔
عجیب تر بات یہ ہے کہ جن کے ہاں عزت پانے کے لیے وہ اہل اسلام کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی
ان کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔ لہذا وہ بھی ان کو اپنے مفاد پروان چڑھانے اور آگے بڑھانے میں خوب
استعمال کرتے ہیں اور جیسے ہی مطلوبہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے ان سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ کفر پر مرنے والے منافقوں کو بشارت دیں کہ ان کے لیے
دردناک عذاب ہوگا۔ یہاں بشارت والا فعل استہزاء یا خبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن اصل مقصد منافقت کو
اپنانے اور کفار سے دوستی کرنے والوں کو ڈرانا ہے کہ ایسا کرنے کا انجام بہت برا ہوگا۔

منافقت تو دور کی بات ہے اہل اسلام کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ اس مجلس میں بیٹھیں کہ جس میں قرآنی
آیات کا انکار کیا جائے یا ان کا مذاق اڑایا جائے۔ کیوں کہ قرآنی آیات کا انکار اور ان کا مذاق درحقیقت اس کا

انکار ہوگا کہ جس نے ان کو نازل کیا اور جس پر ان کا نزول ہوا۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار ہی واضح کفر ہے اور جب اس میں مذاق اڑانا بھی شامل ہو جائے تو اس کی سزا کیا ہوگی۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد ہر یہودی اور نصرانی کا فرض تھا کہ آپ پر ایمان لے آئے اور ان پر واضح کر دیا گیا کہ قرآن حکیم ہی آخری کتاب ہے اور اسی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے والے نجات پائیں گے لیکن اس کے باوجود اہل اسلام کو حکم ملا کہ اسلام سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان رکھا جائے۔ یہاں ایمان سے مراد ان کا احترام ہے۔ لہذا ہر مسلمان محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے مبعوث ہونے والے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کو ملنے والی کتابوں کا اسی طرح احترام کرتا ہے جس طرح سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن حکیم کا کرتا ہے جب بھی موسیٰ اور عیسیٰ کا نام لیتا ہے تو علیہ السلام ضرور کہتا ہے لیکن مدینہ کے منافقوں کا معمول تھا کہ جب یہود کے علماء کے پاس جا کر بیٹھتے تو قرآن کا مذاق اڑایا کرتے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کو خوش کرنے اور ان کے ہاں عزت پانے کے لیے ایسا عمل قبیح کیا کرتے تھے اور یہودی علماء ان کو روکنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔

سورة المنافقون میں اللہ تعالیٰ نے عزت کی خاطر گمراہ ہونے والوں کو بتا دیا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ ﴾

عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔

سورة فاطر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ مَنْ كَانَ يَرْيِدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ﴾

جو عزت پانے کا ارادہ رکھتا ہے (جان لے کہ) عزت ساری اللہ کے لیے یعنی اسی کے پاس ہے۔

عزت کے معاملے کو ہمیشہ کے لیے واضح کر دیا کہ اصل اور حقیقی عزت کا معاملہ اللہ کے پاس ہے۔ سورة ال

عمران میں رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرا دیا گیا:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ

وَتُعْزِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (۲۶)

آپ کہہ دیں۔ اے اللہ! بادشاہت کے مالک تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت عطا کر دیتا ہے اور

جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

ذلیل کر دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ساری بھلائی ہے۔ بے شک تو ہی ہر شے پر قدرت رکھنے

والا ہے۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ غیر مسلموں، منافقوں اور فاجروں کو ملنے والی بادشاہت ان کے لیے اور ان کی رعایا کے لیے آزمائش ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں برے لوگوں کے لیے عذاب ہوتی ہے لیکن عزت و ذلت کا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ آج بھی جو کفار کے ہاں عزت تلاش کر رہے ہیں، وہ شیطان کے بہکاوے کا شکار ہیں، اگر وقتی طور پر دنیا میں عزت مل بھی جاتی ہے تو آخرت کے عذاب سے ان کو کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں مشرکوں سے مدد لینے سے اجتناب فرمایا۔ سنن الدارمی (ص ۳۳۰) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک غزوہ کے موقع پر ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی حمایت میں دشمن سے قتال کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِزْجِعْ فَإِنَّا لَا نَسْتَعِينُ بِالْمُشْرِكِ»

لوٹ جاؤ ہم مشرک سے مدد نہیں چاہتے۔

آپ ﷺ نے آزمائش اور ضرورت کی گھڑی میں ایک مشرک کی مدد قبول نہ کر کے اپنا نمونہ قائم کر دیا کہ جب بھی مدد کی ضرورت ہوگی تو اللہ کے سوا کسی اور سے مدد نہیں لی جائے گی لیکن آج تمام اسلامی ممالک کا معاملہ ان طاغوتی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہے جو اسلام کو مٹانے یا مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اعلان ہوتا ہے کہ اگر تم ان کی مجلس میں بیٹھو گے جہاں قرآنی آیات کا انکار کیا جائے اور ان کا مذاق اڑایا جائے تو تم انہی کی مثل ہو جاؤ گے۔

سورة الانعام میں رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ

غَيْرِهِ ۖ﴾

جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں تو آپ ان سے اعراض کریں۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور گفتگو میں لگ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بھی حکم دیا کہ ان لوگوں سے چپنا ہے جو قرآنی آیات کا احترام نہ کریں اور تمام مومنوں کو ایسی مجالس میں شریک ہونے سے روک دیا گیا۔ کیوں کہ ان میں بیٹھنے والا ان جیسا ہی ہو جائے گا یعنی اس کا انجام بھی ان کے انجام جیسا ہوگا۔

تفسیر القرطبی کی روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو شراب پیتے ہوئے پکڑ لیا۔ ان میں سے

ایک آدمی کے بارے میں کہا گیا کہ یہ روزے دار ہے۔ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے یعنی اس نے ان کے ساتھ شراب نہیں پی۔ انہوں نے سورة النساء کی یہی آیت پڑھی ﴿إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ﴾ بے شک تم انہی کی مثل ہو جاؤ گے۔ ”أَيُّ إِنَّ الرِّضَا بِالْمَعْصِيَةِ مَعْصِيَةٌ“ (بے شک معصیت پر راضی ہونا بھی معصیت ہی ہوتی ہے۔)

مسند احمد (۲۰/۱) میں مروی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں کہا:

اے لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ نے فرمایا: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس میز یعنی دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چلتا ہے۔

مسند احمد (۳/۳۹) میں بھی یہ روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کے لیے مناسب نہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ میل جول رکھیں یا ان کے ساتھ بیٹھیں کہ جو اسلامی تعلیمات کا احترام نہ کرتے ہوں۔

اسلامی تعلیمات یا دین اسلام کا مذاق مسلمانوں کی موجودگی میں وہی اڑائے گا جس کے پاس قوت و طاقت ہوگی اور اس کو روکنا تو کتنا مشکل ہوگا۔ اسی لیے اسلام نے ایسی صورت میں حکیمانہ تعلیم یہ دی کہ وہاں سے مسلمان نکل آئیں یا ان سے الگ ہو جائیں۔ رہی بات ان کے کفر و استہزاء کی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آگاہ کر دیا کہ وہی ان کو ان کے انتہائی برے انجام تک پہنچائے گا۔ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

سورة المزمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولَى النَّعْمَةِ وَمَهْلَهُمْ قَلِيلًا ۝۱۱ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۝۱۲ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۳﴾

اور آپ مجھے اور نعمتوں سے مالا مال ہو کر جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیں۔ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنمی آگ ہے اور گلے میں انکٹے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔

یعنی کفار و منافقین کو یہی کچھ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بیان ہونے والے عذابوں سے ہمیں محفوظ رکھے اور ایسے اعمال کرنے کے توفیق عطا فرمائے جن سے ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے۔

حل لغات:

○ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَرَادُوا كُفْرًا﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بفعل۔ الَّذِينَ موصولہ۔ آمَنُوا، كَفَرُوا اور أَرَادُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب کے صیغے۔ ثُمَّ حرف عطف۔ كُفْرًا

تمیز۔ جملے کا معنی ہے: بے شک وہ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے۔

﴿لَمْ يَكُنِ اللَّهُ يَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾ میں لَمْ نفی جحد۔ يَكُنْ فعل مضارع (ناقص)۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ اگلا جملہ اس کی خبر، اس میں يَغْفِرْ اور يَهْدِي پر لام نکی کا، جس کی وجہ سے دونوں فعل مضارع منصوب۔ هُمْ ضمیریں کفار کی طرف راجع۔ سَبِيلًا مفعول۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام نفی کی تاکید کا اور فعل مصدر کی تاویل میں جو کہ فاعل کا معنی دیتے ہیں۔ چنانچہ عبارت یوں ہوگی۔ لَمْ يَكُنِ اللَّهُ غَافِرًا لَهُمْ وَلَا هَادِيَهُمْ سَبِيلًا۔ جملے کا معنی ہے: اللہ ان کو نہ بخشے گا اور نہ ان کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق سے نوازے گا۔

﴿بَشِّرِ الْمُتَّقِينَ بَأَن لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ میں بَشِّرْ فعل امر حاضر۔ الْمُتَّقِينَ اس کا مفعول۔ اَنَّ مشبہ یفعل پر باء بدلے کی۔ لَهُمْ سے مراد منافقین۔ عَذَابًا أَلِيمًا مرکب توصیفی اَنَّ کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: آپ منافقوں کو بشارت دے دیں کہ یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ یہاں بَشِّرْ بمعنی أَخْبِرْ ہے۔

﴿الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں الَّذِينَ موصولہ۔ يَتَّخِذُونَ فعل مضارع۔ الْكَافِرِينَ مفعول اول اَوْلِيَاءَ مفعول ثانی۔ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ مرکب جاری۔ جملے کا معنی ہے: وہ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

﴿أَيَّتَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ يَتَتَعُونَ فعل مضارع۔ عِنْدَهُمْ ظرف۔ الْعِزَّةَ مفعول۔ اَنَّ مشبہ یفعل پر فاء جزائیہ۔ الْعِزَّةَ اسم۔ لِلَّهِ جَمِيعًا خبر۔ جملے کا معنی ہے: کیا وہ ان کے یعنی کفار کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ بے شک عزت کلی طور پر اللہ ہی کے لیے ہے۔ یعنی اسی کے پاس ہے۔

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَفْعَلُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ میں واو عاطفہ۔ قَدْ تحقیق کا۔ نَزَلَ فعل ماضی۔ عَلَيْكُمْ اور فِي الْكِتَابِ جار مجرور۔ اَنَّ مثقلہ سے مخففہ۔ إِذَا ظرفیہ شرط۔ سَمِعْتُمْ فعل ماضی۔ آيَاتِ اللَّهِ مرکب اضافی مفعول۔ آيَاتِ چوں کہ جمع مونث سالم ہے، اس لیے نصی حالت میں بھی اس کے آخر میں زیر آتی ہے۔ يُكْفَرُ اور يُسْتَهْزَأُ دونوں فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب۔ بِهَا کی ضمیر آيَاتِ اللَّهِ کی طرف راجع۔ لَا

تَفْعَلُوا فَعْلَ نَهِي پر فاء جواب شرط۔ مَعَهُمْ سے مراد کفار اور منافقین۔ حَتَّى ناصبہ۔ يَخُوضُوا فَعْلَ مضارع کی نون اعرابی اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ فِي حَدِيثٍ جار مجرور۔ غَيْرِهِ کی ضمیر حَدِيثِ کی طرف راجع اور غَيْرِ اسم لازم الاضافت۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب میں حکم نازل کر دیا ہے کہ کسی مجلس میں جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور گفتگو میں نہ لگ جائیں۔

○ ﴿إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلُهُمْ﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اِذَا حرف جواب و جزاء۔ مِثْلُهُمْ کی ضمیر کفار و منافقین کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: بے شک تم اس وقت ان کی مثل ہو جاؤ گے۔

○ ﴿إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ سے آخر تک اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔



وہ جو تمہارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ پھر اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح حاصل ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے اور اگر کافروں کو غلبے میں سے کچھ حصہ مل جائے تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ ہونے والے تھے اور ہم نے تم کو مومنوں سے نہ بچایا؟ پس اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے روز تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہیں دے گا۔

بے شک منافق اللہ کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ اسی نے ان کو دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی سے کھڑے

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ ۖ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْذِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَالَهُ يُحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ لَا يَرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا

يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾

ہوتے ہیں لوگوں کے لیے دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

مُذَبِّدِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۚ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ
وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿١٤٣﴾

اسی میں تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ (صحیح طور پر) نہ اُن کے ساتھ ہوتے ہیں اور نہ ان کا ساتھ ہی دیتے ہیں اور جس کو (اس کے عمل کی بنا پر) اللہ گمراہ کر دے آپ اس کے لیے ہرگز راہ نہیں پائیں گے۔

تشریح:

کفار اپنے کافرانہ عقائد کا اظہار کھلے طور پر کرتے ہیں جبکہ منافق اگرچہ اندر سے کافروں کے ساتھی اور حمایتی ہوتے ہیں لیکن ظاہری طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ مقصد دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے کہ اہل اسلام کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے اور مسلمانوں کے زوال پذیر ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اس کی ابتداء سید الانبیاء ﷺ کے مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے قائم کرنے کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔

سورة التوبة میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرًا مِنْ قَبْلُ وَيَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾﴾

اگر آپ کو کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ پہلے ہی درست کر لیا تھا اور خوش ہوتے ہوئے وہ لوٹتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ہمیں تو وہی کچھ ملنا ہے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھا ہے۔ وہی ہمارا مولیٰ ہے اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ذریعے امت محمدیہ پر واضح کر دیا کہ منافقوں کا نصب العین صرف اپنے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں اسلام یا اہل اسلام کے بارے میں کوئی درو نہیں ہوتا بلکہ ان کی کوشش اور خواہش ہی یہی ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح شیع توحید کی روشنی کو پھیلنے نہ دیں اور کفر اسلام پر غالب آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے بڑا بنیادی اعلان کروا دیا کہ اہل اسلام کو وہی کچھ ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کر دیا ہے۔ یعنی اگر کوئی بھلائی یا تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ جیسے جنگ احد میں اہل اسلام کے ساتھ ہوا۔ اگر اللہ چاہتا تو مسلمانوں کو جنگ بدر والی کامیابی سے نواز سکتا تھا لیکن مسلمانوں کو آزمائش میں سے گزارنے کے پیچھے بھی اس کی اپنی حکمت تھی۔ اعلان کی روح یہ ہے کہ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے، اس کے علاوہ ہمارا کوئی مددگار نہیں اور مومنوں کا کام ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں اپنے مولیٰ اللہ، پر توکل و بھروسہ کیا کریں اور اپنا کوئی معاملہ غیر اللہ کے سپرد کبھی نہ کریں اور نہ اس کی اطاعت اختیار کرتے ہوئے قرآن و سنت کی تعلیم کو نظر انداز کریں۔

سورة التوبة میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی:

﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسَيْنَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بَأْيِدِنَا ۚ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾﴾

آپ کہہ دیں تم تو ہمارے بارے میں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو جب کہ ہم تو تمہارے بارے میں یہ انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں عذاب پہنچائے۔ بس تم انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست دس برس میں نہ صرف مستحکم ہو گئی بلکہ سارے عرب میں شمع توحید کی روشنی سے جاہلیت کے اندھیرے اجالوں میں تبدیل ہو گئے۔ کیونکہ اس اسلامی ریاست کے قائم کرنے والے وہ لوگ تھے جن سے اللہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور ان کی زندگیوں کا مقصود و مطلوب صرف اللہ کی رضا تھی۔ ان کا ہر کام اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہوا کرتا تھا۔ جب کہ آج امت کی اکثریت اللہ کی بجائے غیر اللہ کی خوشنودی کے حصول میں کوشاں ہے اور آخرت کے انجام کو بھول کر دنیا داری میں غرق ہو چکی ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم کے نزول کا مقصد یہی تھا کہ امت مسلمہ ہر دور میں اس سے راہنمائی لیتے ہوئے کفار اور منافقوں کی چالوں سے بچتی رہے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی یہ برداشت نہیں کرنا کہ مسلمان متحد ہو کر ان سے زیادہ طاقتور ہو جائیں۔ اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کی وجہ ہمیشہ ان کی اپنی باہمی خانہ جنگی رہی ہے اور اس خانہ جنگی کے پیچھے ہمیشہ منافقوں کا اہم کردار رہا ہے۔ لہذا منافقوں کی منافقت سے آگاہ کرنے کے لیے ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہل ایمان کو جب اللہ تعالیٰ فتح سے نوازتا تو ان سے کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ تھے اور جب کہیں اہل ایمان مغلوب ہو جاتے تو کفار سے کہتے کہ

ہم ہی تمہاری کامیابی کا سبب بنے ہیں۔

یہاں اہل ایمان کی کامیابی کے لیے فتح اور کفار کے غلبہ کے لیے نصیب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی کفار کو کبھی دائمی فتح حاصل نہ ہوگی اور مسلمان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے مغلوب ہوں گے لیکن ان کے غلبے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب ضرور پیدا کرے گا۔

سورة الغافر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴾ (31)

بے شک ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد ضرور کریں گے دنیا کی زندگی میں اور جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔ لیکن مدد کی شرط ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ کفار کے لیے مومنوں پر راہ نہیں بنائے گا۔ کے بارے میں جب علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس سے پچھلی آیت کے ساتھ پڑھ کر کہا کہ اس سے مراد قیامت کے دن کا غلبہ ہے۔ یعنی دنیا میں اگر وہ کسی دور میں غالب آ جاتے ہیں تو یہ ممکن ہے لیکن آخرت میں مومنوں پر ان کی کوئی حجت نہیں چلے گی۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ اس کو عام بھی رکھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ دنیا میں بھی ان کو نہ دائمی غلبہ حاصل ہوا ہے، نہ ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے چوں کہ انسان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں سے جو چاہے اپنائے، اس لیے وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرے لیکن اچھائی کو اپنانے والے اس سے جزا پاتے ہیں اور برائی پر ڈٹے رہنے والے اس کے مقرر کردہ عذابوں میں مبتلا کر دیے جاتے ہیں جن کے دلوں میں شرک و نفاق سما جاتا ہے اور وہ اس کی اصلاح کرنے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ اسی کو ہدایت سمجھتے ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس مہلک بیماری کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

سورة التوبة میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ

كُفْرُونَ ﴾ (125)

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہوتی ہے، ان کو ان کی پلیدی میں وہ اور زیادہ کر دیتی ہے اور کفر پر ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب دوسروں کو دھوکا دیتا ہے تو وہ خود دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اس کے دھوکے کا انجام انتہائی برا ہے۔ منافقوں کا بھی یہی معمول رہا ہے، وہ اپنی دانست کے مطابق اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دے کر دنیا میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں حالانکہ وہ اپنی آخرت خود ہی اپنے ہاتھوں پر برباد کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی نشانیوں میں سے جن کا ذکر یہاں فرمایا ہے وہ ان کا اپنی نمازوں میں سستی و کاہلی کرنا ہے۔ چونکہ ان کی نمازیں اللہ کی رضا کے حصول کے لیے نہیں ہوتی۔ بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ہوتی ہیں، اس لیے وہ خشوع و خضوع سے عاری ہی رہتی ہیں، ذکر الہی سے بھی خالی ہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم (۲۳۵/۱) کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا سورج کی طرف دیکھتا رہتا ہے اور جب وہ غروب ہونے لگتا ہے اور شیطان اپنے دونوں سینگ اس کے ارد گرد کر دیتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھ لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی بہت کم کرتا ہے۔

اس کے برعکس سورة المومنون کے آغاز میں مومنوں کی نماز کا ذکر یوں ہوتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

بے شک فلاح پائی ان مومنوں نے جو اپنی نمازوں میں خوفزدہ ہوتے ہیں۔

یعنی اللہ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور ان کا ایمان ہوتا ہے کہ ان کا رب ان کو دیکھ رہا ہے اور وہ ان کے ظاہر و باطن سے خوب اچھی طرح باخبر ہے۔ جب کہ منافقوں کا حال آخری وقت تک یہ ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل کے درمیان بھٹکتے رہتے ہیں اور ان کی موت کفر پر ہو جاتی ہے۔

تفسیر ابن جریر (پ ۵، ص ۳۳۶) میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مومن اور کافر اور منافق کی مثال اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے:

تینوں ایک دریا پر گئے۔ مومن دریا میں اترا اور پار چلا گیا۔ منافق دریا میں داخل ہوا، قریب تھا کہ مومن تک پہنچ جاتا کہ اس کو کافر نے آواز دی۔ میری طرف آ جا۔ مجھے خطرہ ہے تو ڈوب جائے گا۔ مومن نے اس کو پکارا میری طرف آ جا، تیرے لیے میرے پاس یہ یہ ہے۔ منافق دریا کے درمیان فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کس طرف جائے۔ یہاں تک کہ ایک موج آتی ہے اور اس کو غرق کر دیتی ہے۔

صحیح مسلم (۲/۳۷۰ کتاب صفات المنافقین) میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا:

منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو دو ریڑھوں کے درمیان ہو۔ کبھی وہ ایک کی طرف جائے اور کبھی دوسرے کی طرف جائے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک میں شامل نہ ہو سکے۔

منافق کا دل اخلاص کی نعمت سے چوں کہ محروم ہوتا ہے اس لیے ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے میں وہ کامیاب نہیں ہوتا، اس کی منافقت کی وجہ سے اس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔ لہذا ہدایت کی راہ سے وہ دور ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی منافقت اور کفر سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

○ ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِكُفْرٍ﴾ میں الَّذِينَ موصولہ۔ يَتَّبِعُونَ (باب تفعّل) فعل مضارع۔ بِكُفْرٍ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: وہ جو تمہارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

○ ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ میں إِنْ شرطیہ پر فاء ترتیب۔ كَانَ فعل ناقص۔ فَتْحٌ اس کا اسم۔ لَكُمْ اور مِّنَ اللَّهِ جار مجرور۔ قَالُوا فعل ماضی۔ ہمزہ استفہامیہ۔ لَمْ نفی مجد۔ نَكُنْ فعل مضارع مجزوم مَعَكُمْ میں كُمْ ضمیر مخاطب۔ جملے کا معنی ہے: پھر اگر تمہارے لیے اللہ کی طرف سے فتح ہو تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔

○ ﴿وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں نَصِيبٌ ہے مراد حصہ۔ نَسْتَحِذْ اور نَمْنَعُ دونوں فعل مضارع جمع متکلم کے صیغے۔ پہلا باب استفعال سے اور دوسرا باب فَتْحٌ يَفْتَحُ سے۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے دونوں مجزوم۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر کافروں کو غلبے کا حاصل جائے تو کہتے ہیں، کیا ہم تم پر غالب نہ ہونے لگے تھے اور ہم نے تم کو مومنوں سے نہ بچایا۔

○ ﴿قَالَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ میں يَحْكُمُ فعل مضارع۔ لفظ اللہ اس کے فاعل پر فاء تحکیم کا۔ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مرکب اضافی ظرف زمان۔ جملے کا معنی ہے: پس اللہ تعالیٰ ہی تمہارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کرے گا۔

○ ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ میں واو عاطفہ۔ لَنْ نفی موکد کا۔ يَجْعَلَ

فعل مضارع کے آخر میں زبر اسی کی وجہ سے آئی ہے۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ لِلْكَافِرِينَ اور عَلَى الْمُؤْمِنِينَ دونوں جار مجرور۔ سَبِيلًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر ہرگز راہ نہیں دے گا۔

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ میں إِنَّ مشبہ بفعل۔ الْمُنَافِقِينَ (باب مفاعله سے اسم فاعل) منصوب اس کا اسم۔ يُخَادِعُونَ فعل مضارع (باب مفاعله) فعل و فاعل، لفظ اللہ (مفعول) سے مل کر خبر۔ واو حالیہ۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل۔ خَادِعُ اسم فاعل۔ هُمْ ضمیر منافقوں کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: بیشک منافق اپنی طرف سے اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں حالانکہ اسی نے ان کو دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے۔

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالً﴾ میں واو عاطفہ۔ قَامُوا فعل ماضی۔ إِلَى الصَّلَاةِ جار مجرور، کُسَالً حال (كَسِلَ يَكْسِلُ كَسَلًا سے صفت، كَسِلَ وَكُسَلَان کی جمع)۔ جملے کا معنی ہے: اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔

﴿يُرْآءُ وَنَ النَّاسِ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ میں يُرْآءُ وَنَ اور يَذْكُرُونَ فعل مضارع جمع مذکر غائب کے صیغے۔ پہلا باب مفاعله سے اور دوسرا باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے۔ النَّاسَ مفعول۔ واو عاطفہ۔ لَا نافیہ۔ لفظ اللہ مفعول۔ إِلَّا حرف استثناء۔ قَلِيلًا مشبہ جملے کا معنی ہے: وہ لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم ہوتے ہیں۔

﴿مُذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ﴾ میں مُذَبِّذِينَ ثلاثی مزید فیہ کے باب دُخِرَجَ يَدْخُرُج سے اسم مفعول جمع، نصی حالت میں۔ ذَلِكَ اسم اشارہ۔ جملے کا معنی ہے: اسی میں وہ تذبذب کا شکار ہیں۔

﴿لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ﴾ میں دونوں جگہ لَافِي کا هَؤُلَاءِ اسم اشارہ هَذَا کی جمع۔ اِلٰی حرف جر۔ یہ ماقبلہ جملہ کا بیان ہے۔ جملے کا معنی ہے: صحیح طور پر وہ نہ ان کی طرف ہوتے ہیں اور نہ ان کی طرف۔ یعنی اسلام اور کفر میں سے ایک طرف نہیں ہو پاتے۔

﴿وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ میں واو عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ۔ يُضْلِلُ فعل مضارع۔ لفظ اللہ اس کا فاعل لَنْ نفی تاکید پر فاء جواب شرط۔ تَجِدَ فعل مضارع منصوب۔ لَهُ جار مجرور۔ سَبِيلًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور جس کو اللہ (اس کے اعمال کی بنا پر) گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم ارادہ رکھتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی واضح حجت قائم کر لو۔

بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے گہرے طبقہ میں ہوں گے اور ان کے لیے آپ ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔

مگر وہ کہ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لیا اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا، پس وہی مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ قدردان جاننے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿١٤٤﴾

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بار بار اعلان فرمایا کہ مومنوں کا دوست اللہ رہا ہے اور رہے گا۔ نیز مومنوں سے حقیقی دوستی کا حق وہی ادا کیا کرتے تھے جو اس پر ایمان و یقین رکھنے والے تھے جبکہ کفار کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اللہ کے ماننے والوں کو ختم کیا جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر کفار سے دوستی کرنے سے منع کر دیا۔ کیونکہ ان کی دوستی میں کبھی خیر نہیں ہوتی۔

سورة البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا لَا يُخْرِجُهُمُ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَةِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣٧﴾

اللہ ہی ایمان والوں کا دوست ہے، ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے اُجالے کی طرف لے جاتا ہے جب کہ کافروں کے دوست شیطان ہیں جو ان کو ہدایت کے نور سے نکال کر گمراہی کے اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔

یہ فرمان اس کا ہے جو کل کائنات کا خالق و مالک ہے جس نے پہلے انسان کو اپنے ہاتھ سے بنا کر اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ پھر اس کو زمین میں بسا کر اس کی اولاد کو زمین میں پھیلایا۔ وہ جو انسان کے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ رہتا ہے۔ جس سے اس کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہوتا۔ انسانی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہی بات معلوم ہوگی کہ کفار کی دوستی اہل ایمان کے لیے ہمیشہ ہی ضرر رساں ثابت ہوتی رہی ہے۔ جن لوگوں نے کفار سے دوستی کی وہ حق سے دور ہو کر گمراہی کا شکار ہو گئے اور اہل ایمان کو جب بھی کامیابی ملی وہ اللہ کی مدد و نصرت سے حاصل ہوئی۔

سورة ال عمران میں رب العالمین نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَاْفِرِينَ﴾ ﴿١٠٠﴾

اے ایمان والو! جن لوگوں کو کتاب دی گئی، اگر ان میں سے تم کسی فریق کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پھر سے کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

سورة ال عمران ہی کے الفاظ ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾ ﴿١٣٩﴾

اے ایمان والو! اگر تم کفار کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے یعنی کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ پھر تم گھائے والوں میں ہو جاؤ گے۔

یہاں وضاحت ہو جاتی ہے کہ کفار سے دوستی اور ان کی اطاعت سراسر خسارے کا سودا ہے۔

سورة المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ بعض ان کے بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت مبارکہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپس میں تو دوست ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں سے ان کی دوستی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ دونوں ہی مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ اگر وہ مسلمانوں میں سے کسی سے دوستی کرتے ہیں تو اس دوستی میں ان کا کوئی مفاد ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر خسارے کا سودا کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ان سے دوستی کرنے والا انہی میں شمار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جو ان میں شمار ہوگا تو اس کا انجام بھی انہی جیسا ہوگا۔

قرآن حکیم میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ جو اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی واضح ہدایت کو ٹھکراتے ہوئے ان میں شامل ہو جاتے ہیں جن پر اللہ غضب ناک ہوا تو وہ اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں پاتے۔ کیوں کہ ہدایت ان کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کفار سے دوستی کرنے سے نہ صرف منع کر دیا بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ منافقوں کا ٹھکانا جہنم کی انتہائی گہرائی ہوگا اور کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اللہ کے حکم کو نہ ماننے کی وجہ سے تمہارا انجام بھی خراب ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ امت کو آگاہ کر دیا گیا کہ منافق جب جہنم میں داخل کیے جائیں گے تو پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا لیکن ان میں سے جنہوں نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی اور اسلامی تعلیم کے مطابق اپنی اصلاح کر لی اور کفار سے کٹ کر صدق دل سے اللہ کی رضا کے حصول میں لگ گئے اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت دے دی کہ وہ مومنوں کے ساتھی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ عنقریب مومنوں کو اجر عظیم سے نوازنے والا ہے۔

اللہ نے یہاں اسلام کی مخالفت ترک کر کے اپنے آپ کو سچا مسلم ثابت کرنے والوں کے لیے چار شرائط مقرر کی ہیں جن میں سے پہلی توبہ ہے یعنی ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر ندامت کا اظہار اور آئندہ کے لیے اس سے بچنے کا یقینی عزم ہے۔ دوسری اپنے نیک اعمال سے اپنی اصلاح کا عملی ثبوت مہیا کرنا ہے۔ صرف زبانی توبہ توبہ سے بات نہیں بنے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر جو کچھ فرض کیا ہے اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ تیسری اپنا تمام تر معاملہ اللہ کے سپرد کرنا ہے۔ اس کے سوا نہ کسی کو پکارنا اور نہ کسی کے آگے جھکنا ہے۔ غیر اللہ سے قطع تعلق

کر کے صرف اللہ کے ہو جانا ہے۔ چوتھی شرط کا تعلق اخلاص سے ہے۔ یعنی اسلامی تعلیم کو اپناتے ہوئے ہر عمل کو نمود و نمائش اور ریا سے پاک رکھنا ہے۔ کیوں کہ جیسے ہی دینی معاملات میں دکھاوے کا پہلو نمایاں ہوگا ویسے ہی سارا کیا کر یا ضائع ہو جائے گا۔

سورة البیۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۝۳﴾

اور ان کو حکم دیا گیا کہ ایک طرف ہو کر اللہ کی عبادت اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے کیا کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہا کریں اور یہی قائم رہنے والا مضبوط دین ہے۔ یہ حکم اہل کتاب اور دیگر کفار کے لیے تھا لیکن انہوں نے اس حکم کی پروا نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶﴾

www.KitaboSunnat.com

بے شک اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور شرک کرنے والے تھے۔ وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی لوگ زمین میں بسنے والی بری مخلوق ہیں۔

اخلاص ہی وہ نعمت ہے جس سے انسان کی دنیا اور آخرت سنورتی ہے۔ صحیح بخاری (کتاب الایمان ص ۲۰) کی روایت ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا قیامت کے روز لوگوں میں سے آپ کی شفاعت پانے کی سعادت کس کو نصیب ہوگی۔ آپ نے فرمایا:

اے ابو ہریرہ! حدیث کے بارے میں تیری حرص دیکھ کر مجھے گمان تھا کہ سب سے پہلے تو ہی اس کے بارے میں پوچھے گا۔ آپ نے فرمایا:

«أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ»

قیامت کے روز میری شفاعت پانے میں لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت حاصل کرنے والا وہ ہوگا جس نے لا الہ الا اللہ اپنے دل یا اپنے نفس کے اخلاص سے کہا ہوگا۔

مسند احمد (ص ۱۴۷) میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت کا حصہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَخْلَصَ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ»

کامیاب ہوا وہ جس نے ایمان کے لیے اپنے دل کو خالص کیا۔

امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی رحمہ اللہ نے ”نوادیر الاصول“ میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا۔

عرض کیا گیا اللہ کے رسول! اس کے اخلاص سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا:

«يَحْجُزُهُ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ»

وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں اور باتوں سے روکے۔

”نوادیر الاصول“ کی دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے عہد کر رکھا ہے کہ میری امت میں سے جو اس کے پاس لا الہ الا اللہ کے ساتھ

اس طرح جائے گا کہ وہ اس میں کچھ اور خلط ملط نہیں کرتا تھا تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے

گی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا لا الہ الا اللہ کے ساتھ کچھ اور خلط ملط کرنے سے مراد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«حِرْصًا عَلَى الدُّنْيَا وَجَمْعًا وَمَنْعًا لِّهَا يَقُولُونَ الْآنِبِيَاءُ وَيَعْمَلُونَ أَعْمَالَ

الْجَبَابِرَةِ»

دنیا کی حرص کرتے ہوئے اس کو جمع کرنا اور حاجت مند سے اس کو روک لینا۔ بات تو نبیوں جیسی

کریں گے لیکن اعمال ان کے مغروروں اور سرکشوں جیسے ہوں گے۔

تفسیر درمنثور (۲/۲۳۷) میں مکحول کے حوالے سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا جو بندہ چالیس دن اپنے آپ کو اخلاص کی دولت سے مالا مال کرتا ہے تو حکمت کے چشمے

اس کے دل سے جاری ہو کر اس کی زبان سے بہتے ہیں۔

سنن النسائي کتاب الجہاد (۵۱/۲) کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا»

بے شک اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول فرماتا ہے جو اس کے لیے خالصہ کیا جائے۔

تفسیر درمنثور، تفسیر ابن کثیر، لوائح الانوار القدسیۃ۔ الترغیب و الترہیب (۱/۵۴) میں

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ان کو یمن بھیجنے لگے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں

عرض کیا اللہ کے رسول!

«أَوْ صِبْنِي، قَالَ أَخْلَصْ دِينَكَ يَكْفِكَ الْعَمَلُ الْقَلِيلُ»
مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اپنے دین کو خالص کر، تیرا قلیل عمل بھی تجھے کفایت کرے گا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم شکر کرو اور ایمان کے تقاضے پورے کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔
اللہ ہمیں اپنا دین خالص کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں يَا أَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِينَ آمَنُوا منادی۔ لَا تَتَّخِذُوا فعل نہی۔ الْكَافِرِينَ مفعول اول۔ اولیاء مفعول ثانی۔ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ مرکب جاری۔ جملے کا معنی ہے اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔
- ﴿أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ تُرِيدُونَ فعل مضارع۔ أَنْ تَجْعَلُوا فعل مضارع منصوب۔ لِلَّهِ اور عَلَيْكُمْ دونوں جار مجرور۔ سُلْطَانًا مُبِينًا مرکب توصیفی تَجْعَلُوا کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے کیا تم ارادہ رکھتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی واضح حجت قائم کر لو۔
- ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ میں أَنَّ مشبہ بفعل۔ الْمُنَافِقِينَ اس کا اسم۔ آیت کا اگلا حصہ اس کی خبر، اس میں الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مرکب توصیفی حرف جر فی کی وجہ سے مجرور۔ مِنْ بیانیہ اور النَّارِ اس کا بیان۔ جملے کا معنی ہے بے شک منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے گہرے طبق میں ہوں گے۔

- ﴿وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ میں واو عاطفہ۔ لَنْ حرف نفی مستقبل تاکید۔ لَهُمْ جار مجرور۔ نَصِيرًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے اور آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔
- ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں إِلَّا حرف استثناء۔ الَّذِينَ موصولہ۔ تَابُوا۔ أَصْلَحُوا۔ اعْتَصَمُوا۔ (باب افعال) اور أَخْلَصُوا (باب افعال) چاروں فعل ماضی سے جمع مذکر غائب کے صیغے۔ بِاللَّهِ اور لِلَّهِ جار مجرور۔ دِينَهُمْ مفعول فَأُولَئِكَ اسم اشارہ، مبتدأ مع الْمُؤْمِنِينَ خبر۔ جملے کا معنی ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی

اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لیا اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا۔ پس وہی مومنوں کے ساتھ ہوں گے۔
 ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ میں واؤ عاطفہ۔ سَوْفَ فعل مضارع کے معنی کو مستقبل قریب میں کرنے والا حرف۔ يُؤْتِي فعل مضارع (يُؤْتِي) کی یاء ساکن تھی اور لفظ اللہ کا لام بھی ساکن ہے۔ اس لیے اتقاء ساکنین کی وجہ سے یاء حذف ہو گئی۔ لفظ اللہ فاعل۔ الْمُؤْمِنِينَ مفعول اول اور أَجْرًا عَظِيمًا مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ عنقریب مومنوں کو عظیم اجر عطا فرمائے۔

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنَّ شُكْرُكُمْ وَأَمْنْتُمْ﴾ میں مَا استفہامیہ انکاری۔ يَفْعَلُ فعل مضارع لفظ اللہ اس کا فاعل۔ بِعَذَابِكُمْ مرکب جاری۔ أَنْ شرطیہ۔ شُكْرُكُمْ اور أَمْنْتُمْ دونوں فعل ماضی سے جمع ذکر حاضر کے صیغہ۔ جملے کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ میں واؤ عاطفہ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ کا اسم اور شَاكِرًا عَلِيمًا اس کی خبریں۔ جملے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا بہت جاننے والا ہے۔

پ

۳۵

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ مگر جس پر ظلم کیا گیا (یعنی مظلوم کو اس کی اجازت ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

اگر تم نیکی کا کوئی کام علانیہ کرو یا اس کو چھپا کر کرو یا کسی برائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿۱۴۸﴾

إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخَفُّوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفْوًا قَدِيرًا ﴿۱۴۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۖ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا

بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ

يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ

يُؤْتِيهِمْ أَجُورُهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾

ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ بنا لیں۔

وہی حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہ کیا، انہیں وہ عنقریب ان کے اجر سے نوازے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

تشریح:

اسلام میں عموماً زیادتی کا جواب زیادتی سے دینے کی بجائے درگزر کرنے اور ممکنہ حد تک معاف کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ بدلہ لینے کی اگرچہ اجازت ہے لیکن معاف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔ جبکہ ظالموں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سورة الشوریٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٣٩﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا

وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنْ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ

مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي

الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ

الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾﴾

اور وہ لوگ کہ جن پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔ پس جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جس نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا تو ایسے لوگوں پر الزام کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ راہ تو یقیناً ان پر ہوگی جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بلاشبہ یہ ہمت والے کاموں میں سے ایک کام ہے۔

سورة النحل میں رحیم و کریم نے فرمایا:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ (126)
اور اگر تم بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہوگا۔

یہی تعلیم سورة البقرہ میں دی گئی ہے:

﴿فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (194)

پس جس نے تم پر زیادتی کی تو تم اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی اور اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

سورة المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالْجُرُومَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ﴾ (45)

اور ہر زخم کا قصاص ہوگا۔ پس جو معاف کر دے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

جس دین کی تعلیم ایسی ہو اس میں دہشت گردی کا تصور کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلام نے دہشت گردی اور ظلم کی روایات کو ختم کر کے دنیا میں امن و سلامتی کو پھیلایا، برائی کا جواب برائی سے دینے کی بجائے اچھائی سے مٹانے کا حکم دیا۔

سورة فصلت میں آپ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ

كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ (34)

”اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں۔ اس لیے برائی کا جواب ایسے طریقے سے دیں جو سب سے اچھا ہو۔ جب آپ ایسا کریں گے تو جس کے اور آپ کے درمیان عداوت ہے وہ ایسے ہو جائے گا گویا آپ کا زبردست حمایتی دوست ہے۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ قرآنی حکم کے مطابق عمل کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو کبھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

سنن ابی داؤد (کتاب الادب ص ۶۷۱) کی روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے بدکلامی کا نشانہ بنایا، رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ اس شخص کی بری گفتگو سن کر آپ مسکراتے رہے۔ پہلے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے لیکن جب وہ شخص حد سے بڑھ گیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی جواب دینا شروع کر دیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جواب دیتے ہی رسول اللہ ﷺ اٹھے اور وہاں سے چل دیے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ جب وہ شخص بری گفتگو کرتا رہا، آپ وہاں بیٹھے رہے لیکن جب میں نے جواب دینا شروع کیا تو آپ اٹھ کر چلے آئے۔ آپ نے فرمایا:

جب تم خاموش تھے تو تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کو جواب دے رہا تھا اور جب تم نے جواب دینا شروع کیا تو فرشتہ ہٹ گیا اور شیطان آ گیا۔ شیطان کی موجودگی میں میں کیسے بیٹھا رہتا۔ صحیح مسلم (۳۲۱/۲) کی روایت کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَا زَاذَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا »

درگزر کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کی شکایت کرے تو تم اس سے کہو اور اس کو تلقین کرو کہ بھائی اس کو معاف کر دو، معافی ہی میں بہتری ہے۔ اور یہی پرہیزگاری کا ثبوت ہے اگر وہ نہ مانے اور اپنے دل کی کمزوری کا اظہار کرے تو کہہ دو کہ جاؤ بدلہ لے لو۔ لیکن خیال رہے کہ بدلہ لینے میں کہیں اپنے حق سے تجاوز نہ کر جاؤ۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ معاف کر دو۔ یہی وسعت والا دروازہ ہے۔ بدلے کی راہ بہت تنگ ہے۔ معاف کرنے والا آرام کی میٹھی نیند سوتا ہے جب کہ بدلہ لینے والا دن رات متفکر رہتا ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مظلوم کو حق دیا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کا اونچی آواز میں ذکر کر سکتا ہے لیکن تلقین معاف اور درگزر کرنے کی فرمائی ہے۔ ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی گئی کہ نیکی علانیہ یا پوشیدہ یا درگزر کرنے کی صورت میں ہو تو اللہ کے علم میں ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل ہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے لیکن یہود نے ان کو قبول نہ کیا اور اپنی طرف سے ان کو سولی پر لٹکوا دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو یہود نے آپ کا بھی انکار کر دیا۔ اپنی طرف سے انہوں نے یہ درمیانی راہ نکالی کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبیوں پر ایمان رکھا جائے لیکن عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سوچ کو کفر قرار دے دیا اور ان کو ذلیل کرنے والے عذاب کی وعید سنادی۔

ان کی دیکھا دیکھی نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو خدا کا بیٹا بنا دیا لیکن جس آخری نبی ﷺ کی انہوں نے بشارت دی تھی، اس کو ٹھکرا دیا اور دونوں نے مل کر اہل اسلام کے خلاف محاذ آرائی کو عروج پر پہنچا دیا۔ دونوں کی سمجھ میں یہ بات آج تک نہیں آئی کہ قرآن حکیم میں اہل اسلام کو ان کے تمام نبیوں پر ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا بلکہ ان کے ایمان کا حصہ بنایا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کی اپنی گواہی موجود ہے۔

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا يَفْرِقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِهِ ﴾ (285)

رسول (ﷺ) اس پر ایمان لے آئے جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور تمام مومن بھی ایمان لے آئے۔ سارے کے سارے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے (مومنوں نے کہا) رسولوں میں سے ہم کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسا ایمان رکھنے والے اپنے بندوں کو بشارت دی ہے کہ وہ عنقریب ان کو ان کے اجر سے نوازے گا۔ جبکہ رسولوں میں تفریق کرنے والوں کا انجام عذاب مہین ہوگا۔ اللہ ہمیں کفار کو ملنے والے عذاب سے محفوظ رکھے اور اہل ایمان کے اجر میں شریک فرمائے۔

حل لغات

○ ﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ﴾ میں لَا نافیہ۔ يُحِبُّ فعل مضارع، لفظ اللہ اس کا فاعل۔ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مفعول۔ مِنْ بیاہی یا تبعیضیہ۔ الْقَوْلِ بیان۔ اِلَّا حرف استثناء، مَنْ موصولہ۔ ظَلَمَ فعل ماضی مجہول۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا جہراً کی گئی بری بات مگر اس کی جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ یعنی مظلوم کے شکوہ و شکایت کے علاوہ کسی اور کی کہی گئی بری بات پسند نہیں کرتا۔

○ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴾ میں واو عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ سَمِيْعًا عَلِيْمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی سننے والا اور بڑا ہی جاننے والا ہے۔

○ ﴿ اِنْ تَبَدُّوْا خَيْرًا اَوْ تَخْشَوْهُ اَوْ تَعْفَوْا عَنْ سُوْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ تَبَدُّوْا، تَخْشَوْهُ اور تَعْفَوْا تینوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر کے صیغے۔ تینوں کی نون اِنْ شرطیہ کی وجہ سے گری ہوئی ہیں۔ اَوْ حرف عطف۔ خَيْرًا مفعول۔ عَنْ سُوْءٍ جار مجرور۔ اِنْ حرف مشبہ بفعل پر فاء جواب شرط۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ كَانَ فعل ناقص اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے۔ اگر تم

نیکی کا کوئی کام علانیہ کرو یا اس کو پوشیدہ رکھو یا کسی برائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی معاف کرنے والا اور پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ میں ان حرف مشبہ بالفعل - الَّذِينَ موصولہ - يَكْفُرُونَ اور يُرِيدُونَ فعل مضارع - بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ عطف کے ساتھ جار مجرور - أَنْ ناصبہ یا مصدریہ - يُفَرِّقُوا فعل مضارع کی نون اعرابی اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ بَيْنَ ظرف مضاف، لفظ اللہ وَرُسُلِهِ مضاف الیہ۔ جملے کا معنی ہے۔ بے شک وہ کہ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کیا اور وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں۔

﴿وَيَقُولُونَ نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ میں نُوْمِنَ اور نَكْفُرُ دونوں فعل مضارع متکلم جمع کے صیغے، بِبَعْضٍ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔

﴿وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ میں واو عاطفہ - يُرِيدُونَ فعل مضارع جمع مذکر غائب - أَنْ ناصبہ - يَتَّخِذُوا بھی نصی حالت میں فعل مضارع - بَيْنَ ظرف - ذَلِكَ اسم اشارہ - سَبِيلًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ بنالیں۔

﴿أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا﴾ میں أُولَئِكَ اسم اشارہ مبتدا - هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا میں هُمْ ضمیر فصل برائے تخصیص، الْكَافِرُونَ خبر، حَقًّا حال ہونے کی وجہ سے منصوب، جملے کا معنی ہے۔ وہی لوگ یقینی طور پر اصلی کافر ہیں۔

﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا﴾ واو عاطفہ - أَعْتَدْنَا فعل ماضی جمع متکلم - لِلْكَافِرِينَ جار مجرور - عَذَابًا مُهِينًا مرکب توصیفی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجُورُهُمْ﴾ میں واو عاطفہ - الَّذِينَ موصولہ - آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ صلہ - لَمْ نفی جحد - يُفَرِّقُوا فعل مضارع کی نون اعرابی اسی وجہ سے گری ہوئی ہے اور جب یہ مضارع پر آتا ہے تو معنی ماضی میں کر دیتا ہے۔ مِنْهُمْ کی ضمیر هُمْ اللہ وَرُسُلِهِ کی طرف راجع - أُولَئِكَ اسم اشارہ مبتدا اور اگلا جملہ خبر، اس میں سَوْفَ تائید عہد - يُؤْتِيهِمْ فعل مضارع - هُمْ ضمیر مؤمنون کی طرف راجع - أَجُورُهُمْ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی ایک میں انہوں نے تفریق نہ کی۔ وہی ہیں کہ عنقریب ان کو ان کے اجر سے نوازے گا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم غُفُوراً رَحِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۳۶

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کر دیں۔ بے شک انہوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کیا، انہوں نے کہا کہ کھلے طور پر ہمیں اللہ دکھاؤ پس ان کے ظلم کے سبب بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا (یعنی وہ ہلاک ہو گئے) پھر انہوں نے ان کے پاس نشانیاں آجانے کے بعد پچھڑے کو معبود بنا لیا، پس ہم نے اس سے درگزر کیا اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کھلا غلبہ دیا۔

اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ کو بلند کیا اور ان سے کہا کہ دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور ہم نے ان سے کہا کہ ہفتہ کے دن میں زیادتی نہ کرنا اور ہم نے ان سے انتہائی مضبوط عہد لیا۔

پس (ان کو جو سزا ملی وہ) ان کی عہد شکنی کرنے اور ان کا اللہ کی آیات کا انکار کرنے اور انبیاء (علیہم السلام) کو ناحق قتل کرنے اور ان کے اس قول کے سبب (تھی) کہ

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ ۖ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرَنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۖ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْهُمُ بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۖ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۵۳﴾

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۵۴﴾

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ

ہمارے دلوں پر غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ (نہیں)
بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر
لگا دی پس (اب) ان میں سے بہت ہی کم لوگ
ایمان لائیں گے۔

اور سزا کی وجہ اُن کا کفر اور مریم (علیہا السلام) پر بہتانِ عظیم
لگانا (بھی) تھا۔

عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا
قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ
بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود کی کج بخشی، سرکشی، نافرمانی اور ان وجوہات کا ذکر ہوا ہے جن کی بنا پر اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا اور مختلف ادوار میں مختلف سزائیں ان کو ملتی رہیں لیکن ان کی جہالت و خباثت میں کمی واقع نہ ہوئی۔

تفسیر ابن جریر میں محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود میں سے چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئے تختیاں لائے تھے۔ آپ بھی ویسی ہی تختیاں لائیں تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ ان کے اس بے ہودہ مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے ﴿بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ تک آیات نازل فرمادیں۔

ان کا یہ قول بھی منقول ہے کہ خاص ان کے سرداروں کی طرف ایسے خطوط آئیں جن میں آپ کی تصدیق و اتباع کا حکم دیا گیا ہو۔

عجیب بات یہ ہے کہ ایسا مطالبہ کرتے ہوئے انھوں نے یہ نہ سوچا سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو تختیاں دی گئی تھیں وہ فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد ان کو ملی تھیں۔ نبوت تو ان کو مدین سے واپس آتے ہوئے ہی اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی تھی۔ فرعون کی ہلاکت کا سبب بھی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ آسمان سے ہمارے اوپر کوئی کتاب نازل نہیں کریں گے سراسر جہالت اور کج بخشی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اگر یہود آپ سے لغو قسم کا مطالبہ کرتے ہیں تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر دیا تھا کہ ہمیں بالکل کھلے طور پر اللہ دکھاؤ۔

سورة البقرة میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ
تَنْظُرُونَ﴾ 55 ثُمَّ بَعَثْنَا كُم مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿56﴾

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم تیرے لیے اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم اللہ کو کھلے طور پر دیکھ نہ لیں۔ پس بجلی کی کڑک نے ان کو پکڑ لیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس مطالبے کو ظلم سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی ایسا سوال کرنے کا ان کو حق نہ تھا۔ اوپر سے انھوں نے اپنے ایمان کو رویت الہی سے مشروط کر دیا جس کی وجہ سے ان پر بجلی کی ایسی کڑک گری جو ان کی ہلاکت کا سبب بن گئی۔ پھر موسیٰ (علیہ السلام) کی عاجزانہ دعا سے جہالت و سرکشی کا مظاہرہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے زندہ کر دیا۔

اتنے بڑے واقعہ کے بعد بھی اطاعت گزاری کا حق ادا کرنے سے یہود محروم رہے۔ سرکشی اور نافرمانی کو اپنی زندگیوں کا شعار بنائے رکھا۔ جس جلیل القدر نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن سے ان کو نجات دی۔ اس کی تعلیم کو ٹھکراتے ہوئے اس کی غیر موجودگی میں ایک پچھڑا بنا کر اس کی عبادت کرنا شروع کر دیتی ہے۔

سورة طہ کے الفاظ میں:

﴿فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمُ وَإِلَهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ﴾ 88

اس (سامری) نے ان کے لیے وجود والا پچھڑا بنا دیا جس کی گائے جیسی آواز تھی۔ پھر انہوں نے کہا یہ تمہارا اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود ہے اور وہ بھول گئے ہیں۔ یعنی جس معبود کی طرف وہ گئے ہیں وہ تو یہاں ہے۔

موسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اتنی بڑی گستاخانہ بات کہتے ہوئے ان کو ذرا بھی شرم نہ آئی۔ تو سید الانبیاء کے بارے میں ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی توقع ان سے کیسے ہو سکتی تھی۔ جب ان کی سرکشی اور نافرمانی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو ان کے سروں پر بلند کر کے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو وہ پورا کریں گے۔ پہاڑ کو اپنے سروں پر دیکھ کر اقرار تو کر لیا لیکن سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آئے۔

سورة البقرة میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَآذِكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ 63 ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿٦٤﴾

اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا (اور ہم نے حکم دیا) کہ جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی سے اس کو یاد رکھو تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ اس (عہد) کے بعد تم پھر سرکش ہو گئے۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم گھانا پانے والوں میں سے ہو جاتے۔

سورة البقرة ہی کے الفاظ ہیں:

ہم نے ان سے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جہاں سے چاہو اس میں سے خوب کھاؤ اور اس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے داخل ہونا اور رُحَیَّةَ (کلمہ استغفار) کہتے رہنا، ہم تمہارے تمام گناہ معاف کر دیں گے اور احسان کرنے والوں کو ہم عنقریب اور زیادہ دیں گے۔

﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْنَ قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ﴿٦٥﴾

پس ظالموں نے فرمان کو بدل کر وہ کہا جس کا ان کو حکم نہ دیا گیا تھا۔ پھر ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا ان کے اس فسق و فجور کے سبب جس کا وہ مظاہرہ کیا کرتے تھے۔

اسی طرح جب انہوں نے ہفتے کے دن میں اطاعت کی بجائے نافرمانی کو اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿فَقَلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ ﴿٦٦﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾

پس ہم نے ان سے کہا ذلیل و رسوا بندر بن جاؤ اور ہم نے اس سزا کو ان سے پہلے اور بعد والوں کے لیے باعث عبرت اور متقین کے لیے نصیحت بنا دیا۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو توڑتے ہوئے اللہ کی آیات کا انکار کرتے اور اللہ کے نبیوں کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگا کرتے تھے۔ تکبر و غرور کا یہ حال تھا کہ علانیہ طور پر کہا کرتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ہدایت کی کوئی بات ہمیں قبول نہیں۔

مفسرین کا یہ بھی قول ہے کہ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ ہمیں اور کسی حکم و قانون کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خود ہی فیصلہ سنا دیا کہ ان کے دلوں پر غلاف نہیں چڑھے ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور مریم علیہا السلام پر بہتان لگانے کی وجہ سے مہر لگا دی ہے۔

یعنی ہدایت کی کسی بھی بات کا ان پر اثر نہیں ہوگا اور سرکشوں اور نافرمانوں کو ملنے والا عذاب ان کا مقدر بن گیا ہے۔

یہود کی سرکشی اور نافرمانی کی تفصیل بیان کرنے کے بعد ان کو جو سزا دی گئی، اس کا ذکر کرنے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ ان سے جو پہلے تھے اور جو ان کے بعد آئے ان کے لیے عبرت کا سبب ہو اور تمام متقین ان سے نصیحت حاصل کریں لیکن امت محمدیہ کی اکثریت کا رجحان و میلان انہی کاموں کی طرف ہے جو یہود و نصاریٰ کی تباہی کا سبب بنے۔ اہل اسلام پر ان کا غالب آنا اور انھیں ظلم و ستم کا نشانہ بنانا اس سے بڑا تکلیف دہ عذاب اہل اسلام کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ میں يَسْأَلُ فعل مضارع۔ کاف ضمیر مخاطب کی مفعول۔ أَهْلُ الْكِتَابِ مرکب اضافی فاعل۔ أَنْ نَاصِبہ۔ تُنَزِّلُ فعل مضارع منصوب۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور۔ كِتَابًا مفعول۔ مِنَ السَّمَاءِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: سوال کرتے ہیں اہل الکتاب آپ سے کہ آپ آسمان سے اُن پر ایک کتاب نازل کریں۔

○ ﴿فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَى أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ﴾ میں قَدْ حرف تحقیق پر فاء سییہ۔ سَأَلُوا فعل ماضی۔ مُوسَى مفعول اول۔ أَكْبَرَ فعل تفضیل مفعول ثانی۔ مِنْ حرف جر۔ ذَلِكَ اسم اشارہ۔ جملے کا معنی ہے: بے شک انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔

○ ﴿فَقَالُوا أَرَأَىٰ اللَّهُ جَهَنَّمَ﴾ میں قَالُوا فعل ماضی پر فاء تفسیری۔ أَرِ فعل امر۔ نَا ضمیر مفعول اول۔ لفظ اللہ مفعول ثانی۔ جَهَنَّمَ حال۔ جملے کا معنی ہے: انہوں نے کہا تم ہمیں اللہ ظاہری طور پر دکھاؤ۔

○ ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ﴾ میں أَخَذَتْ فعل ماضی پر فاء جزائیہ۔ هُمْ ضمیر مفعول۔ الصَّاعِقَةُ فاعل۔ ظُلْمِهِمْ پر باء سییہ۔ جملے کا معنی ہے: پس ان کے ظلم کے سبب کڑک نے ان کو پکڑ لیا۔ یعنی اس کے سبب ان کی کڑک سے ہلاکت ہو گئی۔

○ ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ میں ثُمَّ حرف عطف۔ اتَّخَذُوا فعل ماضی۔ الْعِجْلُ مفعول۔ مِنْ بَعْدِ جار مجرور۔ مَا موصولہ۔ جَاءَتْ فعل ماضی واحد مونث غائب۔ هُمْ مفعول۔ الْبَيِّنَاتُ فاعل۔ جملے کا معنی ہے: پھر تم نے پچھڑے کی پوجا کرنی شروع کر دی جبکہ تمہارے پاس واضح نشانیاں آ گئی تھیں۔

﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ وَأَتَيْنَا مُوسَى سُلْطٰنًا مُّبِينًا﴾ میں عَفَوْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ عَنْ ذَلِكَ جار مجرور۔ واو عاطفہ۔ اَتَيْنَا بھی فعل ماضی جمع متکلم مُوسَى مفعول اول اور سُلْطٰنًا مُّبِينًا (مکرب توصیفی) مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے: پھر ہم نے اس سے درگزر کیا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح تسلط عطا کیا۔

﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِثْقَا قِہْمٍ وَقَلْنَا لَهُمْ اَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقَلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِی السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِثْقَا غَلِیْظًا﴾ میں رَفَعْنَا قَلْنَا اور اَخَذْنَا تینوں فعل ماضی جمع متکلم کے صیغے۔ اَدْخُلُوا فعل امر حاضر اور لَا تَعْدُوا فعل نھی۔ الطُّورُ الْبَابُ اور مِثْقَا غَلِیْظًا مفعول ہیں۔ فَوْقَهُمْ ظرف اور سُجَّدًا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم نے طور پہاڑ کو ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے ان پر بلند کیا اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور ہم نے ان سے کہا کہ تم نے ہفتے (کے دن) میں زیادتی نہیں کرنی اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِثْقَا قِہْمٍ وَكَفْرِهِمْ بِآیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِیَاءِ بِغَیْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾ میں فَبِمَا کی فاء عاطفہ۔ بَاءِ سببیہ۔ مَا زائدہ۔ موكده۔ نَقْضِهِمْ، كُفْرِهِمْ، قَتْلِهِمْ اور قَوْلِهِمْ چاروں مصادر کی ضمیریں یہود کی طرف راجع۔ غُلْفٌ، غِلَافٌ کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: پس (ان کو جو سزا دی گئی وہ) ان کے عہد کو توڑنے اور اللہ کی آیات کے ساتھ ان کے کفر کرنے اور ان کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے اور ان کے یہ کہنے کے سبب (تھی) کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔

﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْہَا بِكَفْرِہِمُ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ میں بَلْ حرف اضراب جو پہلی چیز سے اعراض اور دوسری چیز کے اثبات کے لیے آتا ہے۔ طَبَعَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ عَلَیْہَا جار مجرور کی ضمیر ہا، قُلُوب کی طرف راجع۔ بِكَفْرِہِمُ کی باء سببیہ۔ فَلَا نافیہ یقینی۔ یُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع۔ اِلَّا حرف استثناء۔ قَلِیْلًا مستثنیٰ۔ جملے کا معنی ہے: بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ پس بہت ہی کم ایمان لائیں گے۔

﴿وَبِكَفْرِہِمُ وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرِیْمَ بُہْتٰنًا عَظِیْمًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ حرف باء کی وجہ سے مجرور اور مَرِیْمَ حرف علی کی وجہ سے مجرور ہے۔ چون کہ یہ اسم غیر منصرف ہے اس لیے اس کے آخر میں زبر آئی ہے۔ بُہْتٰنًا عَظِیْمًا مفعول بہ یا بُہْتٰنًا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب موصوف اور عَظِیْمًا اس کی صفت۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کے کفر کرنے اور مریم علیہا السلام پر عظیم بہتان لگانے کی وجہ سے ان کو سزا دی گئی۔

۴۷

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ
مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۖ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا
صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبَّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ
الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ
مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ
وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾
وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ
قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ
عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾

تشریح:

یہود کے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے نبیوں کو قتل کرنا اور اس پر نادم ہونے کی بجائے اس گناہ کبیرہ پر فخر و استہزاء کرنا تھا۔ انہوں نے یہی انداز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی اپنایا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جن معجزات سے نوازا تھا، ان کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کی مخالفت پر ڈٹ گئے۔ اس وقت کے رومی حکمران کے پاس جا کر ان پر مختلف قسم کے الزام لگا دیے اور اس کو مجبور کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا جائے۔

عہد نامہ جدید کے مطابق رومی حاکم نے جب خود تحقیق کی تو اس نے یہودی علماء اور سرداروں کو بتایا کہ جو تم کہتے ہو میں اس کو ویسا نہیں پاتا لیکن یہودی سردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصر رہے کہ اس شخص کو سولی پر لٹکایا

جائے۔

انجیل متی کے باب ۲۷ کی آیت ۲۴، ۲۵، ۲۶ کے الفاظ ہیں:

”جب پیلاطس Pilate نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوتا جاتا ہے تو اس نے پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں، تم جانو۔ سب لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے براہ کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا کہ مصلوب ہو۔

انجیل کے دوسرے راویوں کا بھی یہی بیان ہے کہ یہود کے اصرار پر ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدے کے مطابق سولی پر چڑھایا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عیسائیوں کی مقدس کتاب کے مطابق یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو نہ صرف ٹھکرایا بلکہ رومی حاکم کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کو مصلوب کرنے کا حکم دے اور ان کے خون کی ذمہ داری بڑی ڈھٹائی سے اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر لے لی۔ اس کے باوجود آج عیسائیوں نے اپنے نبی علیہ السلام کا خون معاف کر کے یہود کی راہنمائی میں اہل اسلام کو ختم کرنے کا مشن شروع کر رکھا ہے۔ جب کہ قرآن حکیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و عظمت کو اُجاگر کرتا ہے اور اہل اسلام کو حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی عزت کرتے ہوئے ان میں کسی قسم کا فرق نہ کریں، ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کے باطل عقیدے کا سختی سے رد کرتا ہے۔

رومیوں، مصریوں اور ایرانیوں کی تہذیبوں کے اگر اس دور کو دیکھا جائے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصور سے واقف نہ تھے تو معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں کئی کئی معبودوں کی پرستش ہوتی تھی اور ان کے کئی نام تھے۔ رومیوں کے دور میں جب عیسائیت خاصی مقبول ہو گئی تو شاہ قسطنطین نے رومی اور عیسائی عقائد کو جمع کر دیا۔ چوں کہ رومیوں کے ہاں خدا کے بیٹے کے مرنے کے بعد جینے کا بھی تصور پایا جاتا تھا لہذا وہی تصور عیسیٰ علیہ السلام کو منتقل کر کے شاہ قسطنطین نے اپنی بادشاہت کو مذہبی تحفظ فراہم کر دیا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ذریعے عیسائیت پر جو احسان فرمایا، اس کی قدر کی جاتی اور عیسیٰ علیہ السلام نے جس نبی کی بشارت دی تھی اس کے مبعوث ہونے پر اس کی اطاعت کی جاتی لیکن جس طرح یہود کے علماء نے عیسیٰ علیہ السلام کو قبول نہ کیا اور ان کی ایسی مخالفت کی کہ اپنی طرف سے ان کو سولی پر لٹکوا دیا، اسی طرح عیسائی علماء نے محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے پر ویسا ہی کردار ادا کیا، حالانکہ ہر قل روم نے اپنے سرداروں کو اسلام قبول کرنے کی رغبت دلائی جس کو بے دردی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا۔

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب کَيْفَ كَانَ بَدْؤُ الْوَحْيِ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے منقول

ہے کہ ان کو ابوسفیان نے بتایا کہ ہرقل روم نے ان کو قریش کے کئی سواروں کے ساتھ بلالیا، قریش کے یہ لوگ اس وقت سوداگری کے لیے شام گئے ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں سے صلح کر کے ایک مدت دی ہوئی تھی۔

یہ لوگ اس کے پاس جب آئے تو وہ ایلیاء میں تھا، ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور اس کے ارد گرد روم کے رؤسا بیٹھے ہوئے تھے پھر اپنے ترجمان کے ذریعے ان سے مخاطب ہوا کہ ”تم میں سے اس شخص کا قریبی رشتہ دار کون ہے جو اپنے بارے میں خیال کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ ابوسفیان نے کہا: میں اس کا نزدیکی رشتہ دار ہوں“ ہرقل نے کہا ”اس کو میرے قریب لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کے قریب اس کے پیچھے بٹھاؤ۔ پھر اس نے ترجمان کے ذریعے ان سے کہا میں اس سے اس شخص یعنی نبی کے بارے میں کچھ پوچھنے لگا ہوں۔ اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے گا تو اس کو جھٹلا دینا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: اللہ کی قسم! اگر حیا مانع نہ ہوتی کہ یہ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ان کے بارے میں ضرور جھوٹ بولتا۔

ہرقل نے سب سے پہلی بات مجھ سے یہ پوچھی کہ اس کا تم میں نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا ہم میں وہ اونچے نسب والا ہے۔ اس نے پوچھا کہ پیغمبر ہونے والی بات تم میں سے کسی نے پہلے بھی کہی۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا امیر لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا غریب؟ میں نے کہا غریب۔ اس نے پوچھا وہ زیادہ ہو رہے یا کم؟ میں نے کہا زیادہ۔ اس نے کہا ان میں سے کوئی ایمان لا کر اس کو برا سمجھتے ہوئے مرتد ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا اس کے اس بات کے کہنے سے پہلے کبھی اس کو تم نے جھوٹ بولتے دیکھا؟ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل نے کہا کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اب ہم سے صلح کی مدت مقرر ہوئی ہے؟ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ اس میں کیا کرتا ہے؟ ابوسفیان کا بیان ہے کہ یہ بات کہنے کے علاوہ مجھے کوئی موقع نہ ملا۔ بادشاہ نے کہا کیا تم نے اس سے لڑائی لڑی؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا ”تمہارے اس سے قتال کرنے کا نتیجہ کیا تھا؟ میں نے کہا لڑائی اس کے اور ہمارے درمیان ڈول کی موافق رہی کبھی ہمارا وہ نقصان کرتا اور کبھی ہم اس کا کرتے۔ ہرقل نے پوچھا وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ اکیلے اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تمہارے آباء و اجداد جو کہتے تھے اس کو چھوڑ دو اور وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، حرام کاری سے بچنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

تب ہرقل نے ترجمان کے ذریعے کہا میں نے تم سے اس کے نسب کے بارے میں پوچھا تم نے بتایا کہ وہ

اونچے نسب والا ہے۔ رسولوں کو اسی طرح قوم میں عالی نسب کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ ایسی بات پہلے بھی کسی نے کہی؟ تم نے کہا نہیں۔ اگر کسی نے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ اس کی پیروی کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا؟ تم نے کہا نہیں۔ اگر کوئی ہوا ہوتا تو میں کہتا اپنے باپ کی بادشاہت کا طالب ہے۔ میں نے پوچھا یہ بات کہنے سے پہلے تم نے اس کو جھوٹ بولتے پایا؟ تم نے کہا نہیں۔ میں نے جان لیا کہ جو لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتا تھا وہ اللہ کے بارے میں جھوٹ کیسے بولے گا۔ میں نے تم سے پوچھا امیر اس کی اتباع کرتے ہیں یا غریب؟ تم نے کہا غریب۔ رسولوں کی اتباع آغاز میں غریب لوگ ہی کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟ تم نے بتایا زیادہ، ایمان کا یہی معاملہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ پورا ہو جاتا ہے۔ میں نے پوچھا دین میں آ کر اس سے نفرت کرتے ہوئے کوئی بے دین ہوتا ہے؟ تم نے بتایا نہیں۔ ایمان کی یہی صفت ہے کہ جب اس کی خوشی دلوں میں سما جاتی ہے تو پھر نکلتی نہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ تم نے بتایا نہیں۔ رسولوں کا یہی حال ہوتا ہے وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کس بات کا حکم دیتا ہے؟ تم نے بتایا وہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور تمہیں بتوں کی عبادت سے روکتا ہے، نماز پڑھنے، سوچ بولنے اور حرام کاری سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔

جو تم نے کہا اگر سچ ہے تو عنقریب میرے قدموں کے نیچے جو زمین ہے اس کا وہ مالک ہوگا۔ یہ تو میں جانتا تھا کہ وہ نبی آنے والے ہیں لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر میں جان لوں کہ ان تک پہنچ جاؤں گا تو ان سے ملنے کی ضرور کوشش کروں گا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ پھر اس نے وہ خط منگوایا جو آپ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ عظیم بصری کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس کو اس نے پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا:

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمن و رحیم ہے۔ اللہ کے بندے محمد اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے روم کے عظیم ہرقل کے نام۔

اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔ اس کے بعد میں تمہیں اسلام کے کلمے کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر کے سلامتی میں ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر دے گا، اگر تم نے انکار کیا تو رعایا کا بھی گناہ تم پر ہوگا۔

اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ تم صرف اللہ کی

عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نہ بعض ہمارا بعض کو اللہ کے سوارب بنائے، اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دو گواہ رہنا، بے شک ہم مسلمان ہیں۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ ہرقل نے جو کہنا تھا جب کہہ چکا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے پاس بہت زیادہ شور مچا اور آوازیں بلند ہوئیں اور ہمیں وہاں سے نکال دیا گیا اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ابو کبشہ کے بیٹے کا درجہ اونچا ہو گیا، رومیوں کا بادشاہ بھی اس سے خوفزدہ ہے، اسی روز مجھے یقین ہو گیا کہ عنقریب ان کا غلبہ ہوگا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے مسلمان کر دیا۔

اس حدیث کے راویوں میں سے امام الزہری سے مروی ہے کہ ابن الناطور ایلیاء کا حاکم، ہرقل کا ساتھی اور شام کے نصرانیوں کا سب سے بڑا پادری تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ جب ہرقل ایلیاء آیا تو ایک دن صبح رنجیدہ سا اٹھا، اس کے کسی مصاحب خاص نے اس سے کہا آج تمہاری ہیئت کچھ بدلی ہوئی ہے؟ ابن الناطور کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہرقل ستاروں کو دیکھ کر کہانت کیا کرتا تھا، جب اس کے مصاحبوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا:

رات میں نے جب ستاروں کو دیکھ کر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب ہو گیا، اس زمانے میں ختنہ کون کرتا ہے۔

ساتھیوں نے کہا یہودیوں کے سوا کوئی نہیں کرتا، ان کے بارے میں آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، اپنی سلطنت میں واقع تمام شہروں کے حاکموں کو حکم دیں کہ وہاں جتنے یہودی ہیں ان کو وہ قتل کر دیں۔

وہ لوگ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس کو غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبر دے رہا تھا، اس کی بات سننے کے بعد ہرقل نے کہا اس کو لے جا کر دیکھو کہ یہ مختون ہے یا نہیں؟ جب تحقیق ہوئی تو انہوں نے بادشاہ کو بتایا کہ یہ مختون ہے، بادشاہ نے عربوں کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ وہ ختنہ کرتے ہیں، ہرقل نے کہا اس اُمت کا یہی وہ بادشاہ ہے جو غالب آیا، پھر ہرقل نے روم میں اپنے ایک ایسے ساتھی کو خط لکھا جو علم الانجوم میں اس کی نظیر تھا، اس دوران ہرقل ایلیاء سے حص چلا گیا، حص ہی میں تھا کہ اس کے ساتھی کا خط آ گیا اور اس کی رائے بھی نبی کریم ﷺ کے ظاہر ہونے میں اس کی رائے کے موافق تھی اور اس نے لکھا تھا کہ وہ سچے نبی ہیں۔

ہرقل نے حص ہی میں اپنے محل میں تمام رومی سرداروں کو جمع کیا اور اس کے دروازے بند کرنے کا حکم دے

دیا۔ جب دروازے بند ہو گئے تو ان کے پاس آ کر کہا۔ اے روم کے لوگو! اگر تم کامیابی، بھلائی اور اپنی بادشاہت کو قائم رکھنا چاہتے ہو تو اس نبی ﷺ کی بیعت کر لو۔

ہرقل کی یہ بات سن کر سارے سردار وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف لپکے۔ جو بند تھے۔ ہرقل نے جب ایمان سے ان کی یہ نفرت دیکھی تو ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان کو واپس لاؤ اور ان سے کہا کہ میں نے یہ بات اس لیے کہی کہ تمہارا ایمان آزمائوں کہ اس میں کتنی مضبوطی ہے۔ جس پر وہ ہرقل سے راضی ہو گئے اور انہوں نے اس کو سجدہ کیا۔

اس سے عیاں ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں عیسائیوں کے اہل علم کو کوئی شک نہ تھا لیکن انہوں نے اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی آخرت خراب کر لی، یہودی کی پیروی کرتے ہوئے عیسیٰ ﷺ کے مقتول ہونے پر ایمان لے آئے، اللہ تعالیٰ نے دونوں پر واضح کر دیا کہ وہ اپنے گمان کی اتباع کر رہے ہیں، عیسیٰ ﷺ سمجھ کر جس کو انہوں نے سولی چڑھایا، وہ عیسیٰ نہیں تھے بلکہ عیسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور قیامت سے پہلے جب ان کا نزول ہوگا تو تمام اہل کتاب ان پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہ ہوں گے۔

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء ص ۳۹۰) اور صحیح مسلم، کتاب الایمان (۸۷/۱) دونوں کے ”باب نزول عیسیٰ بن مریم“ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، عنقریب تم میں ابن مریم ﷺ عادل حاکم کی صورت میں نازل ہوں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، لڑائی جزیہ ہٹا دیں گے، مال اس قدر زیادہ ہوگا کہ کوئی لینے والا نہ ہوگا۔ ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوگا۔

حدیث کے راوی پھر کہا کرتے تھے چاہو تو (وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ) والی آیت پڑھ لو۔ اللہ تعالیٰ گمان کی اتباع کرنے والوں کو حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ میں واو عاطفہ قَوْلِهِمْ جار مجرور کا عطف بِكُفْرِهِمْ پر۔ اِنَّا میں ضمیر متکلم کی تاکید ہے۔ قَتَلْنَا فعل ماضی۔ الْمَسِيْحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مفعول۔ رَسُوْلَ اللّٰهِ اس کی صفت۔ جملے کا معنی ہے اور ان کے کہنے کے سبب کہ ہم نے بے شک مسیح

عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے۔

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ میں واوِ حالہ۔ ما دونوں جگہ نافیہ۔ ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع۔ قَتَلُوا اور صَلَبُوا دونوں فعل ماضی۔ لَكِنْ حرف استدراک غیر عامل۔ شُبِّهَ فعل ماضی مجہول۔ لَهُمْ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے حالانکہ انہوں نے ان کو نہ قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر لٹکایا بلکہ ان کی شبیہ ان کے کسی اور پر ڈال دی گئی۔

﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ﴾ میں واوِ عاطفہ۔ إِنَّ مشبہ بفعل۔ الَّذِينَ موصولہ۔ اخْتَلَفُوا فعل ماضی۔ فِيهِ اور مِنْهُ کی ضمیریں وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع۔ لَفِي شَكٍّ جار مجرور تاکید۔ جملہ کا معنی ہے اور بے شک جنہوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً ان کے بارے میں شک کا شکار ہیں۔

﴿مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ میں ما نافیہ۔ لَهُمْ بہ اور مِنْ عِلْمٍ جار مجرور۔ لَهُمْ کی ہُم ضمیر یہودی طرف راجع۔ إِلَّا حرف استثناء۔ اتِّبَاعَ الظَّنِّ مرکب اضافی مستثنیٰ منقطع۔ جملے کا معنی ہے ان کے لیے اس سلسلے میں کوئی علم نہیں، وہ تو محض گمان کی اتباع کر رہے ہیں۔

﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ میں واوِ عاطفہ۔ ما نافیہ۔ قَتَلُوهُ فعل ماضی کی ضمیر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع۔ يَقِينًا مفعول مطلق محذوف کی صفت۔ جملے کا معنی ہے اور انہوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ میں بل حرف اضراب۔ رَفَعَ فعل ماضی۔ ضمیر مفعول۔ لَفَظُ اللَّهِ فاعل۔ إِلَيْهِ جار مجرور کی ضمیر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ میں واوِ عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لَفَظُ اللَّهِ اس کا اسم اور عَزِيزًا حَكِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی غلبے والا حکمت والا ہے۔

﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ میں واوِ عاطفہ۔ إِنَّ نافیہ بمعنی مَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مرکب جاری۔ إِلَّا حرف استثناء۔ لَيُؤْمِنَنَّ فعل مضارع واحد مذکر غائب پر لام تاکید کا اور آخر میں نون ثقیلہ۔ بہ جار مجرور۔ قَبْلَ مَوْتِهِ مرکب اضافی ظرف۔ جملے کا معنی ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی نہ ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ میں يَوْمَ الْقِيَمَةِ مرکب اضافی ظرف مقدم۔ يَكُونُ فعل مضارع ناقص۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور۔ شَهِيدًا خبر۔ جملے کا معنی ہے اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہ ہوں گے۔

اور یہود کے ظلم کرنے اور ان کے اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے سبب ہم نے ان پر پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں۔

اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا اور باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کے سبب اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لیکن ان میں سے جو مضبوط علم والے اور ایمان والے ہیں وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہی ہیں جنہیں عنقریب ہم عظیم اجر عطا کریں گے۔

فَبِظْلَمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّت لَّهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٥﴾

وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦٦﴾

لَكِنِ الرَّسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٦٧﴾

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے یہود کے تمام سرکشی اور نافرمانی والے اعمال کو ظلم سے تعبیر فرما کر واضح کر دیا کہ جو بھی ان کی راہ پر چلے گا اور جو وہ کیا کرتے تھے ویسا کرے گا تو وہ بھی ان جیسا ہی ظالم ہوگا۔ ان آیات مبارکہ میں ان کی برائیوں میں سے تین کا ذکر ہوا ہے۔ پہلی بری بات اکثر لوگوں کو وہ اللہ کی راہ سے روکا کرتے تھے۔ موسیٰ کی زندگی میں انہوں نے بنو اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹا کر پچھڑے کی عبادت پر لگا دیا۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا تھا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ﴾ ﴿٨٣﴾

اور جب ہم نے بنو اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔

لیکن انہوں نے اپنے وہ جلیل القدر نبیوں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی زندگی میں ہی عہد شکنی کی، قوم میں برائی کو رائج کر کے ان کی تباہی کا سبب بنے۔

فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد جب ان کا گزر ایک بت پرست قوم پر ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود بنادیں۔ "موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "تم تو بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یعنی جس معبود حقیقی نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی، اس کو چھوڑ کر تم بت پرست کے بت کو یا اس کے علاوہ کوئی اور معبود چاہتے ہو؟

سورة الاعراف کے الفاظ ہیں:

﴿ قَالَ أَغَيِّرَ اللَّهُ أَبْغِيكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾ (140)

(موسیٰ علیہ السلام نے کہا) کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

بنو اسرائیل کی اکثریت میں غیر اللہ کی محبت موجود تھی۔ اس محبت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے سونے کا بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی اور حق کی طرف جانے اور رہنے والوں کے لیے آزمائش بن گئے۔ جس قوم نے اپنے نبیوں کی نافرمانی میں کوئی کسر نہ رہنے دی، ان کو سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کیسے قبول ہو سکتی تھی؟ چنانچہ انہوں نے دین حق میں داخل ہونے والوں کو روکنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ سورة آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴾ (99)

آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! تم اس کو کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو جو ایمان لے آئے۔ اس میں عیب جوئی کرتے ہو حالانکہ اس کے حق ہونے پر تم گواہ ہو اور جو تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں۔

آگاہ اور گواہ ہونے کے باوجود اسلام کی طرف مائل ہونے والے کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کے لیے وہ مختلف طریقے استعمال کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بدترین طریقہ وہ تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورة آل عمران میں فرمایا ہے:

﴿ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ

﴿ 72 ﴾ وَانْكُفِرُوا اخِرَةً لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿ 72 ﴾

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اپنے لوگوں سے کہا اہل ایمان پر جو کتاب نازل کی گئی ہے صبح کے وقت اس پر ایمان لے آؤ اور شام کے وقت اس سے انکار کر دو۔ شاید کہ وہ بھی اپنے دین سے پھر جائیں۔

یعنی دکھاوے کے طور پر اسلام قبول کر کے شام ہوتے ہی اس کے منکر ہو جاؤ اور اہل اسلام کو بتاؤ کہ ہم نے تمہاری طرح اسلام قبول کیا لیکن ہم نے اس دین کو نعوذ باللہ اچھا نہیں پایا۔ لہذا ہم اس کو چھوڑ رہے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج بھی اس طریقہ کے مطابق عمل کرنے والے لوگ مسلمانوں کی صفوں میں موجود ہیں جو مسلمان ہونے کے دعوے دار تو ہیں لیکن اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے میں کوشاں ہیں اور طاغوتی طاقتوں کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ موجودہ دور میں یہود کا طریقہ اپنانے والے بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہود کی ہر چال اور منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور ان کو مدینہ طیبہ سے جلا وطن ہونا پڑا۔ اگر آج طاغوتی طاقتوں کی حمایت اور مسلمانوں کی اپنی بے راہ روی کی بنا پر یہود کو وقتی کامیابی حاصل ہو رہی ہے تو ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نبیوں کے زمانے میں فضیلت سے نوازا لیکن جب ان کی سرکشی اور نافرمانی اپنی انتہا کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کو ذلیل و رسوا ہونے والے بندر بنا دیا۔

سورة الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ 166 ﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿ 166 ﴾

جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا جب اس میں انہوں نے حد سے تجاوز کیا تو ہم نے ان سے کہا کہ دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل اسلام اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کریں، قرآن و سنت کے مطابق اپنے آپ کو متحد اور مضبوط کریں پھر اللہ پر توکل کرتے ہوئے طاغوتی طاقتوں کے خلاف ڈٹ جائیں۔ اللہ اپنے وعدے کے مطابق اپنے بندوں کی ضرور مدد فرمائے گا۔ سورة الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ 48 ﴾ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿ 48 ﴾

مومنوں کی مدد کرنا ہمارے اوپر حق ہے۔

سورة محمد میں اللہ کی یقین دہانی ہے:

﴿ 7 ﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُغْنِبْ أَقْدَامَكُمْ ﴿ 7 ﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اہل اسلام نے جب بھی اللہ کے دین کی سر بلندی کی خاطر طاعوتی قوتوں سے مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

یہود کی دوسری برائی جو یہاں بیان ہوئی وہ ان کا سودی لین دین تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو منع کیا تھا۔ عہد نامہ قدیم (تورات کی کتاب خروج) کے باب ۲۲ کی ۲۵ نمبر آیت ہے، موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنو اسرائیل کو حکم ملتا ہے: اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہوں کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ ان سے سود لینا۔

کتاب احبار کے باب ۲۵ کی آیت ۳۵ کے الفاظ ہیں: اگر تیرا کوئی بھائی مفلس ہو جائے اور وہ تیرے سامنے تنگ دست ہو تو اسے سنبھالنا۔ وہ پردیسی اور مسافر کی طرح تیرے ساتھ رہے تو اس سے سود یا نفع مت لینا بلکہ اپنے خدا کا خوف رکھنا تا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی بسر کر سکے تو اپنا روپیہ اسے سود پر مت دینا اور اپنا کھانا بھی اسے نفع کے خیال سے نہ دینا۔ میں خداوند تمہارا خدا ہوں جو تم کو اسی لیے ملک مصر سے نکال کر لایا کہ ملک کنعان تم کو دوں اور تمہارا خدا ٹھہروں۔

ان دو حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل میں سودی لین دین کی ممانعت تھی لیکن تورات کی کتاب استثنا کے باب ۲۳ کی آیات ۱۹/۲۰ میں گنجائش یوں پیدا کر لی گئی ”تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پردی جایا کرتی ہے تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تا کہ خداوند تیرا خدا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے۔“

• یہاں پردیسی کو سودی قرض دینے کی گنجائش صریحاً تحریف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ النساء ہی میں فرمایا ہے:

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ (46)

یہودیوں میں سے بعض لوگ کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں یعنی ہیر پھیر کرتے ہیں۔

یہاں بھی یہی کچھ ہوا ہے کیونکہ اگر قرض پردیسی کو دیا جائے تو اس کی واپسی کی ضمانت کون دے گا۔ اصل بات وہی ہے جو آپس میں سودی لین دین کرنا ہے۔ جس سے اللہ نے منع فرمایا لیکن وہ منع نہ ہوئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ کتاب خروج کے باب ۲۳ کی آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ پردیسی پر ظلم نہ کرنا کیونکہ تم پردیسی کے دل کو جانتے ہو اس لیے کہ تم بھی خود ملک مصر میں پردیسی تھے۔

تیسری بات بھی مال کے بارے میں ہے۔ کتاب استثناء کے باب ۱۶ کی آیت ۱۹ کے الفاظ ہیں ”تو نہ تو کسی کی رو رعایت کرنا اور نہ رشوت لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادق کی باتوں کو پلٹ دیتی ہے۔“

یہود کی اکثریت اور ان کے بڑے اجبار نے اپنی کتاب کی تعلیم سے منہ موڑ کر ہر اس باطل طریقے کو اپنایا جو ان کے لیے ممنوع تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے لیے وہ چیزیں بھی حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں۔

سورة الانعام کے الفاظ ہیں:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَمًا عَلَيْهِمْ شَحُومُهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾﴾

اور یہود پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام کر دی مگر جو پیٹھ پر لگی ہوئی ہو یا آنتوں یا ہڈی سے مل گئی ہو۔ یہ سزا ہم نے ان کو ان کی سرکشی کے سبب دی اور ہم سچے ہیں۔

لیکن وہ اپنی شرارتوں اور سرکشی سے باز نہ آئے اور جو چربی ان پر حرام تھی اس کو بھی اپنے استعمال میں لاتے رہے۔ صحیح بخاری میں ۶۶۷ کتاب التفسیر میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

« قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ لَمَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ شَحُومَهَا جَمَلُوهَا ثُمَّ بَاعُوهَا فَكَلَّوْهَا »
اللہ یہود کو تباہ کرے۔ جب اللہ نے ان پر جانوروں کی چربی حرام کی تو اس کو وہ بچھلا لیتے۔ پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھا لیتے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو دردناک عذاب کی وعید سنائی لیکن ساتھ ہی ان کے وہ اہل علم جنہوں نے حق کو قبول کیا جس کا ان کو علم تھا۔ اس کے مطابق عمل کیا اور ان مومنوں کو جو آسمانی کتابوں کے حق ہونے پر ایمان لے آئے اور نماز قائم کرنے والوں کو اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو بشارت دے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو عظیم اجر سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دردناک عذاب سے محفوظ

رکھے اور اجر عظیم پانے والوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔

حل لغات:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّت لَّهُمْ﴾ میں ظلم مصدر حرف جرباء کی وجہ سے مجرور اور اس پر فاء عاطفہ۔ الَّذِينَ موصولہ۔ هَادُوا فعل ماضی اس کا صلہ۔ حَرَّمْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ عَلَيْهِمْ کی ضمیر ہُمْ، هَادُوا کی طرف راجع۔ طَيِّبَاتٍ مفعول أُحِلَّت فعل ماضی مجہول۔ لَّهُمْ سے مراد یہودی ہیں۔ جملے کا معنی ہے اور ان لوگوں کے ظلم کے سبب جو یہودی ہوئے۔ ہم نے پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں۔

﴿وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا﴾ میں واو عاطفہ۔ بِصَدِّهِمْ اور عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ دونوں مرکب جارئی۔ كَثِيرًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے اور اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے سبب۔

﴿وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ﴾ میں أَخْذِهِمُ مرکب اضافی۔ الرِّبَا مفعول۔ واو حالیہ۔ قَدْ تحقیق کا۔ نُهُوا فعل ماضی مجہول۔ عَنْهُ جار مجرور کی ضمیر الرِّبَا کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے اور ان کے سود لینے کے سبب حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا۔

﴿وَأَكْلِهِمُ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ میں واو عاطفہ۔ أَكْلِهِمُ اور أَمْوَالَ النَّاسِ دونوں مرکب اضافی۔ بِالْبَاطِلِ جار مجرور۔ جملہ کا معنی ہے اور باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کے سبب۔

﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ میں أَعْتَدْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ لِلْكَافِرِينَ اور مِنْهُمْ جار مجرور۔ عَذَابًا أَلِيمًا مرکب توصیفی مفعول۔ جملے کا معنی ہے اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

﴿لَكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ﴾ لَكِن حرف استدراک الرَّاسِخُونَ الرَّاسِخُ کی جمع اسم فاعل۔ فِي الْعِلْمِ اور مِنْهُمْ دونوں جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: لیکن ان میں سے مضبوط علم والے۔

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ میں الْمُؤْمِنُونَ اسم فاعل۔ يُؤْمِنُونَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ مَا دونوں جگہ موصولہ۔ أُنْزِلَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ إِلَيْكَ جار مجرور۔ مِنْ قَبْلِكَ مرکب جارئی۔ جملے کا معنی ہے: اور ایمان والے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔

﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ میں

الْمُؤْتُونَ اور الْمُؤْمِنُونَ دونوں اسم فاعل رفی حالت میں ہیں جب کہ الْمُقِيمِينَ سیبویہ کے نزدیک مدح کے طور پر بھی حالت میں ہے لیکن کسائی نے مِنْ قَبْلِكَ پر عطف ڈالتے ہوئے اس کو جری حالت میں قرار دیا۔ مفسرین میں سے بعض نے کہا اس سے مراد انبیاء ﷺ کی جماعت ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد فرشتے ہیں، کیوں کہ سورة الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴾ (۱۹) يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (۲۰)

اسی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ بھی جو اس کے پاس ہیں۔ وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ عبادت کرتے ہوئے تھکتے ہی ہیں۔ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں، اس میں ذرا سی سستی، کاہلی کمی نہیں ہونے دیتے۔ لیکن رائج قول سیبویہ کا ہی ہے۔ جملے کا معنی ہے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے۔

﴿ أُولَٰئِكَ سَنُوْتِيْهِمْ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ میں أُولَٰئِكَ اسم اشارہ يُوْتِيْ فعل مضارع جمع متکلم۔ هُمْ ضمیر مفعول اول اور أَجْرًا عَظِيْمًا مرکب توصیفی مفعول ثانی۔ نُوْتِيْ پر سین تو کیدی۔ جملہ خبریہ کا معنی ہے وہی ہیں جنہیں عنقریب ہم عظیم اجر عطا کریں گے۔

۴۹

بیشک ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جس طرح نوح اور ان کے بعد نبیوں کی طرف کی اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب ان کی اولاد، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (ﷺ)

اور ہم نے کئی ایک رسولوں کے واقعات آپ پر پہلے بیان کیے ہیں اور کئی رسولوں کے آپ پر بیان نہیں

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ
وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ
وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُدَ
زَبُورًا ﴿١٦٣﴾

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ
وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ

اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ
لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۚ
أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ
وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾

کیے اور اللہ نے موسیٰ سے صاف طور پر کلام کیا۔

ان رسولوں کو ہم نے بشارت دینے والے اور عذابوں
سے ڈرانے والے بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کے لیے اللہ
پر رسولوں کے بعد کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ
بڑا ہی غلبے والا حکمت والا ہے۔

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو اس نے آپ کی
طرف نازل کیا۔ اس نے اس کو اپنے علم سے نازل کیا
اور اس پر فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور از روئے گواہ
اللہ ہی کافی ہے۔

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے
روکا، یقیناً وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

تشریح:

تفسیر القرطبی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہود میں سے سکنین اور عدی دونوں محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے ہم نہیں مانتے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ نے کسی پر کچھ نازل کیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی یہ آیات نازل فرمائیں۔ جب کہ تفسیر ابن جریر میں محمد بن کعب القرطبی سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ سے لے کر ﴿عَلَىٰ مَرِيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ تک آیات نازل فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے یہود کے سامنے ان کی تلاوت کی اور ان کو ان کے اعمال خبیثہ سے مطلع کیا تو انہوں نے نازل ہونے والے سارے کلام کا ہی انکار کر دیا اور کہا:

﴿مَا أُنْزِلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ وَلَا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَلَا عَلَىٰ عِيسَىٰ وَمَا أُنْزِلَ اللَّهُ عَلَىٰ نَبِيٍّ مِّنْ شَيْءٍ﴾

اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا، نہ موسیٰ اور عیسیٰ پر اور نہ کسی اور نبی پر کچھ نازل فرمایا۔
آپ اپنی کمر اور ٹانگوں کے ارد گرد پکڑا باندھے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے اس کو کھولا اور فرمایا:

کسی پر بھی اللہ نے کچھ نازل نہیں فرمایا؟

تو اللہ تعالیٰ نے سورة الانعام کی یہ آیت نازل کر دی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ﴾ الخ

اور انھوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا۔ جب انھوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس حوالہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس میں نظر ہے یعنی تامل طلب ہے۔

کیوں کہ یہ آیت سورة الانعام کی ہے جو مکہ ہے، جبکہ سورة النساء مدینہ ہے۔ حالانکہ اسی آیت کے اگلے حصہ کو دیکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ اس کا تعلق یہود ہی سے تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا وَعَلَّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ قُلِ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩١﴾﴾

آپ کہہ دیں اس کتاب کو کس نے نازل کیا تھا جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے جو نور اور لوگوں کے لیے باعث ہدایت تھی، جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ دیا ہے جس کی تھوڑی باتوں کو تم ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا لیتے ہو اور تمہیں اس کی تعلیم دی گئی جو تم اور تمہارے بڑے جانتے نہیں تھے۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ نے نازل فرمائی، پھر آپ ان کو مشغلہ بے ہودگی میں لگا رہنے کے لیے چھوڑ دیں۔

ظاہر ہے کہ یہ حصہ کفار مکہ کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا۔ امام القرطبی نے اسی آیت کی تفسیر میں حسن بصری رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جس نے کہا تھا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہیں کی، وہ یہود میں سے ایک تھا۔ اَلْسَدِی کا کہنا ہے کہ وہ فحاص تھا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا یہ بھی قول ہے کہ وہ مالک بن الصیف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر جھگڑا کر رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا میں تجھے اس کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ کیا تم تورات میں یہ نہیں پاتے کہ اللہ موٹے حبر (یہودی عالم) کو پسند نہیں کرتا۔ وہ چونکہ موٹا تھا اس لیے غصے میں آ گیا اور اس نے کہا۔ اللہ کی قسم! اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا تیری خرابی ہو۔ کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی نہیں۔ اس نے پھر قسم کھا کر کہا ان پر بھی نہیں۔ جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی سورة النساء کی آیت ﴿فَبُظْلِمَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ﴾ کی

تفسیر میں سورة الانعام کی آیت ۱۴۶ ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا﴾ کا حوالہ دیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی بعض سورتوں میں مدنی اور بعض مدنی سورتوں میں مدنی آیات موجود ہیں یا جن کی شان نزول کا تعلق مکہ اور مدینہ دونوں سے تھا یا اس کا سبب خاص تھا اور حکم عام تھا یا نزولت هذه الایۃ کا جملہ استدلال والاستشہاد کے لیے استعمال ہوا۔ امام جلال الدین عبدالرحمن السيوطی نے اپنی کتاب الانتقان فی علوم القرآن کے نویں باب معرفة سبب النزول میں بڑی تفصیل سے قرآن حکیم کے اس پہلو پر مختلف حوالوں سے بحث کی ہے۔ علامہ السيوطی رحمہ اللہ نے امام بیہقی اور امام البزازی رحمہما کے حوالے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر جب حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کی لاش کا مشلہ کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ان کے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کا مشلہ کروں گا۔ آپ کے اس قول پر جبرائیل سورة النحل کی آخری آیات لے کر پہنچ گئے۔ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ.....﴾ الخ ”اگر تم بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی ہے۔ جب کہ ترمذی اور مستدرک حاکم میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ احد کے دن انصار کے چونسٹھ ۶۴ اور مہاجرین کے چھ ساتھی شہید ہوئے جن میں حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ انصار نے کہا جس طرح انھوں نے غالب آ کر ہمارے ساتھ کیا ہے۔ اسی طرح ہم بھی غالب آ کر ان کے ساتھ یہی معاملہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح ہوتے ہی یہی آیات نازل فرمادیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نزول فتح مکہ تک موخر رہا۔ حالاں کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نزول جنگ احد کے موقع پر ہوا لیکن دوسری ظاہر کرتی ہے کہ ان کے نزول کا تعلق فتح مکہ سے ہے۔ جب کہ یہ سورة ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن حصار نے اس میں تطبیق یوں دی ہے کہ یہ آیات ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں نازل ہوئیں اور دوسری مرتبہ جنگ احد کے موقع پر ان کو نازل کیا گیا اور تیسری بار تذکیراً فتح مکہ کے دن ان کا نزول ہوا۔

درمنثور (۱۳۵/۴) میں عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ آخری تین آیات کے علاوہ پوری سورت النحل مکہ میں نازل ہوئی اور تین کا نزول مدینہ میں ہوا۔

اسی طرح سورتوں میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ملتا ہے۔ جیسے سورة المومل میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ حالاں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا سلسلہ مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے قائم ہونے کے دوسرے سال میں شروع ہوا۔ مکہ میں یہ بشارت تھی کہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا۔ نماز اور زکوٰۃ کا بہترین نظام قائم ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے علوم القرآن سے آگاہی بھی انتہائی ضروری ہے۔ اپنے جن جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے ان میں سے عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہونے کے اعتبار سے سب سے آخر میں تھے لیکن ان کا ذکر درمیان میں ہوا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ ان کی بعثت کا زمانہ ایوب اور یونس علیہما السلام کے زمانے سے پہلے تھا۔ لہذا کسی کے پہلے یا بعد میں مذکور ہونے سے ان کے زمانوں میں فرق نہیں آئے گا اور قرآن فہمی کے لیے علوم القرآن کے شعبہ تاریخ کا بھی مطالعہ ضروری ہے۔

سورة النساء کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ نبیوں کی تعداد اور ان کے ناموں اور جن قوموں کی طرف اور جن جگہوں میں وہ مبعوث ہوئے اس کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بہت سے نبی ایسے بھی ہوئے ہیں کہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا۔ لہذا انبیاء کی تعداد میں جو روایات منقول ہیں، ان میں سے کوئی بھی متفق علیہ نہیں۔ اگرچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار والی روایت عام مشہور ہے۔ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مفسرین نے اس کو نقل کیا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ فرمائے کہ ان کا ذکر اس نے اپنے نبی علیہ السلام سے نہیں کیا تو معاملہ اللہ کے سپرد ہی کر دینا چاہیے۔

انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ملنے والی زبور اور موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونے کی خبر خاص طور پر دی ہے۔ داؤد علیہ السلام کو نہ صرف آسمانی کتاب سے نوازا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے تابع کر دیا اور ان کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی مانند نرم ہو جاتا تھا۔ اللہ کے حکم سے وہ جنگ میں بچاؤ کا سبب بننے والی زرہیں بنایا کرتے تھے اور جب وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے تو پہاڑ اور پرندے ان کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ سورة الانبیاء اور سورة سبا میں اللہ نے ان کے بارے میں خود ہی یہ بیان فرمایا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام سے کھلے طور پر کلام کرنے کا ذکر کرنے سے ان لوگوں کا رد کر دیا گیا جن کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر کچھ نازل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ نہ صرف اپنے نبیوں پر کتابیں نازل کرتا رہا ہے بلکہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے خود کھلے طور پر بات بھی کی ہے۔ سورة الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقرر کردہ وقت اور جگہ پر آئے تو ان کے رب نے ان سے کلام کیا۔ تمام رسولوں کے بارے میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ وہ تمام اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرنے

والوں کو بشارت دینے والے اور نافرمانی کرنے والوں کو اللہ کے عذابوں سے ڈرانے والے تھے۔ ان کی بعثت کا مقصد لوگوں پر حجت قائم کرنا تھا تاکہ بعد میں وہ یہ نہ کہہ دیں کہ اے اللہ! ہمارے پاس تیرا کوئی پیغامبر آیا ہی نہ تھا۔

انسانوں میں سے اگر کوئی ماننے پر تیار نہیں ہوتا تو اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا اس پر اپنی اور اپنے فرشتوں کی گواہی قائم کر دی۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی گواہی کے بعد کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے باوجود جو دوسرے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں اللہ نے ان کے بارے میں اعلان کر دیا کہ وہ ایسی گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں کہ راہ کو پانا ان کے لیے مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی بلکہ ہر قسم کی گمراہی سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

حل لغات:

○ ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ میں اِنَّا کی ضمیر (نا) جمع متکلم تاکید۔ اَوْحَيْنَا فعل ماضی۔ کَمَا میں کاف تشبیہ کا۔ النَّبِيِّينَ النَّبِیِّ کی جمع۔ مِنْ بَعْدِهِ مرکب جاری۔ جملے کا معنی ہے: ہم نے بے شک آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف کی۔

○ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ﴾ میں الْأَسْبَاطِ السَّبَطِ کی جمع ہے جو عموماً اولاد کی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مراد قبائل ہیں اگر یَعْقُوبُ پر ہی اس کا عطف رکھیں تو پھر ان کی اولاد میں سے جن کو نبوت سے نوازا گیا، ان کو مراد لیا جائے گا۔ یہاں مذکور تمام نبیوں کے نام غیر منصرف ہیں یعنی ان پر تنوین اور زیر نہیں آتی۔ رفعی حالت میں پیش اور نصی و جری حالت میں صرف زیر آتی ہے، جب کہ عیسیٰ کا اعراب تینوں حالتوں میں الف مقصورہ کی وجہ سے ایک ہی حالت میں (یعنی تقدیری/ پوشیدہ) رہتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، عیسیٰ، ایوب، ہارون، سلیمان علیہم السلام اور ان کے قبائل کی اولاد کی طرف وحی کی۔

○ ﴿وَاتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ میں اَتَيْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ دَاوُد مفعول اوّل اور زَبُورًا مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے: اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔

○ ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ میں رُسُلًا (رُسُولًا کی جمع) مفعول۔ قَدْ تحقیق کا۔ قَصَصْنَاهُمْ فعل ماضی۔ مِنْ قَبْلُ اَمّی مِنْ قَبْلُ هَذَا الزَّمَانِ۔ لَمْ

لفی حجر۔ نَقْصُصُ کے آخر میں اسی کی وجہ سے جزم آئی ہے۔ ہُمْ ضمیر رُسُلًا کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے پہلے ہی بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے بیان نہیں کیے۔

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ میں كَلَّمَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ لفظ مُوسَى بھی عیسیٰ ہی کی طرح ہے۔ اس کا اعراب بھی رفعی، نصبی اور جری حالت میں تقدیری ہوتا ہے۔ یہاں نصبی حالت میں یعنی مفعول ہے۔ تَكْلِيمًا مصدر كَلَّمَ کی تاکید ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے صاف طور پر کلام کیا۔

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ میں رُسُلًا پہلے رُسُلًا کا بدل۔ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ اس کی صفت۔ لَئِنْ لَا کا پہلا لام کنی کا اور دوسرا یعنی لَا نافیہ۔ اَنْ ناصبہ۔ يَكُونُ فعل مضارع اسی وجہ سے منصوب۔ حُجَّةٌ يَكُونُ کا اسم۔ جملے کا معنی ہے: ان رسولوں کو ہم نے بشارت دینے والے اور عذابوں سے ڈرانے والے بنا کر بھیجا تا کہ لوگوں کے لیے اللہ پر رسولوں کے بعد کوئی حجت نہ رہ جائے۔

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور عَزِيزًا حَكِيمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی غلبے والا اور حکمت والا ہے۔

﴿لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ میں لَكِنْ حرف استدراک۔ يَشْهَدُ فعل مضارع۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ بِمَا جار مجرور متعلق يَشْهَدُ اَنْزَلَ فعل ماضی کی ضمیر بِمَا کی طرف راجع بِعِلْمِهِ مرکب جاری کی ضمیر اللہ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو نازل کیا اس کو اس نے اپنے علم سے نازل کیا۔

﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ﴾ میں واو عاطفہ۔ يَشْهَدُونَ فعل مضارع۔ الْمَلَائِكَةُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے اور فرشتے بھی اس پر گواہی دیتے ہیں۔

﴿وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَفَى فعل ماضی۔ بِاللَّهِ کی باء امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک زائدہ ہے۔ شَهِيدًا تمیز۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ از روئے گواہ کافی ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بُعِيدًا﴾ میں إِنَّ مشبہ بالفعل۔ الَّذِينَ موصولہ۔ كَفَرُوا وَصَدُّوا فعل ماضی صلہ۔ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مرکب جاری۔ قَدْ حرف تحقیق۔ ضَلُّوا

فعل ماضی۔ ضللاً لَا بَعِيداً مرکب توصیفی مفعول مطلق۔ جملے کا معنی ہے: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، وہ یقیناً دور کی گمراہی میں جا پڑے۔



بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ ان کو نہ بخشے گا اور نہ ان کو (نجات کی) راہ دکھائے گا۔

مگر جہنم کی راہ (دکھائے گا) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ (کام) اللہ پر آسان ہے۔

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس رسول حق لے کر آئے گئے ہیں پس تم ایمان لے آؤ، تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حق کے علاوہ اللہ کے بارے میں کچھ نہ کہو۔ بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا ہونے والے) ہیں، جس کو اس نے مریم میں ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔ پس اللہ اور رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آ جاؤ، تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ صرف اللہ ہی واحد معبود ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی ہے وکیل ہونے کے لحاظ سے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾
يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۖ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ ۖ أُلْقِيَ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً ۖ انتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ ۖ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾

تشریح:

اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ یہ قانون رہا ہے کہ جو لوگ اس کی اور اس کے نبیوں رسولوں کی اطاعت کرتے رہے وہ ان کو اپنی نعمتوں سے نوازتا رہا اور جن کی موت کفر و ظلم پر ہوئی، ان کو جہنم کا ایندھن بنا دیا گیا، اگرچہ دنیا میں ان کی زندگی عیش و عشرت میں گزری، برے انجام سے ڈرانے والوں نے ان کو اللہ کے عذابوں سے ڈرایا۔ ان کو سمجھانے کا حق ادا کیا لیکن دنیا میں آزمائش اور ڈھیل کے طور پر ملنے والی کامیابیوں اور کامرانیوں نے ان کو حق قبول نہ کرنے دیا اور دنیا کی چمک دمک میں کھو کر انھوں نے اپنی آخرت کو برباد کر لیا۔

ایسے ہی کافروں اور ظالموں کے بارے میں اللہ نے اعلان کر دیا کہ وہ ان کو نہ بخشے گا اور نہ راہ حق کو اپنانے کی توفیق ان کو عطا کرے گا بلکہ ان کی اختیار کردہ جہنم کی راہ پر ہی ان کو گامزن رکھے گا تاکہ ہمیشہ کے لیے وہ جہنم میں داخل ہو جائیں، سورۃ محمد میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِطُّ أَعْمَالُهُمْ﴾ (32)

بے شک جنھوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور اپنے آپ پر ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کی، وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور عنقریب اللہ ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔

دنیا میں عموماً اللہ تعالیٰ جس کو حکمرانی سے نوازتا ہے، اس کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کی رعایا میں سے کوئی اس کی نافرمانی نہ کرے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل ہو، اگرچہ رعایا کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی ذاتی خواہشات کی تکمیل ہی مقصود ہو، انسان ہونے کے ناطے ہر حکمران کو معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کی حکمرانی ختم ہوگی۔ جس طرح اپنے پیش رو کی جگہ وہ آیا۔ اس کی جگہ بھی کسی دوسرے نے آنا ہے لیکن اس کے باوجود کوئی اس کی نافرمانی کرے تو وہ برداشت نہیں کرتا اور پوری قوت سے نافرمان کو اس کی نافرمانی کی سزا دیتا ہے، جب ایک انسان اپنی وقتی حکومت میں یہ رویہ اختیار کیے رہتا ہے تو جس کی حکومت دائمی ہے، جو خالق و مالک، رب العالمین اور احکم الحاکمین ہے وہ اپنی مخلوق کی سرکشی اور نافرمانی پر غضب ناک کیوں نہیں ہوگا؟ یہ فرق ضرور ہے کہ انسان اپنے جیسے انسان کی خطا کو معاف کرنے میں عموماً بخیلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جب کہ غفور و رحیم اور تواب و کریم اسی انتظار میں رہتا ہے کہ اس کا سرکش نافرمان بندہ کب تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں جھکتا ہے تاکہ وہ اپنی بخشش و رحمت سے نواز کر نہ صرف اس کی خطاؤں کو معاف کر دے بلکہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں

تبدیل کر دے۔

قرآن حکیم میں جن لوگوں کے بارے میں یہ اعلان ہوا کہ اللہ ان کو نہ بخشے گا، نہ ہدایت کی راہ دکھائے گا اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حق کو پہچانتے ہوئے ٹھکرایا اور اس کا مذاق اڑایا۔ وہ بھی تھے جو اپنے دین میں انتہائی غلو کے مرتکب ہوتے تھے۔ غلو کا معنی کسی چیز کی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ نہ کہا کہ وہ خدایا اس کے بیٹے ہیں یا ان کے پاس ایسی قوت و طاقت ہے کہ جو چاہیں کرتے رہیں۔ اگر ان کا کوئی ایسا معاملہ ہوتا تو یہود کو وہ مطیع و مغلوب کر لیتے۔ ان کے بارے میں عیسائیوں نے جو عقائد اپنائے ہیں وہ سراسر ان کی تعلیم کے خلاف ہیں، انہوں نے اپنے وقت کے لوگوں سے جو کہا، اللہ تعالیٰ نے اس کو سورۃ آل عمران کا حصہ بنا دیا:

﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿51﴾﴾

بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔
سورۃ المائدہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَآئِيلَ
اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ ﴿72﴾﴾

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ خود ہی مسیح بن مریم ہے حالانکہ مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میرے اور اپنے رب ”اللہ“ کی عبادت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کر دیا کہ اللہ خود ان کی صورت میں نازل ہوا، یہاں ظلم کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ایک طرف عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ بنا دیا اور دوسری طرف یہودیوں اور رومیوں کے ذریعے ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ نعوذ باللہ من ذلک اس سے بڑھ کر کفر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔
سورۃ المائدہ کی اگلی آیت کے الفاظ ہیں:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ ۖ ثَلَاثَةٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا
عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِي كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿73﴾﴾

یقیناً ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک اکیلے معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ان میں سے کافروں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا۔

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے توبہ و استغفار کی رغبت دلاتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۚ كَانَا يَا كُلًّا لَدِنَ الطَّعَامِ ۚ أَنْظِرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنِّي يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ ﴾

وہ اللہ عز و جل سے توبہ و استغفار کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ مسیح بن مریم تو محض رسول تھے۔ بلاشبہ ان سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں اور اس کی ماں بڑی بچے سچے ایمان والی تھی۔ وہ دونوں ہی (دنیا والا) کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیں کہ ہم ان کے لیے کس طرح کھول کر وضاحت کر رہے ہیں پھر آپ یہ بھی دیکھیں وہ کیسے بہکے پھرے جا رہے ہیں۔ آپ کہہ دیں کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہمیشہ سننے اور جاننے والا ہے۔

سورة النساء میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ کلمہ ”مُنْ“ سے معجزانہ طور پر ان کی تخلیق کا آغاز ہوا پھر ان کی والدہ ماجدہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح ڈال دی گئی۔ جس طرح ہر ماں کے بطن میں اس کے بچے کی روح ڈالی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ کے ”باب الایمان بالقدر“ میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت مروی ہے، رسول اللہ ﷺ صادق و مصدق نے فرمایا:

تمہارے کسی ایک کی تخلیق کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو وہ چالیس دن نطفہ پھراتے ہی دن جمے ہوئے خون پھراتے ہی دن گوشت کے لوتھڑے کی صورت اختیار کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو چار باتیں اس کے لیے لکھ دیتا ہے۔ اس کا عمل کیسا ہوگا، اس کی عمر کتنی ہوگی، اس کو رزق کتنا ملے گا اور وہ شقی یا سعید ہوگا۔

﴿ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ ﴾

پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

اگر یَنْفُخُ کو مضارع معروف پڑھا جائے تو پھر ترجمہ ہوگا وہ فرشتہ اس میں روح پھونکتا ہے۔
سورة التحریم میں مریم علیہا السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا﴾ (12)

وہ جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی۔ پھر اس میں ہم نے اپنی روح پھونک دی۔

عیسائیوں نے ”رُوحٌ مِّنْهُ“ سے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ وہ اللہ کا حصہ ہے حالاں کہ ”مِنْهُ“ سے مراد اللہ کی طرف سے پھونکی ہوئی روح ہے۔ سورة الحجاثیہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ (13)

اور اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔ یہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔

یہاں ”مِنْهُ“ کا معنی اس کی طرف کیا جائے تو ٹھیک ہے ورنہ سب کچھ اللہ کا حصہ بن جائے گا۔ لہذا ”رُوحٌ مِّنْهُ“ سے مراد ”رَسُولٌ مِّنْهُ“ ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تین خداؤں والے تصور سے عیسائیوں کو منع کر دیا، کیوں کہ یہ ان کے دین میں غلو ہے، اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور جو ان کے درمیان میں ہے، وہ سب اسی کی ملکیت ہے تو اس کو اولاد کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد بلکہ وہ اکیلا ہر شے سے بے نیاز، قادر مطلق اور وحدہ لا شریک ہے۔

قیامت کے روز عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ الہ میں عرض کریں گے۔ سورة المائدہ ہی کے الفاظ ہیں:

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَّا اَمَرْتَنِيْ بِهٖ اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ﴾ (117)

میں نے ان سے وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ تم اپنے اور میرے رب اللہ کی عبادت کرو۔

اس کے باوجود اگر کوئی کسی اور کو اللہ کا شریک بنائے تو وہ کفر و ظلم ہی ہوگا اور اس کا انجام نہ صرف اللہ کی بخشش سے محروم ہونا ہے بلکہ راہ حق و نجات سے دور ہو کر جہنم میں ہمیشہ کے لیے داخل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

حل لغات

○ ﴿اِنَّ الدِّیْنَ کُفْرًا وَظُلْمًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لَیْهْدِیْهُمْ طَرِیْقًا﴾ میں اِنَّ حرف

مثبہ بفعل۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ کَفَرُوا وَظَلَمُوا (فعل ماضی معروف سے جمع مذکر غائب) صلہ۔ لَمْ نفی جرد۔ یُکْنِ فعل ناقص (مضارع)۔ لَفْظُ اَللّٰهِ اس کا اسم۔ لَیَغْفِرْ اور لَیْهْدِیْ دونوں فعل مضارع پر لام تعلیل کا۔ هُمْ ضمیریں کَفَرُوا وَظَلَمُوا کی طرف راجع۔ طَرِیْقًا مفعول۔ لَیَغْفِرْ لَهُمْ سے آخر تک فعل ناقص (یکون) کی خبر۔ پھر یہ جملہ اِنَّ کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نہ ان کو بخشے گا اور نہ ان کو (نجات کی) راہ دکھائے گا۔

﴿اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خَلِیْدٍۭنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا﴾ میں اِلَّا حرف استثناء۔ طَرِیْقَ جَهَنَّمَ (مرکب اضافی) مستثنیٰ۔ جَهَنَّمَ مضاف الیہ ہونے کے باوجود ظاہری طور پر مجرور نہیں کیوں کہ یہ غیر منصرف ہے۔ خَلِیْدٍۭنَ حال۔ فِیْهَا کی ہا جہنم کی طرف راجع۔ اَبَدًا ظرف۔ جملے کا معنی ہے: سوائے جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرًا﴾ میں كَانَ فعل ناقص۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ (كَانَ کا اسم)، عَلٰی اللّٰهِ جار مجرور یَسِیْرًا کے متعلق ہو کر كَانَ کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ کُمْ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ﴾ میں یٰۤاَیُّهَا حرف ندا۔ اَلنَّاسُ منادئ۔ قَدْ حرف تحقیق۔ جَاءَ فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی (مفعول)۔ اَلرَّسُوْلُ فاعل۔ بِالْحَقِّ کی باء تعدیہ کی۔ مِنْ رَبِّکُمْ مرکب جاری۔ فَاٰمِنُوْا فعل امر پر فاء ایجابی۔ خَیْرًا لَّکُمْ محذوف فعل اِفْعَلُوْا او اِئْتُوْا کی وجہ سے منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس رسول حق لے کر آئے گئے ہیں، پس تم ایمان لاؤ، تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

﴿وَإِنْ تَکْفُرُوْا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ تَکْفُرُوْا فعل مضارع کی نون اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ اِنَّ حرف مثبہ بفعل پر فاء جواب شرط۔ لِلّٰهِ اور فِی السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ جار مجرور۔ مَا موصولہ۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم انکار کرو تو بے شک جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کے لیے ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلَیْمًا حَکِیْمًا﴾ میں واو عاطفہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لَفْظُ اَللّٰهِ اس کا اسم۔ عَلَیْمًا حَکِیْمًا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

﴿یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ میں یٰۤاَهْلَ حرف ندا۔ اَهْلَ

الْكَيْبِ (مركب اضافی منادی۔ لَا تَعْلُوا اور لَا تَقُولُوا فعل امر نہی۔ اور فِی دِیْنِكُمْ مركب جاری۔ عَلَى اللّٰهِ جار مجرور۔ الْآخِرُ استثناء۔ الْحَقُّ مستثنیٰ۔ جملے کا معنی ہے: اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر حق کے علاوہ کچھ نہ کہو) (یعنی صرف حق بیان کرو)۔

○ ﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ﴾ میں إِنَّمَا کلمہ حصر۔ الْمَسِيحُ مبتدا۔ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، الْمَسِيحُ کا بدل یا عطف بیان۔ رَسُولَ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ مبتدا کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: حقیقت صرف یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا ہونے والے) ہیں۔

○ ﴿الْقَهَّاءِ إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَامِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ میں الْقَهَّاءِ فعل ماضی۔ هَا فعل ضمیر كَلِمَتُهُ کی طرف راجع۔ إِلَى مَرْيَمَ جار مجرور۔ مَرْيَمَ چوں کہ غیر منصوب ہے، اس لیے مجرور ہونے کے باوجود اس کے آخر میں زیر کی بجائے زبر آئی ہے۔ وَادَّ عاطفہ۔ رُوحٌ مِنْهُ معطوف۔ فَامِنُوا فعل امر پر فاء ترغیب و تلقین کی ہے۔ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اس کلمہ کو مریم علیہا السلام میں ڈالا اور وہ اس کی طرف سے روح ہیں۔ پس اللہ اور رسولوں پر ایمان لاؤ۔

○ ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً ۚ إِنَّهُمْ خَيْرٌ﴾ میں لَا تَقُولُوا فعل نہی۔ ثَلَاثَةً سے مراد اللہ و مسیح و مریم۔ إِنَّهُمْ خَيْرٌ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اور تین مت کہو، باز آ جاؤ، تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

○ ﴿إِنَّمَا اللَّهُ وَاحِدٌ﴾ میں إِنَّمَا کلمہ حصر۔ اللَّهُ مبتدا۔ إِلَهٌ وَاحِدٌ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔

○ ﴿سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ﴾ میں سُبْحَانَ مصدر۔ ه ضمیر اللہ کی طرف راجع۔ أَنْ ناصبہ۔ يَكُونَ فعل مضارع۔ لَهُ جار مجرور خبر مقدم۔ وَلَدٌ ان کا اسم موخر۔ جملے کا معنی ہے: پاک ہے وہ اس سے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو۔

○ ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ میں لَهُ جار مجرور۔ مَا دونوں جگہ موصولہ۔ كَفَى فعل ماضی۔ بِاللَّهِ جار مجرور۔ وَكِيلًا تمیز۔ جملے کا معنی ہے: اسی کے لیے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی وکیل کافی ہے۔

۵۱

مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے کا ہرگز انکار نہیں ہوگا اور نہ مقرب فرشتے ہی اس کے منکر ہوں گے اور جو اس کی عبادت کرنے سے انکار و تکبر کریں گے تو اللہ ان کو اپنی طرف جمع کرے گا۔

پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، اللہ ان کو ان کا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے مزید دے گا اور جنہوں نے انکار و تکبر کیا، ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کر دیا ہے۔

پس جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور مضبوطی سے اس کو تھام لیا تو وہ عنقریب ان کو اپنی طرف سے رحمت و فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف (جانے والی) سیدھی راہ (پر گامزن ہونے) کی ہدایت دے گا۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسْكُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿١٧٢﴾

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنَكَفُوا ۖ وَاسْتَكْبَرُوا فَيَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿١٧٤﴾

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿١٧٥﴾

تشریح:

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو عقیدہ اپنایا، اللہ تعالیٰ نے اس کا مزید رد یوں فرمایا کہ جس کو تم خدا یا خدا کا بیٹا یا تینوں میں سے ایک کہتے ہو، اس نے خود اللہ کا بندہ ہونے میں کسی تنگ و عاری یا تکبر و انکار کا

مظاہرہ نہیں کیا تو تم اس کے بارے میں غلو کیوں کر رہے ہو؟

سورة الزخرف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝٥٩﴾

وہ تو ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اس کو بنو اسرائیل کے لیے ایک مثال بنایا۔

لیکن عیسائیوں نے اس مثال کو غلط رنگ دے دیا۔ بنو اسرائیل کی اصلاح کرنے کی بجائے ان کی پیروی کی۔ انہوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا تو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں ویسا ہی عقیدہ بنالیا۔

سورة التوبة میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ

بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۖ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَتَى يُؤْفَكُونَ ۝٣٠﴾

یہود نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی بات ہے۔ وہ ان لوگوں جیسی بات کہہ رہے ہیں جنہوں نے پہلے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو قتل کرے وہ کہاں بھکے جا رہے ہیں۔

اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسائیوں نے یہود کی نقالی کی یا ان کے مقابلے میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسا ہی غلو کیا کہ جیسا یہود نے عزیر علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے سولہ مرتبہ ان کے نام کے ساتھ ”ابن مریم“ لگا کر واضح کر دیا کہ وہ مریم علیہ السلام کے بیٹے تھے جو معجزانہ طور پر باپ کے بغیر، کلمہ کُن سے پیدا ہوئے اور انہوں نے پیدا ہوتے ہی جو سب سے پہلی بات کہی اللہ تعالیٰ نے اس کو سورة مریم کا حصہ بنا دیا:

﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۝٣٠﴾

انہوں نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔

• ساتھ ہی یہ وضاحت بھی موجود ہے۔

﴿مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۚ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ

فَيَكُونُ ۝٣٥﴾

اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ اس سے پاک ہے۔ جب وہ کسی معاملے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے کہتا ہے: ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتا ہے۔

اگر عیسائیوں کے عقیدہ باطلہ کی تصدیق کر دی جائے تو پھر آدم اور ان کی زوجہ کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ جب کہ آدم علیہ السلام کا نہ کوئی باپ تھا اور نہ کوئی ماں۔ پھر ان میں سے ان کی زوجہ کو نکالا۔ یہ تو ایک مرد اور ایک عورت کی تخلیق تھی، عہد نامہ قدیم کے آغاز ہی میں کل کائنات کی تخلیق کا ذکر Genesis (پیدائش) میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات میں جو کچھ پیدا کیا، اس کے لیے Let کا کلمہ استعمال کیا۔ جیسے قرآن میں ”کُنْ“ کی صورت میں اللہ حکم فرماتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب Let کے ساتھ کائنات کی ہر شے وجود میں آ گئی تو وہی قادر مطلق عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ لہذا عقلی اور نقلی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یا ان کو خدا بنا لینا یا تینوں میں سے ایک سمجھ لینا سراسر جہالت اور کفر ہے۔

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء ص ۴۹۰) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا، میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔

« لَا تَطْرُقُونِي كَمَا أَطْرَبَ النَّصَارَى ابْنِ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ »

میرے بارے میں اس طرح غلو نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا۔ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہتے رہنا۔

اس حکم کے ذریعے آپ نے اپنی امت کو اس غلو سے بچنے کی تلقین فرمائی جس کا شکار یہود و نصاریٰ ہو گئے۔ فرشتوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ جو لوگ ان کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں ان کو بھی اللہ کی بندگی کرنے والے غلام ہونے میں کوئی عار و انکار نہیں۔ وہ تو ہمہ وقت اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ سورۃ غافر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ ﴾ (7)

جو (فرشتے) اللہ کے عرش کو اٹھائے رکھتے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں، وہ (سب) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی پر ایمان رکھتے ہیں۔

رہی بات ان کے اللہ کی بیٹیاں ہونے کی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف میں مشرکوں سے سوال کیا ہے:

﴿ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا شَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴾ (19)

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمن کے بندے ہیں عورتیں بنا دیا۔ جب فرشتوں کی تخلیق ہوئی کیا اس

وقت ایسا کہنے والے موجود تھے۔ عنقریب ان کی یہ گواہی لکھی جائے گی اور ان سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔

یعنی ان کے عقیدہ باطلہ کے بارے میں سوال ہوگا۔ جب اس کو ثابت نہیں کر پائیں گے تو اس کی سزا ان کو دی جائے گی۔

اس کی مزید وضاحت سورة الانبیاء میں یوں ہوتی ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾﴾

اور انہوں نے کہا کہ رحمن کی اولاد ہے حالاں کہ وہ اس سے پاک ہے۔ بلکہ وہ اللہ کے عزت والے بندے ہیں۔ وہ کسی بات میں بھی اس سے آگے نہیں بڑھتے بلکہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

سورة الانبیاء ہی کے الفاظ ہیں:

﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عَمَلٰتِهٖ ۚ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ اَلَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾﴾

اور اسی کے (بندے) ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو اس کے پاس ہیں۔ وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہی ہیں۔ دن رات اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور کسی کمی کو تاہی کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں۔

اپنے مقرب بندوں اور فرشتوں کے معمول سے آگاہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے انجام کی خبر بھی دے دی جو اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ متکبرانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اپنے عقیدہ باطلہ یا نفسانی خواہشات کو پروان چڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔ قیامت کے روز ان سب کو اللہ جمع کر کے ان کے اعمال کے مطابق ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس دن اللہ کے سوا ان کا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ ہوگا۔ البتہ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے نیک اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ بلکہ اپنے فضل و کرم سے ان کو مزید نعمتوں سے نوازے گا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے والے ہر انسان کو چند باتوں کے علاوہ باقی تمام معاملات میں اسے باختیار بنایا ہے۔ موت، رزق، بیماری اور حادثات والے معاملات میں اسے کوئی اختیار نہیں۔ کیوں کہ اگر یہ

اختیار بھی انسانوں کو مل جاتا تو کوئی مرنا پسند ہی نہ کرتا۔ ساری دنیا کا رزق اپنے قبضے میں کر لیتا۔ دوسروں پر بیماری مسلط کر کے خود صحت مند رہتا اور حادثات کو بھی اپنے قریب نہ آنے دیتا۔ اس اختیار کے علاوہ اپنی زندگی کو نیکی سے مزین کرنا یا برائی سے متعفن کرنا اور دنیا کی بجائے آخرت کو سنوارنے کا کلی اختیار انسان کے سپرد کر دیا گیا ہے اور اللہ نے انسان کو اپنی راہنمائی سے محروم نہیں رکھا بلکہ انسانی زندگی کے ہر دور میں اس نے اپنی مخلوق کو بھرپور ہدایت سے نوازا۔ چونکہ نبوت و رسالت سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی، اس لیے قیامت تک دنیا کے تمام انس و جن کے لیے اس نے جو آخری کتاب نازل فرمائی، اس کو نور و برہان فرمایا یعنی دنیا میں گمراہی سے بچنے کے لیے یہ نور ہدایت ہے اور قیامت کے روز جنت میں لے جانے کی بہترین دلیل ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ نازل کردہ نور و برہان کے مطابق عمل کرتے ہوئے جو اپنے رب پر ایمان لائیں گے۔ ان کو اپنی رحمت سے نوازے گا اور اپنے فضل سے اس کی طرف جانے والی سیدھی راہ پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہی سے بجا کر سیدھی راہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

○ ﴿لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ﴾ میں لَنْ حرف نفی تاکیدی مستقبل اور یہ فعل مضارع کے آخر میں زبر دیتا ہے۔ يَسْتَنْكِفُ فعل مضارع (باب استفعال) الْمَسِيحُ اس کا فاعل۔ أَنْ ناصب۔ يَكُونُ فعل مضارع (ناقص)۔ عَبْدًا لِلَّهِ اس کی خبر۔ واو عاطفہ۔ لَا نافية۔ الْمَلَائِكَةُ موصوف۔ الْمُقَرَّبُونَ اس کی صفت اور مرکب توصیفی کا الْمَسِيحُ پر عطف۔ جملے کا معنی ہے مسیح اللہ کا بندہ ہونے کا ہرگز انکار نہیں کرے گا اور نہ مقرب فرشتے ہی۔

○ ﴿وَمَنْ يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَيَحْشُرْهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَسْتَنْكِفُ وَيَسْتَكْبِرُ فعل مضارع۔ عَنْ عِبَادَتِهِ مرکب جاری۔ فَيَحْشُرْهُمْ فعل مضارع پر فاء جواب شرط۔ هُمْ ضمیر تکیہ و انکار کرنے والوں کی طرف راجع۔ إِلَيْهِ جار مجرور۔ جَمِيعًا حال۔ جملے کا معنی ہے اور جس نے اس کی عبادت کرنے سے انکار کیا اور تکبر کا مظاہرہ کیا، وہ ان سب کو اپنی طرف جمع کرے گا۔

○ ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ میں حرف آمَّا شرطیہ پر فاء تفصیلی۔ الَّذِينَ موصولہ۔ آمَنُوا وَعَمِلُوا فعل ماضی۔ الصَّالِحَاتِ مفعول۔ يُوفِّيهِمْ پر فاء جزائیہ۔ هُمْ ضمیر مومنوں کی طرف راجع۔ أُجُورَهُمْ مفعول۔ واو عاطفہ۔ يَزِيدُهُمْ فعل مضارع۔ هُمْ ضمیر

مفعول۔ مِنْ فَضْلِهِ مرکب جاری۔ جملے کا معنی ہے پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، اللہ ان کو ان کا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے مزید عطا کرے گا۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ میں اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا دونوں فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ فَيُعَذِّبُهُمْ کی ضمیر ہُمْ مفعول اور عَذَابًا أَلِيمًا مرکب توصیفی مفعول مطلق۔ جملے کا معنی ہے اور جنہوں نے انکار اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا۔

﴿وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ میں واو عاطفہ۔ لَا نَافِيہ۔ يَجِدُونَ باب وَجَدَ يَجِدُ مثال واوی سے فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ لَهُمْ جار مجرور۔ مِنْ دُونِ اللَّهِ مرکب جاری وَلِيًّا مفعول۔ جملے کا معنی ہے اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی اپنے لیے دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ میں يَا أَيُّهَا حرف ندا۔ النَّاسُ منادى۔ قَدْ حرف تحقيق۔ جَاءَ فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی مفعول۔ بُرْهَانٌ فاعل۔ مِنْ رَبِّكُمْ مرکب جاری۔ جملے کا معنی ہے اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے۔

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾ میں واو عاطفہ، أَنْزَلْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ إِلَيْكُمْ جار مجرور۔ نُورًا مُبِينًا مرکب توصیفی مفعول۔ جملے کا معنی ہے اور ہم نے آپ کی طرف واضح نور نازل کر دیا ہے۔

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ﴾ میں فَأَمَّا شرطیہ تفصیلی۔ الَّذِينَ موصولہ۔ آمَنُوا اور اِعْتَصَمُوا دونوں فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ (پہلا باب افعال سے اور دوسرا باب افعال سے) بِاللَّهِ بِهِ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ چاروں جار مجرور اور فَضْلٍ کا عطف رَحْمَةٍ پر۔ فَسَيُدْخِلُهُمْ کی فاء۔ جزائیہ۔ حرف سین معنی کو مستقبل قریب میں کرنے والا۔ يُدْخِلُ فعل مضارع۔ هُمْ ضمیر اللہ پر ایمان لانے اور اس کو مضبوطی سے تھامنے والوں کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے پس جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا ان کو وہ عنقریب اپنی طرف سے رحمت و فضل میں داخل کرے گا۔

﴿وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ میں يَهْدِي فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ هُمْ ضمیر مفعول۔ إِلَيْهِ جار مجرور۔ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ مرکب توصیفی مفعول۔ جملے کا معنی ہے اور ان کو اپنی طرف آنے والی سیدھی راہ اپنانے کی ہدایت سے نوازے دے گا۔

وہ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اس حال میں کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کا نصف ہوگا جو وہ وراثت کی صورت میں چھوڑے جب کہ وہ بھائی اس بہن کے سارے مال کا وارث ہوگا اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر بہنیں دو ہوں تو ان کے لیے اس کے مال میں سے دو تہائی ہوگا جو وہ چھوڑے اور اگر مردوں اور عورتوں کی جماعت ہو تو ہر مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کی مثل ہوگا۔ اللہ تمہارے لیے بیان کر رہا ہے کہ تم بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر شے کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۚ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾

تشریح:

جمہور علمائے امت کے نزدیک کلالہ وہ ہے کہ جس میت کی نہ اولاد ہو اور نہ والد۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے مطابق ”الْكَلَالَةُ مَنْ لَمْ يَرِثْهُ أَبٌ أَوْ ابْنٌ وَهُوَ مُصَدَّرٌ مِّنْ تَكْلَلَةِ النَّسَبِ“، یعنی ”کلالہ وہ ہے جس کا وارث باپ یا بیٹا نہ ہو اور یہ لفظ تَكْلَلَةُ النَّسَبِ سے نکلا ہے“، یعنی اس کی دونوں نسبی طرفین خراب کر دیں۔

تفسیر سورة النساء کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت، سورة براء (التوبة) اور قرآن کی آخری آیت يَسْتَفْتُونَكَ یعنی سورة النساء کی آخری آیت ہے۔

میراث کی آیات ۱۱-۱۲ کی تشریح میں جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ باپ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے، صرف بہنیں ہی تھیں جن کے بارے میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے راہنمائی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو میت کی میراث کے بارے میں کامل راہنمائی سے نواز دیا۔

لفظ الكلالہ سورة النساء میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے لیکن اس کی میراث سے حصہ پانے والوں کے حصوں میں فرق رکھا گیا ہے۔ پہلی جگہ جن کے حصوں کا ذکر ہوا ہے وہ ماں کی طرف سے بہن بھائی ہیں، جن کو اخیانی کہا جاتا

ہے۔ جب کہ دوسری جگہ جن کا ذکر ہوا ہے، ان کا حقیقی یعنی یعنی ہونا ضروری ہے یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے بغیر قرآن کا سمجھنا ممکن نہیں۔ جس قاری کو یعنی، علاقائی اور اخلاقی رشتوں میں فرق کرنے کی تمیز نہ ہوگی، وہ علم الفرائض کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ علاقائی اس اولاد کو کہا جاتا ہے جس کا باپ ایک ہو لیکن مائیں مختلف ہوں۔

کلامہ کی وراثت کے بارے میں یہاں چار صورتوں کا بیان ہوا ہے:

پہلی یہ کہ فوت ہونے والے مرد کی صرف ایک حقیقی بہن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقی بہن کو اپنے فوت ہونے والے بھائی کی میراث کے آدھے حصے کا وارث بنا دیا ہے۔ یعنی بھائی کے چھوڑے ہوئے مال و جائیداد میں سے آدھا حصہ دے کر باقی میت کے دوسرے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ کہ میت عورت کی ہو اور اس کا ایک حقیقی بھائی ہو تو اس بھائی کو اپنی فوت شدہ بہن کا سارے کا سارا مال مل جائے گا۔ کیونکہ قانون وراثت کے مطابق بھائی کو دو بہنوں کے حصوں کے برابر ملتا ہے۔ تیسری صورت یہ کہ مرد کلامہ کی دو بہنیں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے میراث سے دو تہائی حصہ مقرر فرمایا ہے۔ اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں تو بھی وہ دو تہائی حصہ ہی میں شریک ہوں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے میراث کی پہلی آیت میں فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾

اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصہ ہوگا، اس میں سے جو میت نے چھوڑا۔ چوتھی صورت یہ کہ کلامہ میت کے کئی بھائی بہن ہوں تو اللہ نے ان کو عام اسلامی قانون وراثت کے تابع کر دیا یعنی ہر بھائی کو دو بہنوں کے حصے کی مثل دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ علم الفرائض کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے۔ المستدرک (۳۳۳/۴) السنن الکبریٰ (۳۰۸/۶) میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ فرائض کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔ عنقریب میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور فتنے ظاہر ہوں گے، یہاں تک کہ دو آدمی میراث کے فریضہ میں اختلاف کریں گے اور دونوں کوئی ایسا شخص نہیں پائیں گے جو دونوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

سنن الدارمی (کتاب الفرائض ص ۳۸۴)، السنن الکبریٰ (۲۰۹/۶) کی روایت ہے:

«قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَإِنَّهَا مِنْ دِينِكُمْ»

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا فرائض کا علم حاصل کیا کرو، بے شک یہ تمہارا دین ہے۔

سنن الدارمی اور السنن الکبریٰ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی، اس کو چاہیے کہ فرائض کا علم بھی سیکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو کوئی اعرابی ملے اور اس سے پوچھے قرآن پڑھتے ہو؟ وہ کہے ہاں۔ اعرابی سوال کرے کہ علم الفرائض سے بھی آگاہ ہو۔ اگر جواب میں کہے ہاں تو اس کے لیے بہتر اور زیادہ ہوگا۔ اگر کہے نہیں تو اعرابی کہے گا تم بھی قرآن پڑھتے ہو اور ہم بھی پھر تم میں اور ہم میں کیا فرق ہوا؟“

الدارمی میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہے یہ بھی مروی ہے کہ جس نے قرآن کا علم حاصل کیا اور علم الفرائض نہ سیکھا، اس کی مثال ایسے سر جیسی ہے جس کا چہرہ نہ ہو۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ فرائض کو آدھا علم اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ یعنی وراثت کا مسئلہ پیش آتا ہے۔

مسند احمد (۲/۴۲۷) میں ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کا حصہ ہے کہ اہل یمن میں سے چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کو نماز، سنت اور فرائض سے آگاہ فرمایا۔ صحیح بخاری (ص ۹۹۷) اور صحیح مسلم (۳/۳۲۲) کی کتاب الفرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْحَقُّوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرَ»

میراث کے وارثوں کا حق ان تک پہنچاؤ۔ جو باقی بچے تو میت کا سب سے زیادہ نزدیکی رشتہ دار مرد اس کا حق دار ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس پر عمل کرنے کی صلاحیت وہی رکھے گا جو علم الفرائض سے اچھی طرح آگاہ ہوگا۔ دادا دادی اور پوتا پوتی جیسے مسائل کے حل کے لیے احادیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ میراث کی تقسیم کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر درمنثور (۲/۲۵۱) میں مسند احمد کی بہت ہی عمدہ سند والی ایک روایت نقل کی ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت فوت ہوگئی، اس کے خاوند کے ساتھ اس کی ایک حقیقی بہن ہے۔ وراثت کی تقسیم کیسے ہوگی؟ انہوں نے کہا آدھا خاوند کو اور آدھا بہن کو ملے گا۔ جب ان سے دلیل مانگی گئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فیصلہ فرمایا۔

صحیح بخاری، کتاب الفرائض (ص ۹۹۷) کی روایت ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کلالہ میت کی ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن ہو تو اس کی وراثت کی تقسیم کیسے ہوگی؟ انہوں نے کہا آدھا حصہ بیٹی کو اور آدھا بہن کو دیا جائے گا۔

سائل سے انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہی سوال ان سے کرو جو میں نے کہا اسی کی موافقت کریں گے۔ چنانچہ سائل نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر وہی سوال کرنے کے ساتھ

جو فتویٰ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، اس کے بارے میں بھی بتا دیا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

اگر میں بھی ویسا ہی فتویٰ دے دوں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہیں ہوگا۔ میں ویسا ہی فیصلہ کروں گا جیسا کہ نبی ﷺ نے کیا۔ بیٹی کو نصف اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔ یوں یہ وراثت کا دو تہائی ہو جائے گا۔ باقی جو بچے وہ حقیقی بہن کو ملے گا۔

راوی کا بیان ہی ہے، ہم نے ابو موسیٰ کے پاس آ کر جب ان کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتوے کی خبر سنائی تو اسے سن کر انہوں نے کہا ”جب تک یہ علامہ تم میں زندہ ہے مجھ سے وراثت کے بارے میں نہ پوچھا کرو۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے آیات میراث کے ظاہری الفاظ کی روشنی میں آدھا حصہ حقیقی بہن کو اور آدھا حصہ بیٹی کو دیا جب کہ علم الفرائض میں گہری نظر رکھنے والے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوتی کو بیٹی کی جگہ لا کر دو بیٹیوں والی صورت کے مطابق فیصلہ کر دیا۔

سورة النساء کا آغاز اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور اس میں سے اس کی بیوی پیدائش، پھر ان دونوں کے ذریعے زمین میں مردوں اور عورتوں کو پھیلانے کے ذکر سے فرمایا یعنی حقیقی خالق وہی ہے اور سورت کے اختتام پر وراثت کی تقسیم کا ذکر کر کے انسانوں پر واضح کر دیا کہ ہر پیدا ہونے والے نے ایک دن مرنا ہے۔ بڑا ہی لطیف نکتہ یہاں یہ ہے کہ موت کے لیے اس نے هَلَاک کا لفظ استعمال کر کے سورة القصص کی آخری آیت کی طرف اشارہ کر دیا۔

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (88)

وہی یعنی (اللہ ہی) حقیقی معبود ہے۔ ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ صرف اس کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

لہذا انسان اپنی فانی زندگی میں جو مال و دولت جمع کرتا ہے یا جائیداد بناتا ہے، انجام کار وہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوتی ہے جس کی وضاحت تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمادی تاکہ اہل ایمان ہر قسم کے بہکاوے سے محفوظ ہو جائیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اگر کوئی سمجھے کہ وہ اپنی چالاکی سے کسی کا حق مار سکتا ہے اور لوگوں کو بے وقوف بنا لیتا ہے تو اللہ اس کے معاملے سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم کے بہکاوے سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

حل لغات:

○ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ میں يَسْتَفْتُونَ باب استفعال سے فعل مضارع جمع مذکر غائب ناقص یائی۔ کاف ضمیر

مخاطب کی مفعول۔ جملے کا معنی ہے وہ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں۔

○ ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَمَالَةِ﴾ میں قُلِ۔ قَالَ يَقُولُ سے فعل امر۔ لفظ اللہ مبتدا۔ يُفْتِي باب

افعال سے فعل مضارع۔ کُمْ ضمیر مفعول۔ فِی الْکَلَالَةِ جار مجرور۔ الْکَلَالَةُ مصدر۔ جملے کا معنی ہے آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے یعنی تمہیں مسئلہ سمجھاتا ہے۔

﴿إِنْ أَمْرُوْا هَلٰکَ لَہٗ وَلَکُمْ اُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَکَ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ اَمْرُوْا مبتدا هَلٰکَ اور تَرَکَ دونوں فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ لَیْسَ فعل ناقص۔ مضمون جملہ کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لَیْسَ لَہٗ وَلَکُمْ اُخْتُ۔ اَمْرُوْا کی صفت یا هَلٰکَ کی ضمیر متصل سے حال۔ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَکَ جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے اگر کوئی مرد فوت ہو جائے کہ اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی حقیقی ایک بہن ہو تو اس کی چھوڑی ہوئی وراثت کا آدھا حصہ اس کا ہوگا۔

﴿وَهُوَ یَرِثُہَا اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ میں واو عاطفہ۔ هُوَ ضمیر مرفوع مفصل۔ یَرِثُ باب وَرِثَ یَرِثُ مثال وادی سے فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ هَا ضمیر اُخْتُ کی طرف راجع۔ اِنْ شرطیہ۔ لَمْ نفی جحد۔ یَکُنْ فعل مضارع (ناقص) لَهَا ضمیر بھی اُخْتُ کی طرف راجع۔ وَلَدٌ سے مراد اولاد ہے چاہے لڑکا ہو یا لڑکی۔ جملے کا معنی ہے اور وہ اُس کا وارث ہوگا اگر اس کی یعنی بہن کی اولاد نہ ہو۔ بہن کی چھوڑی ہوئی ساری وراثت اس کو ملے گی۔

﴿فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثَّلَاثُ مِمَّا تَرَکَ﴾ میں اِنْ شرطیہ پر فائے عطف۔ کَانَتَا فعل (ناقص) ماضی ثنویہ مؤنث غائب۔ اثْنَتَیْنِ اس کی خبر۔ فَلَهُمَا الثَّلَاثُ مِمَّا تَرَکَ جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے اور اگر بہنیں دو ہوں تو جو بھائی نے چھوڑا ہے اس میں سے دو تہائی ان کا ہوگا۔

﴿وَإِنْ کَانُوْا اِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَکْرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَیْنِ﴾ میں واو عاطفہ۔ اِنْ شرطیہ۔ کَانُوْا فعل (ماضی) ناقص۔ اِخْوَةُ اس کی خبر۔ رِّجَالًا وَنِسَاءً بدل۔ لِلَّذَکْرِ جار مجرور پر فاء جواب شرط اور پورا جملہ شرط کا جواب۔ جملے کا معنی ہے اور اگر بھائی بہنوں کی صورت میں مرد اور عورتوں کی ایک

جماعت ہو تو ہر مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا www.KitaboSunnat.com

﴿یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا﴾ میں یُبَیِّنُ فعل مضارع لفظ اللہ اس کا فاعل۔ لَکُمْ جار مجرور۔ اَنْ ناصبہ۔ تَضِلُّوْا فعل مضارع۔ تَضِلُّوْا میں تَضِلُّوْا سے تَضِلُّوْا کی خبر ہے۔ تَضِلُّوْا سے تَضِلُّوْا کی خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ میں لفظ اللہ مبتدا بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اس کی خبر ہے جملے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔

